

دیوانِ غالبِ کامل

تاریخی ترتیب سے

مرتبہ



کالی داس گپتا رشتا



دیوانے غالب (کالی)

تاریخ ترقی یافتہ

کالی داس گیتا رشتہ

دیوانِ غالبؔ

مکمل

تاریخی ترتیب سے

مرتبہ



کالی داس گپتا رضا

ساکار پبلشرز پرائیویٹ لیٹیڈ بمبئی ۴۰۰۰۲۰

© کالی داس گپتا رضا

0168, 1297, 1
M8

Acc. No. 194

- | | | |
|---------|---|--|
| باراقلے | ✽ | ۱۵ فروری ۱۹۸۸ء |
| تعداد | ✽ | پانچ سو |
| قیمت | ✽ | ۱۶۰ روپے |
| طباعت | ✽ | ملٹی پرنٹ بمبئی ۴۰۰۰۰۸ |
| پبلشرز | ✽ | ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹیڈ - ۱۰۷ جولی بھون - ۱ |
| | | ۱۰ نیومرین لائنز - بمبئی - ۴۰۰۰۲۰ |



شری

ساوتری کالی داس گپتا

کے نام

جس کے ہمہ وقتی تعاون سے
یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ سکا

فہرستِ مضامین

۵	انتساب
۷	فہرستِ مضامین
۹	مقدمہ
۱۱	کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب کیوں
۲۱	تعارف
۲۶	غالب کا اولین اُردو منظوم کلام
۳۳	عمدہ منتخبہ میں ذکرِ غالب

غالب کے بعض غیر متداول اردو اشعار کا زمانہ فکر _____ ۴۲

غالب کے کچھ ہنگامی مصرعے اور شعر _____ ۵۴

دیوان غالب - طبع اول _____ ۵۹

غالب کی زندگی میں دیوان غالب کی اشاعت

(دیباچہ، تقریظ، حاتمۃ الطبع اور تعداد اشعار) _____ ۶۸

توقیت غالب _____ ۸۲

دیوان غالب (کامل) _____ ۹۹

کلام کا پہلا دور ۶۱۸۰۷ تا ۶۱۸۱۲ ۱۰۱

کلام کا دوسرا دور ۶۱۸۱۳ تا ۶۱۸۱۶ ۱۱۱

کلام کا تیسرا دور ۶۱۸۱۷ تا ۶۱۸۲۱ ۲۱۰

کلام کا چوتھا دور ۶۱۸۲۲ تا ۶۱۸۲۶ ۲۲۹

کلام کا پانچواں دور ۶۱۸۲۷ تا ۶۱۸۳۱ ۲۶۸

کلام کا چھٹا دور ۶۱۸۳۲ تا ۶۱۸۳۳ ۲۷۴

کلام کا ساتواں دور ۶۱۸۳۴ تا ۶۱۸۳۷ ۲۸۲

کلام کا آٹھواں دور ۶۱۸۳۸ تا ۶۱۸۵۲ ۲۸۹

کلام کا نواں دور ۶۱۸۵۳ تا ۶۱۸۵۷ ۳۱۶

کلام کا دسواں دور ۶۱۸۵۷ تا ۶۱۸۶۲ ۳۲۵

کلام کا گیارہواں دور ۶۱۸۶۳ تا ۶۱۸۶۷ ۳۵۴

۳۶۹ ————— اشاریہ

۳۷۱ ————— فہرست اشعار

۳۸۴ ————— اشخاص

۳۹۷ ————— مقامات کتب و رسائل و غیرہ





مقدمة



کلام غالب کی تاریخی ترتیب کیوں

نصف صدی پہلے کی بات ہے میں کوئی دس گیارہ سال کارہا ہوں گا۔ بلوری زبان پنجابی ہونے کے باوجود پنجاب کے کونے کونے میں اردو زبان پھاؤنی چھائے ہوئے تھی۔ ہمارے گھر کا بھی یہی حال تھا۔ میرے والد محترم اردو کے ادیب تو نہ تھے مگر انگریزی کے گزربوٹ ہوتے ہوئے بھی اردو فارسی کے اس حد تک سیاتھے کہ انہیں ان زبانوں کا عالم کہنا کچھ زیادہ غلط نہ ہو گا۔ مدر سے کے بعد انگلستان، بوستان اور انوار سہیلی کے اسباق میں انھیں سے لیا کرتا تھا۔

ہمارے یہاں ادبی کتابوں میں آبِ حیات (آزاد) و یادگارِ غالب (حالی) سامنے ہی دھری رہتی تھیں۔ میں نے انھیں نہایت رغبت سے پڑھا، آبِ حیات 'بلوری اور یادگارِ غالب' کا سوانحی حصہ۔ قصے کہانیاں سمجھ کے ان سے بہت حظ اٹھایا۔ انھیں ایام میں ایک چھوٹی سی کتاب 'یوسف ہندی قیدِ فرنگ میں' نئی نئی آئی تھی۔ چوری چھپے پڑھی۔ مواد ثقیل تھا اور فارسی اشعار بہت تھے۔ کچھ پلے نہ پڑا۔ گھر میں ہر سال ہمارا خانقاہ بھاٹ راجستان سے آیا کرتا تھا۔ پرانے تاریخی اور فی البدیہہ کہت بہت اچھے کہا کرتا تھا۔ محرم میں تعز یہ اٹھتا۔ نوہ خوانی ہوتی۔ بعض نوحے دل کو چھو لیتے۔ ان سب پر مستزاد یہ ادبی کتابیں خاص کر 'آبِ حیات' مجھے شعر کہنے کی چاٹ لگ گئی جن سے آج پچاس سال گزرنے پر بھی سیری نہیں ہوئی۔ ناسخ کیا اچھا کہ گیا ہے۔

یہ لگی چاٹ مرے زخموں کو سیری نہ ہوئی
ہو گئے کتنے ہی وقت اقل کے مسکداں خالی

جنوری۔ ۱۹۷۷ء میں کینیا مشرقی افریقہ سے ہندوستان لوٹا اور بمبئی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ شاعری سے وابہانہ وابستگی تو تھی ہی، مکتوڑا سا رخ تحقیق ادب کی طرف بھی پھر گیا اور یہی آخر کو ٹھہرا فن ہمارا۔

اس مشغلے کے لیے ذاتی کتب خانے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ ایک دن کتابوں کی نئی خرید کے ڈھیر میں سے ایک کتاب ”یوسف ہندی قیدِ فرنگ میں“ نکل آئی، عمن بن شیر کی لکھی ہوئی اور ربیع الثانی ۱۲۵۱ھ میں حیدرآباد کی چھپی ہوئی۔ یہ وہی ایڈیشن تھا جس کا تقریباً پچاس سال پہلے میں نے مطالعہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اب کے اسے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا اور غور کرنے پر معلوم ہوا کہ شاعر کے کسی شعر کو سامنے رکھ کر قصہ گھڑ لینے کی جو روش ہمارے پرانے تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں نے اختیار کر رکھی تھی وہ آج بھی جاری ہے جیسے کہ حسن بن شیر لکھتے ہیں (ص ۱۵)

”ربیع افکار کے لیے ان (غالب) کو بھی قصہ ربیع طبع کا کچھ سامان کرنا ضرور تھا۔ دو حرفی (قے) کا استعمال بھی وہ غم غلط کرنے کے لیے کیا کرتے تھے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاء کو

اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چلے ہے

یہ شعر سنو شیرانی (۱۸۲۶ء) کے متن میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی سال یا اس سے کچھ پہلے کہا گیا ہوگا۔ اس وقت مرزا پورے شباب پر تھے۔ کیا بیجا طعنے اور کیا یہ اعتبار شاعری۔ لہذا اس شعر سے غم غلط کرنے کا مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ سنو شیرانی میں اس غزل کے دس شعر ہیں، ہر شعر سے رنگ تغزل اٹھا پڑتا ہے۔ دور دور تک آلام و افکار کا پتا نہیں۔ یوں بھی یہ مرزا بیدل کے اس شعر کا ترجمہ سا معلوم ہوتا ہے۔

مطلبیم از مئے پرستی تردمانی ہانہ نہ بود
یک دوساغر آب رادم گر بیہ مستانہ ما

پھر (ص ۲۰) لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ قرض خواہوں نے ناش کی جوابدہی میں طلب ہوئے
مفتی صدر الدین آزرہ کی عدالت تھی جس وقت پیشی میں گئے، یہ شعر
پڑھا۔“

قرض کی پیتے تھے مئے، لیکن سمجھتے تھے کہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن“

آزرہ ۵ جون ۱۸۴۲ء کو صدر الصدور مقرر ہوئے تھے۔

اس سے پہلے (شاید ۱۸۲۷ء سے) صدر امین تھے۔ صدر امین کو اب امین
کہتے ہیں اس کی اپنی عدالت نہیں ہوتی لیکن شعر نسو بھوپال (جمیدیہ - ۱۸۲۱ء) کے متن میں موجود
ہے اس وقت غالب ۲۳-۲۴ سال سے زیادہ کے نہ تھے۔ واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے
جیسے شعر بھری عدالت میں فی البدیہہ پڑھا گیا ہو۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ شعر کو سامنے
رکھ کر قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔

آگے چل کر ص ۵۲ پر حاتی کے حوالے سے لکھتے ہیں

”بکڑا اور تمام ضروریات ان کو گھر سے پہنچتی تھیں“

یہاں حاتی نے پتہ کو چھپایا ہے۔ غالب خود اس بات کی نفی کرتے ہیں۔

شادم از بند کہ از بند معاش آزادم

از کف شحمہ رسد جامہ و نامہ در بند

رس ہے کہ عارف کا انتقال اپریل ۱۸۵۲ء میں ہوا اور ان کی بیوی کا ان سے تین چار ماہ پہلے،
 غالب کی بیگم غالب کی وفات کے ایک سال بعد فوت ہوئیں، دہلی ۱۸۵۷ء میں اجڑی ابھائی
 (مرزا یوسف) ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو سرے کیجک مندر جبالا شہر ۱۸۴۷ء کے کچھ ہی عرصے بعد کا فکر
 کر رہے۔ بتائیے اس کا اطلاق ان واقعات پر کیونکر ہو سکتا ہے۔ یوں بھی اگر اس غزل کے
 باقی تین شعر (کل چار شعر ہیں) دیکھیے تو ان میں داستانِ غم کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ یہ
 میر کے اس شعر کی ترقی یافتہ شکل ہے اور ایسے شعر ہر غزل گو کے یہاں پائے جاتے ہیں :
 کاشکے داں دو تو ہوتے عشق میں ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں
 اس اور صوری غزل کا قطع بھی میر ہی کے یہاں سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میر کہتے ہیں :
 اس کے ایفاء عہد تک نبیجے
 عمر نے ہم سے بے وفائی کی
 مرنے سے اسے یوں کر لیا :

آہی جاتا وہ راہ پر غالب
 کوئی دن اور بھی جیسے ہوتے

اسی مضمون کا ایک شعر قائم کے یہاں بھی ہے :
 بعد خط آنے کے اس کے تھا وفا کا احتمال
 لیک واں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی

حالی نے یادگار غالب 'میں' طیفی کے تحت لکھا ہے

"ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رامپوری نے جو نہایت ظریف الطبع
 تھے اور جن کو چند روز قلعہ دہلی سے تعلق رہا تھا، مرزا سے کسی موقع
 پر یہ کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر مجھ میں نہیں آتا۔ اور اسی وقت
 دو مصرعے نمود موزوں کر کے مرزا کے سامنے پڑھے :

پہلے تو روغن گھی بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال
مرزا یہ سن کر سخت حیران ہوئے اور کہا: عاशा، یہ شعر میرا نہیں ہے
مولوی عبدالقادر نے ازراہ مزاج کہا میں نے خود آپ کے دیوان میں
دیکھا ہے اور دیوان ہو تو میں اب دکھا سکتا ہوں، آخر مرزا صاحب
کو معلوم ہوا کہ نجد پر اس پیرا بے میں اعتراض کرتے ہیں اور گویا یہ جانتے
ہیں کہ تمھارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں۔۔۔۔۔
اس لطیف سے یہ تنازع اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

۱۱) گنگو مولوی عبدالقادر راسپوری اور غالب کے مابین ہوئی تھی مگر اس کے راوی کا علم نہیں۔

(۲) مولوی صاحب کو چند روز قلعے میں قیام رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ غالب سے ملاقات اور گفتگو اسی زمانے میں ہوئی ہوگی۔

(۳) غالب کا دیوان چھپ چکا تھا۔ جمعی تو مولوی صاحب نے کہا کہ ”دیوان ہو تو میں اب دکھا سکتا ہوں۔“

مولوی عبدالقادر رامپوری ۱۸۳۸ء میں ضلع مراد آباد میں صدر الصدور تھے۔ اسی سال ملازمت ترک کر کے دہلی آ گئے۔ وہ رامپور میں پیدا ہوئے، رامپور اور مراد آباد میں تعلیم پائی اور ۱۸۰۹ء میں ضلع مراد آباد ہی میں سرکار کمپنی کے ملازم ہوئے۔ بقول ڈاکٹر محمد الوب قادریؒ

”... ۱۸۱۲ء میں بسلسلہ ملازمت دہلی پہنچے اور ۱۸۱۵ء میں واپس آ گئے اور ۱۸۱۷ء میں دوبارہ گئے اور ۱۸۱۸ء میں انکا تبادلہ اجیر ہو گیا۔“

۱۔ مفتی مولوی عبدالقادر خان تھلوی غلگیٹ مشرقی ۱۸۴۹ء تک کہ کاملاً رامپور میں ۲۳۴

مٹہ خائب اور عصر خائب - مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء ص ۱۸۹

اجمیر، راجستھان، جلیپور، ناگپور میں بڑے بڑے عہدوں پر ملازم رہے۔ اخیرم آباد میں صدر
الصدر مقرر ہوئے۔

حالی ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۴ء میں بعرے اسال دلی آئے تھے۔ ظاہر
ہے (۱) کہ حالی نے یہ روایت کسی سے سنی ہے خود مولوی صاحب نے انہیں نہیں بتائی
کیونکہ وہ ۱۸۴۹ء میں فوت ہو چکے تھے۔ شاید شیفتہ اس کے راوی ہوں۔ (۲) دلی آنے کے بعد
مولوی صاحب ۶ ماہ شاہ ظفر کے پاس رہے۔ بقول ڈاکٹر محمد ایوب قادری "یہاں شاہ ظفر کے دربار میں
مولوی عبدالقادر تقریباً ۱۷۵۷ھ (۱۸۴۰ء) میں وکیل مقرر ہوئے۔ شیفتہ اور غالب کے
تعلقات تو تھے ہی معلوم ہوتا ہے شاہ ظفر کی ملازمت کے بعد بھی مولوی صاحب چندے دلی ہی میں رہے کیوں کہ
(۳) غالب کا دیوان اردو (پہلا ایڈیشن) ۱۸۴۱ء میں چھپا اور ظاہر ہے یہ بات انہیں دونوں کی
ہوگی ورنہ وہ دیوان دیکھنے کی بات کیوں کرتے۔

یہ روایت تذکرہ کا ملان رام پور میں بھی درج

ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ مرزا غالب "گھر آکر دیوان کو دیکھتے ہیں، پریشان ہو کر ایک ایک
سے دریافت کرتے ہیں کہ جہاں یہ شعر (پہلے تو رد عن گل....) کہاں ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں
شیفتہ نے کہا کہ مولوی صاحب نے آپ کے کلام سے نظرانت کیا ہے۔"

یہ وائد بیان کرنے کے بعد حالی "یادگار غالب" میں لکھتے ہیں :-

"مرزا نے اس قسم کی نکتہ چینیوں پر اردو فارسی دیوان میں جایا

اشاب کیا ہے۔ اردو میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

نہ ستایش کی تمنا، نہ صلے کی پروا

گر نہیں میں مرے اشعار میں معنی، نہ بھی

ایک اور اردو غزل کا مطلع ہے۔

گر خامشی سے ناکہ اخلائے حال ہے

خوش بروں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

مگر یہ دونوں شعر تو نسخہ بھوپال (حمیدیہ) کا مکتوبہ ۱۸۲۱ء کے متن میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ سن وصال کے لحاظ سے ان کا اطلاق ۲۰ سال بعد کے واقعے پر نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے

کہ غالب نے ایسے اشعار اور بھی کہے ہیں۔ جیسے یہ

شکل ہے زبں کلام میرا اے دل سن من کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش گویم شکل و گرنہ گویم شکل

نسخہ بھوپال (حمیدیہ) ۱۸۲۱ء

اگرچہ رام شنیدن جس قدر چاہے مدعا انتفا ہے اپنے عالمِ تقریر کا ۱۸۲۱ء نسخہ حمیدیہ (ختمی)
۱۸۲۷ء نسخہ شیرانی (مثنوی)

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد گھلا کر فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

نسخہ شیرانی ۱۸۲۷ء

مگر یہ سب کے سب اسی عہد کے ہیں کوئی ۱۸۲۷ء کے بعد کا نہیں۔ اس لیے انہیں ۱۸۲۱ء کے کسی واقعے سے مربوط کر لینا قطعی نادرست ہے۔ ۱۸۲۷ء کا وہ زمانہ ہے جب غالب طرزِ بیدل سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جب آنکھوں نے فارسی میں باقاعدگی سے کہنا شروع کیا مگر چونکہ اس وقت تک وہ بیدل (اور اسیر و شوکت) کی طلسماتی گرفت سے نکل چکے تھے، اس لیے فارسی کلام پر ان کی چلیستانی طرز کا اثر نمایاں نہیں ہے۔ اس عہد کے بعد کا اردو کلام بھی بیشتر اس طرزِ سخن سے پاک ہے۔

جنابِ نوحہ شیدائے اسلام مکتوبِ غالب بنام علانی سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔

”پچاس برس کی بات ہے کہ الہی بخش مرحوم نے ایک زمین لکائی، میں نے

حسبِ احکم غزل لکھی۔ بیت الغزل

پلائے اوک سے ساقی جو مجھ سے نفرت ہے بیاگہ گرنیں دیا نہ دے شراب تو دے“

پھر لکھتے ہیں ”یہ نقطہ ۱۸۶۲ء کا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ غزل ۱۸۱۲ء میں لکھی گئی تھی۔ اور اس وقت غالب کی عمر محض ۵۰ سال یا اس سے بھی کم تھی۔ اس قسم کی نشوونما کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی پردہ کے رنگ سے خوش یا مطمئن ہو جانے کے بجائے یہ جستجو کرنے لگتا ہے کہ اس کے پیچھے کیا ہے.....“ حقیقت یہ ہے کہ یہ غزل پہلے پہل ۱۸۲۱ء کے مخطوطے کے سلسلے میں ملتی ہے جب غالب کی عمر ۵۰ سال کی نہیں بلکہ ۲۴ سال سے زیادہ کی تھی۔ ظاہر ہے کہ غزل ۱۸۲۱ء اور ۱۸۲۶ء کے درمیان کسی وقت بھی کہی گئی تھی ۱۸۱۲ء میں نہیں۔

غالب نے شاہ ظفر کی طرف سے ایک مثنوی، شیعیت سے بیادیت کے مضمون کی ۱۸۵۳/۵۴ء میں کہی تھی۔ اس پر بڑا افسوس ہوا۔ غالب بھی اس کی زد میں آگئے۔ زچ ہو کر سلطان العلماء مولوی سید محمد کھنوی کو لکھتے ہیں:

”اب وقت آگیا ہے کہ غزل کے پردہ میں اپنے عقیدہ کا اظہار کروں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ کتنی ناکامی کے خاک نشیں کے دل میں کیا ہے۔“
اب سوال یہ ہے کہ غالب کی، اس غزل سے مراد، کونسی غزل ہے جس میں وہ اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتے تھے۔ حاشیے میں مہاجر صاحبؒ ”مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں“ کے مقطعے والی غزل کو یہ غزل قرار دیتے ہیں، مگر یہ غزل تو دیوان غالب مطبوعہ ۱۸۴۷ء کے متن میں موجود ہے، گویا ۱۸۴۷ء یا اس سے پہلے کہی گئی تھی۔ اسے ۱۸۵۳/۵۴ء کی فکر کردہ کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ غالب کا اشارہ اُس غیر متداول ۲۱ شعری سلام کی طرف ہے، جو ۱۸۵۴ء میں کہا گیا تھا۔ اور جس کا مطلع یہ ہے۔

سلام اسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو تو پھر کہیں کہچھ اس سے سوا کہیں اُسکو
مندرجہ بالا چند مثالوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ جب تک غالب کے تمام کلام کا تاریخی ترتیب سے مطالعہ نہ کیا جائے گا، ہم نتائج اخذ کرنے میں اکثر ٹھوکر کھاتے رہیں گے۔

علا اقباس از پنچ آہنگ، اردو ترجمہ از مہاجر۔ پاکستان

نے اسی مقصد کو رہنما بنا کر اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ تاریخی ترتیب ہی سے غالب کے سوانحی اور فکری ارتقا کا صحیح تجزیہ ہو سکے گا۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ غالب کے اردو کلام کے کئی ایک مخطوطے فراہم ہو چکے ہیں جو ان کے مختلف فکری ادوار کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور پھر مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم کا مرتبہ 'دیوانِ غالب' موجود ہے جو کسی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔

تعارف

غالب کی زندگی میں ان کا مجموعہ کلام اردو پانچ بار چھپا۔ اس کا نام انہوں نے ذیوان غالب رکھا۔ پہلے دو ایڈیشنوں کے سرورق کی عبارت میں 'ذیوان' کا لفظ موجود ہے، اگرچہ سرورق پر "ذیوان غالب" کا عنوان طبع نہیں ہوا ہے، البتہ آخری تین ایڈیشنوں کا عنوان "ذیوان غالب" ہی ہے جو ان کے سرورق پر نمایاں طور پر دکھایا جاسکتا ہے۔ اشاعتوں کی تفصیل یہ ہے =

پہلا ایڈیشن	مطبع سید الاخبار، دہلی	اکتوبر ۱۸۴۱ء کل شعر ۱۰۹۶
دوسرا ایڈیشن	مطبع دارالسلام، دہلی	مئی ۱۸۴۷ء " " ۱۱۵۸
تیسرا ایڈیشن	مطبع احمدی، دہلی	جولائی ۱۸۶۱ء " " ۱۷۹۶
چوتھا ایڈیشن	مطبع نظامی، کانپور	جون/جولائی ۱۸۶۲ء " " ۱۸۰۲
پانچواں ایڈیشن	مطبع مفید خلائق، لاہور	۱۸۶۳ء " " ۱۷۹۵

۱۔ اس بحث کے لیے رکھے گئے ہیں لفظ ذیوان غالب (عکسی) [مطبوعہ اکتوبر ۱۸۴۱ء]۔ ۱۹۸۶ء کالی داس گپتا رشتا
۲۔ پیش لفظ ذیوان غالب چوتھا ایڈیشن [جون جولائی ۱۸۶۲ء (عکسی) ۱۸۶۲ء کالی داس گپتا رشتا

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا، چوتھے ایڈیشن یعنی طبعِ تھامی کے نسخے میں کلامِ سب ایڈیشن سے زیادہ ہے یعنی اس میں ۱۸۰۲ شعر ہیں۔ اس کے برعکس جو نسخہ اس وقت آپ کے مطالعے میں ہے اس میں ایک آدھ مصرعے کی گئی کے ساتھ ۲۰۹ شعر پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں وہ چند شعر شامل ہیں جو غالب کے نہیں مگر جن کو غالب نے تصنیف کر کے اپنا بنالیا ہے مگر وہ چند شعر اور مصرعے شامل نہیں جو محض غالب کی شوقی طبع اور حاضر دماغی کا آئینہ ہیں اور کسی ادبی حیثیت سے عاری ہیں تاہم ایسے اشعار کو ”غالب کے کچھ ہنگامی مصرعے اور شعر“ کے عنوان سے مقدمے میں شامل کر لیا گیا ہے تاکہ یہ مواد بھی قاری کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔

سخامت اور تعدادِ اشعار کے پیش نظر اسے غالب کے اردو کلام کا کلیات کہنا چاہیے مگر میں نے غالب کے مجموعہ کلامِ اردو کی روایت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس کا نام ”دیوانِ غالب“ ہی رہنے دیا ہے۔ صرف ایک لفظ ”کامل“ کا اضافہ کر دیا ہے یعنی ”دیوانِ غالب (کامل)“ ظاہر ہے کہ اس میں غالب کے متداول ۱۸۰۲ اشعار بھی آگئے ہیں۔

میں نے مندرجہ ذیل درجہ اول کے ۱۹ ماتخذوں کی مدد سے غالب کے کلامِ اردو کے گیارہ ادوار قائم کئے ہیں جو مع تعدادِ اشعار یہ ہیں۔ اسی جدول میں یہ بھی دکھا دیا گیا ہے کہ ہر دور کے جملہ اشعار میں سے کتنے شعر متداول و دیوان کیلئے انتخاب کئے گئے۔ درجہ دوم کے ماتخذ نظر انداز کر دیئے ہیں۔

ادوار	کل اشعار	دیوان کیلئے منتخب اشعار
۱۸۰۶ تا ۱۸۱۳	۵۹	۴
۱۸۱۳ تا ۱۸۱۶	۱۷۳۳	۳۰۲
۱۸۱۶ تا ۱۸۲۱	۶۹۵	۳۳۹
۱۸۲۲ تا ۱۸۲۶	۲۹۸	۲۶۸
۱۸۲۶ تا ۱۸۲۸	۹۱	۸۶
۱۸۲۸ تا ۱۸۳۳	۸۹	۷۴

۸۵	۸۹	۶۱۸۴۴ تا ۶۱۸۴۷
۳۸۴	۴۴۴	۶۱۸۵۲ تا ۶۱۸۴۸
۲۵۲	۴۴۰	۶۱۸۵۳ تا ۶۱۸۵۱
۶	۹۵	۶۱۸۶۲ تا ۶۱۸۵۷
—	۱۷۵	۶۱۸۶۳ تا ۶۱۸۶۷
۱۸۰۲	۴۲۰	میزان

ماخذوں کی تفصیل یہ ہے:

- (۱) تذکرہ عیار الشعرا (۲) تذکرہ عمدہ مفتوحہ مطبوعہ (۳) نسخہ بھوپال بخط غالب تبیین عکسی اشاعتیں، عرشی زادہ، کمال احمد صدیقی، نقوش لاہور (۴) نسخہ بھوپال مشمولہ نسخہ حمیدیت تبیین مطبوعہ نسخہ مرتبہ مفتی محمد انوار الحق، چوتھا مطبوعہ نسخہ مرتبہ حمیدیت احمد خاں (۵) نسخہ شیرانی عکسی اشاعت (۶) گل رعنا۔ قلمی اور مطبوعہ (۷) نسخہ رام پور اول یا قدیم (۸) انتخاب غالب (۹) نسخہ بدایوں (۱۰) دیوان غالب مطبوعہ ایڈیشن (۱۱) نسخہ دہلی (۱۲) نسخہ کریم الدین یا نسخہ کراچی (۱۳) دیوان غالب مطبوعہ ایڈیشن (۱۴) نسخہ لاہور (۱۵) نسخہ رام پور ثانی یا جدید (۱۶) قادر نامہ غالب۔ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۵ھ، فیض محمدی لکھنؤ ۱۸۹۲ء، مصری لال پریس ہاتھرس (۱۷) ۱۸۹۶ء (۱۸) دیوان غالب چوتھا مطبوعہ ایڈیشن (۱۹) دیوان غالب پانچواں مطبوعہ ایڈیشن

ان میں سے مندرجہ ذیل ۸ ماخذ میں نے نہیں دیکھے۔ اس لیے ان کے لیے کئی طور پر دیوان غالب مرتبہ عرشی (اشاعت دوم) سے استفادہ کیا گیا ہے۔ باقی تمام ماخذ میرے

کتب خانے کے غالب کلکشن میں موجود ہیں:

(۱) تذکرہ عیار الشعراء (۲) نسخہ رام پور اول یا قدیم (۳) انتخاب

غالب (۴) نسخہ بدایوں (۵) نسخہ دلیسنہ (۶) نسخہ کریم الدین

(۷) نسخہ لاہور (۸) نسخہ رام پور ثانی یا جدید

کلام کے زمانہ فکر کے تعین کے لیے یہ قاعدہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کسی ماخذ کی غزل کا ایک شعر بھی کسی قدیم تر ماخذ میں پایا گیا ہے تو اس پوری غزل کو قدیم تر ماخذ میں شامل سمجھا گیا ہے کیونکہ پوری غزل نہ کہی گئی ہو تو بھی اس کی اساس اسی عہد میں رکھی گئی تھی۔ عین ممکن ہے کہ اس غزل کے کچھ اشعار واقعی بعد کے ہوئے ہوں مگر ایسے اشعار کی تعداد زیادہ نہیں۔

اعلا اور روایت اشعار بیشتر نسخہ عرشی کے مطابق ہیں۔ کہیں کہیں اختلاف بھی روار کھا گیا ہے۔ خاص کر اوقاف و اعراب لگانے میں مہولی رد و بدل کیا گیا ہے۔ تاہم کلام کے فکر کا عہد وہی ہے جس میں وہ پہلی بار تخلیق ہوا تھا۔

اختلاف نسخہ کو کہیں واضح نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام نسخہ عرشی میں احسن طریقے سے انجام دیا گیا ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ کہیں شبہ ہو تو ”دیوان غالب نسخہ عرشی“ سے رجوع کیا جائے۔

بہت سے اشعار کے درمیان یا آگے، اور نظموں، قصیدوں قطعوں وغیرہ کے عنوانات کے نیچے ’م‘ کا نشان بنا دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی پہچان ہے کہ یہ کلام متداول دیوان غالب میں شامل ہے۔ اس نسخہ میں حواشی کثرت سے ہیں اور بیشتر سوالیہ کیے ہیں بان حاشیوں میں اگر کوئی عبارت واوین میں بغیر حوالے کے ہے تو اسے دیوان غالب نسخہ عرشی سے اخذ شدہ سمجھا جائے۔

نسخہ زیر نظر میں غالب کا آج تک کا دریافت شدہ پورا اردو شعری کلام تاریخی ترتیب سے درج ہے۔ یعنی سب سے پہلے وہ اشعار دیے گئے ہیں جو سب سے پہلے تخلیق ہوئے

اس کے بعد اس کی تخلیقات مابعد۔ چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ ہر نظم یا غزل کی تاریخ فکر معلوم ہو سکے اس لیے تاریخی ترتیب کو (جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے) عہد کے لحاظ سے بانٹ دیا گیا ہے۔ اسی بات کو دیوان میں رکھتے ہوئے مقدمے کے آخر میں ایک باب "توقیت غالب" کے عنوان سے بڑھا دیا گیا ہے، تاکہ اشعار کے زمانہ فکر کے ساتھ اگر کوئی صاحب شاعر کی اس عہد کی نجی سرگرمیوں کا بھی موازنہ کرنا چاہیں تو انہیں کوئی وقت نہ ہو۔

غالب کے دیوان اردو کا پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۸۴۱ء میں چھپا لیکن اسے کم از کم ساڑھے آٹھ سال پہلے مرتب کیا جا چکا تھا۔ یہ دیباچے سے ظاہر ہے جو غالب نے ۱۶ اپریل ۱۸۲۳ء کو تمام کیا تھا۔ اس کی تقریظ جو دیوان کے آخر میں شامل ہے نواب ضیاء الدین احمد خاں نیروخشاں نے ۱۸۳۸/۱۸۳۹ء میں لکھی تھی۔ لہذا دیباچہ غالب اور تقریظ نواب ضیاء الدین احمد خاں کے درمیانی پانچ سالہ وقفے میں پہلے ایڈیشن کے لیے ترتیب دیے ہوئے دیوان میں اضافے ہونے رہے جنہیں بآسانی دیوان زیر مطالعہ میں اپنے مقام پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ دیوان غالب کے دوسرے ایڈیشنوں میں بھی غالب کا لکھا ہوا دیباچہ اور نواب ضیاء الدین احمد خاں کی تقریظ دونوں شامل ہیں صرف چوتھے ایڈیشن مطبع نظامی میں تقریظ شامل نہیں۔ اعداد شمار کے علاوہ تقریظ میں معمولی ترمیم ہوئی ہے۔ مگر دیباچہ غالب میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔ قاری کی دلچسپی کے لیے دیباچہ اور تقریظ پر الگ سے ایک باب قائم کر دیا گیا ہے کیونکہ صرف دیباچہ اور تقریظ درج کر دینے بات پوری نہیں ہوتی تھی۔

اگرچہ اب غالب کا مرتب کردہ کلام اردو (دیوان غالب) اس نسخے میں منظم ہو کر کتابی شکل میں اپنی علاحدہ حیثیت نہیں رکھتا تاوقتہ کہ "م" کے نشان والے کلام کو از سر نو بجائے کیا جائے، پھر بھی امید ہے کہ غالب کی زندگی میں شائع شدہ دیوان غالب کے ایڈیشن کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں غالب کی زندگی میں دیوان غالب کی اشاعت (دیباچہ، تقریظ، خاتمہ الطبع اور تعداد اشعار) والا باب بے حد معاون ثابت ہوگا۔

غالب کا اولین اردو منظوم کلام

۱۸۹۷ء حاتی لکھتے ہیں :

”منشی بہاری لال مشتاق کا بیان ہے کہ لالہ کنہیا لال ایک صاحب
آگرے کے رہنے والے جو مرزا صاحب کے ہم عصر تھے، ایک بار دلی
میں آئے اور جب مرزا سے ملے تو اتنا کلام میں ان کو یاد دلایا کہ
جو مشنوی آپ نے پتنگ بازی کے زمانے میں لکھی تھی، وہ بھی آپ کو
یاد ہے؟ انھوں نے انکار کیا۔ لالہ صاحب نے کہا وہ اردو مشنوی میرے
پاس موجود ہے۔ چنانچہ انھوں نے وہ مشنوی مرزا کو لا کر دی اور وہ
اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے آخر میں یہ قاری شوگر سی استاد
کا پتنگ کی زبان سے لائق کر دیا تھا۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

وے کشد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

لالہ صاحب کا بیان تھا کہ مرزا صاحب کی عمر جبکہ یہ مشنوی لکھی تھی آٹھ نو برس

۱۔ یادگار غالب، ص ۱۰۷۔ فٹ نوٹ (حاتی) ۱۸۳۷ء تا یکم جنوری ۱۹۱۵ء

۲۔ تمیز غالب - ۱۸۳۵ء تا ستمبر ۱۹۰۸ء

۳۔ یہ شیونرائن آرام (۱۰ ستمبر ۱۸۳۳ء تا ۲۸ ستمبر ۱۸۹۸ء) شاگرد غالب کے دادا کے چھوٹے بھائی تھے۔

کی تھی۔“

قیاس ہے کہ حال نے غالب کے انتقال کے بعد شاید اس زمانے سے جب وہ ۱۸۷۵ء میں ایٹکوورک اسکول دہلی میں فارسی اور عربی کے مدرسے میں مقرر ہوئے۔ ”یادگار غالب“ کا ڈول ڈالا ہوگا اور انھیں ایام میں بہاری لال مشتاق نے یہ واقعہ انھیں بتایا ہوگا۔ مثنوی یا شائق کو یاد نہ رہی ہوگی یا مانتی بھول گئے ہونگے اور آخری فارسی شعر یاد رہ گیا ہوگا۔

۱۹۳۱ء میں بالآخر ایڈیٹر سہ ماہی ”اردو“ (اورنگ آباد کے نرگس) نے مثنوی شائع ہوئی جس میں درج ہے کہ ”مقدمہ مرزا پوری مرحوم نے (یہ مثنوی) بھیجی تھی جو کاغذوں میں پڑی رہ گئی اور اب شائع کی جاتی ہے۔۔۔۔۔“ مقدمہ مرزا پوری مرحوم نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اس مثنوی کو ”ہمارے محترم بزرگ زاہد (سہارنپوری) مدظلہ نے ہماری جدید تالیف ”حسن خیال“ کے لیے نقل فرما کر بھیجا۔“ قیاس ہے کہ ”حسن خیال“ ۱۹۳۱ء کے بعد چھپا۔ اس لیے یہ بیان وہیں سے لے کر یہاں درج کیا جاتا ہے :

مرزا غالب کو بچپن میں تنگ اڑانے کا بہت شوق تھا۔ اکبر آباد میں ان کی تنگ بازی کا شہرہ تھا۔ اسی زمانے میں مرزا نے تنگ کے ترازے میں کسی کے فارسی شعر مندرجہ ذیل پر بطور ترکیب بند شعر لکھے تھے

رشتہ درگرم افکنده دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ دوست
لیکن وہ ترکیب بند کسی نے نقل نہیں کیا۔ نہ غالب کسی کو ملا۔ حضرت زاہد کے مقدمہ مرحوم حاجی ذرا کر سید اکبر علی صاحب بلخ ابو ظفر شاہ آخر دہلی کے مستعد وکیل تھے اور شاہ کی پیشین کا مقدمہ جو کمپنی سے لڑا اس

۱۔ سہ ماہی ”اردو“ اورنگ آباد، شمارہ جولائی ۱۹۳۱ء ص ۵۱۵

۲۔ مہمور گیدانی ایکٹرک پریس بک ڈپو سپتال روڈ لاہور (سنہ اشاعت درج نہیں) ص ۱۶

میں اول سے آخر تک وکیل شہابی کی حیثیت سے اس زمانے میں برہم
اکبر آباد میں عدالت العالیہ ہونے کی وجہ سے آتے جاتے رہتے تھے۔
خود بھی ذی علم اور اچھے شاعر تھے۔ ان کی بیاض میں یہ ترکیب بند لکھا
ہوا ملا۔ جو دلدادگانِ کلامِ غالب کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ اگرچہ
بچپن کی زبان ہے۔

ترکیب بند ایک دن مثلِ پیچک کا غزی ایسے دل سررشتہ آزادگی
خود بخود کچھم سے کینا لے لگا اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
میں کہا اے دل ہوا سے دلیراں بسکرتیرے حق میں کہتی ہے زباں
پیچ میں ان کے نہ آنا زینسار یہ نہیں ہنگے گسو کے یار غار
گورے پنڈے پر نہ کرن کے لظسار کھنچ لیتے ہیں یہ ڈورے ڈال کر
اب تو بلجائیگی تیری ان سے سانٹھ لیکن آخر کو پڑیگی ایسی گانٹھ
سخت مشکل ہوگا سلجھانا تجھے قہر ہے دل ان سے الجھانا تجھے
یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے بھول مت اسپر اڑتے ہیں تجھے
ایک دن تھکو لڑاویں گے کہیں مفت میں ناحق کٹا دیں گے کہیں
دل نے سن کر کانپ کر کھایا قباب غوطے میں جا کر دیا کٹ کر جواب
”رشتہ در گردنم افکنڈ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست“

صفدر مرحوم نے زاہد سہارنپوری مرحوم کی ایک مشنوی بھی نقل کی ہے جس میں اسی فارسی شعر
کو تصنیف کیا ہے:

جب مدینے میں نہ پایا کچھ بھی چین گھر کو چھوڑا آئے کتے میں حسین
وہاں بھی پیچھے گھات میں اہلِ نفاق تب کیا قصد آپ نے سوئے عراق
یہ خیال آیا کہ ہو کر قتلِ عام ہونہ ضائع حرمت بیتِ الحرام

الغرض گزرے سفر میں پانچ ماہ بستیوں میں تھی نہ جنگل میں پستہ
یوں رہے کوہ و بیاباں میں رواں آج اس منزل پہ ٹھہرے کل وہاں
پوچھتا رہتا ہوں زابہ جب کوئی ہے کہ صبر کا قصد اے سبط نبی
آپ فرماتے تھے جاتا ہوں اُدھر حق تعالیٰ کی مشیت ہے جدھر
”رشتہ در گردنم افکنده دوست

ی بزد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست
سفدر مرحوم کے بیان اور دیوان غنی سے معلوم ہوا کہ ملاطاف غنی کشمیری نے بھی اس
فارسی بیت کو نظم کیا ہے:

ہندوے دیدم کہ مست عشق بود گفتش زین تجوید چیت سود
رد جوابم گفت آں ز تار دار نیست در دستم عنان اختیار
”رشتہ در گردنم افکنده دوست
ی بزد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

متدبر ہر بار سے دو باتوں کی تحقیق لازم ہوئی اول مشکوی کا ہند فکر کیا ہے، دوم یہ کہ اس فارسی
شعر کا جسے نسخین کیا گیا ہے، خالق کون ہے۔

اولیٰ حالی، بہ ساری لال مشتاق شاگرد غالب کی زبانی روایت بیان کرتے
ہوئے بتاتے ہیں کہ مشکوی، غالب نے ”ٹھہرے نو سال کی عمر میں کہی تھی۔ سفدر مرزا یو تیا
بتاتے ہیں کہ یہ کلام مرزا کے چچن میں آیتنگ اڑانے کے زمانے کا ہے اور کہ ”چچن کی زبان
ہے۔“ اور مشکوی کے مددگار کے بعد یہ تسلیم کیا ہی جاتی ہے۔ مرزا ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو پیدا
ہوئے۔ اب اگر آٹھ نو سال کو دس سال تسلیم کر لیا جائے تو اس کلام کا زمانہ ۱۸۰۷ء
ہوا۔ گویا غالب کا اولین اردو منظوم کلام برہم گپ پنچاویہ یہ ہے اور دس سال کی عمر

یعنی ۱۸۰۷ء کا کہا ہوا ہے۔

دوم

رشتہ در گردنم افگند دوست

می کشد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

حالی (۱۸۹۷ء) اور بہاری لال مستاق (اس سے بھی کئی برس پہلے) اسے کسی استاد کا شعر بتاتے ہیں۔ مفقود مرزا یوپی مرحوم بھی اسے ”کسی کا فارسی شعر“ کہتے ہیں۔ غلام رسول مہر اور مولانا عرشی مرحوم بھی شعر کے خالق کے بارے میں خاموش ہیں۔

فرہنگ آندراج میں رشتہ کے تحت درج ہے۔

”... و آنکہ درویشاں بر میاں بندند و عیاراں بیا افگند چنانچہ گفتہ اند

رشتہ در گردنم افگند دوست

می کشد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

فرہنگ آندراج میں یہ حوالہ فرہنگ انجمن آراء ناصر ماسے لیا گیا ہے۔ جو ۱۲۸۸ھ

(۱۸۷۱-۷۲ء) میں تالیف ہوئی تھی۔ ان دونوں میں بھی شعر کے خالق کا ذکر نہیں۔

اس شعر کا قدیم ترین اندراج جو ابھی تک ہماری نظر سے گزرا ہے وہ بی غنی کشمیری کے

کلام میں ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ غنی کشمیری کا انتقال ۱۷۷۹ء میں ہوا تھا۔

چند روز ہوئے جناب مشفق خواجہ (کراچی پاکستان) نے ادراہ کرم ”ن۔م۔راشد۔

ایک مطالعہ“ مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی بھجوائی۔ اس کے ص ۲۸۸ پر ن۔م۔راشد مرحوم نے اپنے خط بنام

ڈاکٹر جمیل جالبی ہو رنوم ۲۷ مارچ ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے

۱۔ ”غالب“ از مہر چو تھا ایڈیشن مطبوعہ دسمبر ۱۹۳۷ء ص ۲۵۰ حاشیہ

۲۔ جلد دوم ص ۱۹۷ مطبوعہ نو کشور لکھنؤ ۱۸۹۲ء۔

۳۔ پارسی سرایان کشمیر ص ۳۶ تذکرہ شمع انجمن ص ۳۷۰

”در گلویم رشتہ اے انگذہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست
یہ ردھی کا شعر ہے۔ آج کل نئے سرے سے مثنوی (مولوی معنوی)
پڑھ رہا ہوں۔۔۔۔۔“

چلیے، یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ تاہم میں نے اپنی تسلی کے لیے مثنوی مولوی معنوی رکھی اور اس
کے چھیوں دفتر راتوں رات چھان مارے مگر یہ شعر کہیں نہ ملا۔ اس قسم کے قوانین تو بہت سے ملے مگر
یہ شعر عتقا کی طرح غائب۔ یہ بات قطعی ہے کہ یہ شعر مثنوی مولانا نے روم، ہلی کے وزن میں ہے اور
اس کے اسلوب سے بھی مثنویت ملتی ہے۔ اور فی کشمیری کے کلام سے واضح ہے کہ شعر ساڑھے تین
سو سال پرانا ضرور ہے۔ تاہم یہ شعر مثنوی مولوی معنوی میں نہیں ہے تو پھر یہ شعر کس کا ہے؟
مولانا غلام رسول ہرٹا نے اس مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے یادگار غالب (ص ۷۹) کا حوالہ دیا ہے اور پوری
مثنوی درج کی ہے جبکہ یادگار غالب میں صرف وہ نارتی شعر درج ہے جو مثنوی میں تشبیر کیا گیا ہے،
مثنوی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مضمون نے یہ مثنوی یا رسالہ سہ ماہی اردو اور نگار (جولائی
۱۹۳۱ء ص ۵۱۵) سے لے لیا ہے یا پھر ”حسن خیال“ (ص ۱۰۶) سے، مگر حوالہ یادگار غالب کا دے دیا
ہے۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ

۱۔ حالی نے شعر غالب میں تبدیلی کی گئی ہے۔ فرنگ آندراج (نمونہ کارے نامی) اس میں بھی کثرت ہے مگر مقدمہ مرزا پوری
مضمون نے قینوں جگہ تبدیلی کر رکھی ہے۔ رشتہ صاحب کا کھانا ”در گلویم رشتہ اے۔۔۔“ کسی اور جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

۲۔ ردی کا انتقال ص ۷۳، ۷۴ میں ہونا تسلیم کیا جاتا ہے۔

۳۔ ”غالب“ طبع چہارم، دسمبر ۱۹۳۶ء ص ۴۹/۵۰ حاشیہ

۴۔ نہ جانے یہ یادگار غالب کے کون سے ایڈیشن کا حوالہ ہے۔ ایڈیشن میں اسے ص ۱۰۰ پر دیکھا جاسکتا ہے

”ایک صاحب حاجی سید اکبر بیگ سہارن پوری تھے..... انھوں نے ایک بیاض یا رگ چھوڑی تھی جس میں یہ مثنوی بھی مرقوم تھی۔ میں اسے برنگا یہاں نقل کرتا ہوں۔“

یہ عبارت تاثر دیتی ہے کہ وہ بیاض جس میں یہ مثنوی مرقوم تھی، مہر مرحوم نے دیکھی تھی اور مثنوی وہاں سے لے کر انھوں نے درج کتاب کی ہے مگر یہ سراسر غلط ہے۔ رسالہ اردو، ”حسن خیال“ اور غالب از مہر کی تحریروں سے بخوبی روشن ہے کہ مثنوی اور اس کے دستیاب ہونے کے کوائف مہر مرحوم نے رسالہ اردو یا حسن خیال سے نقل کیے ہیں نہ کہ اصل بیاض سے۔ اس کے علاوہ مہر مرحوم نے مندرجہ ذیل تقریباً بھئی کیے ہیں جو بغیر غولہ کے ہیں:

رسالہ اردو	حسن خیال	غالب از مہر
بسکرتیرے حق میں کہتی ہے زباں	بسکرتیرے حق میں کہتی ہے زباں	بسکرتیرے حق میں کہتی ہے زباں
گورے پنڈے پر نہ کر ان کے نظر	ایضاً.....	ان کے کر نظر
اب تو بجا گئی ان سے تیری سانٹھ	تیری ان سے سانٹھ.....	ان سے تیری سانٹھ
ایک دن تجھ کو لڑا دیں گے کہیں	ایضاً.....	اڑا دیں گے کہیں

جناب عرشی مرحوم نے مہر مرحوم کی پیروی کرتے ہوئے ”بسکرتیرے حق میں کہتی ہے زباں“ کی جگہ ”بسکرتیرے حق میں کہتی ہے زباں“ لکھا ہے۔ میرے خیال میں چونکہ ذالہ سہارن پوری مرحوم نے مثنوی اصل بیاض سے نقل کر کے صفحہ مرنہ پوری کو چھپی تھی جو سب سے آخر میں صفحہ مرنہ پوری کی زیر نگین ان کی مولفہ کتاب ”حسن خیال“ میں چھپی، اس لیے تمام مثنویوں پر ”حسن خیال“ ہی کے متن کو ترجیح دینی چاہیے۔ میں نے دیوان غالب (کامل) میں اسی متن کو جائز رکھا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ دونوں مثنویوں میں سے اچھا کون سا لگتا ہے تو اس کا حق ہمیں نہیں پہنچتا۔ مثنوی ہمیں یہ کہہ گئی تھی اس لیے اس میں کھوٹا کھل چھٹا عیب ہے۔

عمدہ منتخبہ میں ذکر غالب

تذکرہ شعرا موسوم بہ عمده منتخبہ از اعظم الدولہ میر محمد خاں سردار غالب کی ابتدائی شاعری کا عمدہ متعین کرنے کے لیے اہم ترین ماخذ ہے خصوصاً نسخہ مملوکہ قومی بنگال گھر، کراچی۔ اس کا زمانہ تصنیف ۱۲۱۵ھ تا ۱۲۴۴ھ ہے جس میں متن کے علاوہ حاشیوں پر لکھا بھی شامل ہیں۔ متن میں غالب کا ترجمہ اسد کے تحت ہے اور وہ یہ ہے اسد مخلص، میرزا نوشہ۔ اصلش از سمرقند، مولدش مستقر الخلافتہ اکبر آباد۔ جوانِ قابل و یارِ باش، ہمیشہ بہ خوش معاشی بسر برد۔ ذوقِ رغبتہ گوئی در خاطر، متکلم۔ اکثر اشعارش در زمین سنگلاخ بہ مضامین موزوں گشتہ۔ زوئے خیال بندیش پیش از پیش نہاد خاطر دارد از ستارچ طبع اوست

- ۱۔ شمشیر صاف یارِ جو نہ ہر اب دارہ ہو
- وہ غلط سبز ہو کہ بہ رخسارِ سادہ ہو
- ۲۔ دیکھتا ہوں اسے پتھی جس کی تمنا مجھ کو
- آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو

مذکر تفصیل کے لیے دیکھیے جائزہ مخطوطات اردو جلد اول، ص ۲۵، تا ۵۱۔ از مشفق خواجہ مطبوعہ فروری ۱۹۷۹ء، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

۳- آئے ہیں پارہ ہائے جگر دریاں اشک

لایا ہے لعل بیش بہا، کاروان اشک

۴- آنسو کہوں کہ، آہ، سوار ہوا کہوں

ایسا عیناں گسیختہ آیا کہ کیا کہوں

۵- ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے

یہ رنگ زرد ہے چمن زعفران مجھے

۶- دیکھ وہ برق تبسم پس کہ دل بے تاب ہے

دیدہ گریاں مرا، فوارہ سیماب ہے

۷- کھول کر دروازہ مینخانہ بولامے فروش

اب شکست تو بے خواروں کو فتح الباب ہے

۸- مجلس شعلہ عذراں میں جو آ جاتا ہوں

شمع ساں میں تیرا مان صبا جاتا ہوں

۹- ہووے ہے جادہ رہ رشتہ گوہر گام

جس گزر گاہ سے میں آ بلہ پا جاتا ہوں

۱۰- سرگراں مجھ سے بیک روئے نہ رہنے سے رہو

کہ بیک بیش لب مثل صبا جاتا ہوں

اس نسخے کی کتابت کی تحمیل ۲۶ رمضان ۱۲۳۵ھ مطابق، جولائی ۱۸۲۰ء کو ہوئی، گویا

اس سے پہلے غالب کا ترجمہ لکھا جا چکا تھا: ظاہر ہے کہ جب یہ ترجمہ تحریر ہوا تھا اس وقت تک

سرور غالب سے ذاتی طور پر واقف نہ تھے گویا غالب دہلی میں ابھی نئے ہونگے۔ وہ ۱۸۱۲ء میں

آگرہ سے دہلی آکر مستقل طور پر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ سال دو سال (۱۸۱۳ء) علمی ادبی معلقوں

میں جان پہچان میں لگ گئے ہونگے۔ اور اس طرح شاید ۱۸۱۴ء کے آخر میں اس نسخے کی زینت بنے

ہونگے۔ چنانچہ اوپر کے ان دس اشعار کو ۱۸۱۲ء تک کے فکر کردہ اشعار کہا جاسکتا ہے جبکہ غالب

کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔

یہ دس اشعار سات غزلوں سے لیے گئے ہیں۔ پانچ غزلوں سے ایک ایک شعر ایک غزل سے دو شعر اور ایک غزل سے تین شعر۔ پانچ غزلوں میں سے، جن کا صرف ایک ایک شعر ہم تک عمدہ منتخبہ کے ذریعے سے پہنچا تھا اور غزلیں مکمل دستیاب ہو گئی ہیں۔ دونوں غزلیں نسخہ بھوپال ۱۸۱۶ (مختار غالب) ۱۸۱۶ء، نسخہ بھوپال (حمید) ۱۸۲۱ء اور نسخہ شیرانی ۱۸۲۶ء میں موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کے کچھ اشعار بعد میں فکر کیے گئے ہوں تاہم ان کی اساس ۱۸۱۲ء تک پڑی ہوئی تھی اس لیے غزلوں کی تخلیق کا عہد ہی مانا جائے گا۔ ترمیم و تیسرے کا عمل فن کار کے یہاں عمر بھر جاری رہ سکتا ہے۔ دونوں غزلوں کے باقی ماندہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔ ایک غزل کے مقطع میں نالتب تخلص آیا ہے۔ تب تخلص اسدی تھا۔ غالب تخلص کا استعمال ۱۸۱۶ء میں شروع ہوا ہے۔

ظاہر کرے ہے جنبشِ ترگاں سے مدحاً طفلانہا تھکا ہے اشارہ، زبانِ اشک
میں وادیِ طلب میں ہوا جملہ تن عرق از لیکہ صرف قطرہ زنی تھا، زبانِ اشک
روئے نے طاقت اتنی نہ چوری کی کہ ایکبار ترگاں کو دیوں فشار پے امتحانِ اشک
دلِ خمستاں کو ہے طربِ صدین بہار باغِ بخوں پیدیاں و آبِ روانِ اشک
میلِ بنائے مستیِ شبنم ہے آفتاب چھوٹے نہ شبنم میں پیشِ طلعہ نشا، اشک
ہنگامِ اسطرِ قدمِ بستاں، اسد ہے بہر شہِ نرگاں، دید بانِ اشک

عہد سے سے مع تاز کے باہر نہ آسکا گرا یک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں
حلقہ ہیں چشمِ ہائے کشادہ بسوے دل بہر تارِ زلف کو نگہِ سرمدہ سا کہوں
میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش تو اور ایک وہ نشیدن کہ کیا کہوں
ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ ہے ہے اخوانہ کردہ تجھے ہونا کہوں
اقبالِ کلفتِ دلِ بے مدعا رسا اختر کو داغِ سایہ بالِ ہما کہوں
مضونِ وصلِ ہاتھ نہ آئیہ مگر اسے اب ملا کر پریدہ رنگِ جہنا کہوں

وزدین دل بسنم آمادہ ہے محال ہر گاہ کہ جو ہر تیغ قضا کہوں
 طرز آفرین نکتہ سدرائی طبع ہے آئینہ خیال کو طوطی نسا کہوں
 غالب ہے رتبہ فہم تقویر سے کچھ پیسے ہے عجز بندگی کہ علی کو خدا کہوں
 جیسا کہ کہا جا چکا ہے، ۱ جولائی ۱۸۲۰ء کے بعد تذکرے کے حاشیوں میں کثرت سے
 اضافے کیے گئے اور یہ عمل ۳۲-۸۳۱ تک جاری رہا۔ اس طرح غالب کے ترجمے اور اشعار دونوں
 میں خاصا اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ صرف غالب کی شہرت ہی نہیں تھی بلکہ سسرور کی ان سے ذاتی شناسائی
 بھی تھی۔ ترجمے میں یہ اضافہ ہوا

تخلص کے بعد: "اسد اللہ خاں عرف"

"یار باش" کے بعد: "دور و مند"

"مثنوی" کے بعد: "خو کر وہ غم ہائے عشق مجاز، تربیت یافتہ غمگدہ نیاز"

در فن سخن سنجی منبع محاورات میرزا عبدالقادر بیدل
 علیہ الرحمہ و ریحانہ در محاورات فارسی موزوں می کند
 بالجملہ موجد طرز نو دست و با راقم رابطہ یک جہتی مستحکم
 دارد

اشعار میں ۳۳ شعر اور ایک رباعی کا اضافہ ہوا۔ وہ یہ ہیں
 اک گرم آہ کی تو ہزاروں کے گھر جلے رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم جگر جلے
 پروانے کا یہ غم ہو تو پھر کس لیے اسد ہر بات شمع شام سے لے ناسم جلے
 جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سنسں پیدا دہان زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا
 خواب کے چاہنے کے میں قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 نیاز عشق خرم سوزا سباب ہوس بہتر جو ہو جائے شاربِ قیامت خوار جس بہتر
 یاد آیا جو وہ کہنا کہ نہیں واہ غلط کی تصور نے یہ سحر ہے ہوس راہ غلط
 گشت میں بندوبست بہ ضبط دگر ہے آج قمری کا طوق حلقہ بیرون ہے آج

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کچھ ہواستد خونِ زاہد کو مباح اور مالِ صوفی کو ملال
 کہتا تھا کل وہ نامہ رساں سے بیسوز دل دردِ جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ
 استد کو بوریے میں دھڑکے پھونکا موچ، مستی نے
 فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی
 شکل طاؤس گز قمار بنایا ہے مجھے
 ہوں میں وہ دام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے
 ماہِ نو ہوں کہ فلک بجز سکھاتا ہے مجھے
 عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے
 پھر کچھ اس دل کو بے قراری ہے
 سینہ جو یاے زخمِ کاری ہے
 غزل کے ۱۲ مزید شعر
 بے خودی بے سبب نہیں غالب
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
 کب سنے ہے وہ کہانی میری
 اور پھر وہ بھی زبانی میری
 عاشقِ عمرہ تھوں ریزہ پوچھ
 دیکھ خوشابہ فشانی میری
 کیا بیاں کر کے مرادیں گے لوگ
 مگر آشفقتِ بیانی میری
 عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
 درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری سورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے منت ہی جدا ہو جاتا
اب جفا سے بھی میں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشتِ خفائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

تا

۲۳

مشکل ہے زبیں کلام میرا اے دل
ہوتے ہیں بلول اس کو سن کر جاہل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل

ان ۱۲۳ اشعار اور ایک یاہلی میں ۴ اشعار ایسے ہیں جو سولے عمدہ منتخبہ یا کے کسی اور
مطبوعہ یا غیر مطبوعہ نسخے میں نہیں پائے جاتے۔ وہ ہیں شعر نمبر (۱) اکب گرم آہ کی..... (۲) پرولنے
کا نہ غم..... (۵) نیا نہ عشقِ خرمین سوز..... (۶) یاد آ یا جو وہ کہنا..... اس کا مطلب
یہ ہوا کہ یہ وہ غزلیں ہیں جو نسخہ بھوپال بخطِ غالب (۶۸۱۶) مرتب کرتے ہوئے غالب نے
خارج کر دیں۔ لہذا ان کا زمانہ فکر بھی ۱۸۱۲ء ہی کے آس پاس ہو گا۔

شعر ۳-۴-۵-۶-۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲، نسخہ بھوپال بخطِ غالب (۶۸۱۶) کے

متن میں موجود ہیں اس لیے ان کا زمانہ فکر زیادہ سے زیادہ ۱۸۱۶ء قرار پایا۔ ع عشرتِ قطرہ
ہے دریا میں فنا ہو جانا، اس غزل کے چار شعر نسخہ بھوپال (حبیبیہ) (۱۸۲۱ء) کے حاشیے پر
اور نسخہ شیرانی (۱۸۲۶ء) کے متن میں موجود ہیں۔ اس لیے پیش از پیش ۱۸۲۶ء کی کہی ہوئی ہے۔
جو پھر کچھ اس دل کو بے قراری ہے، اس غزل کے تمام شعر (۱۳) نسخہ شیرانی (۱۸۲۶ء) کے
متن میں درج ہیں۔ زمانہ فکر بھی اسی سال کو سمجھ لیں۔ جو کب منے ہے وہ کہانی میری،

یہ مصرعہ جو لبریر احکام کا وہ منتہا ہے کہانی میری میں تبدیلی ہو گیا، ایک ایسی غزل سے ہے جو نسخہ پیشانی (۱۸۲۶ء) کی پٹھن رکھا کو پار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے کل شعر ۹ ہیں جن میں سے ۳ عمدہ منتخبہ میں لیے گئے۔ یہ غزل متن میں نہیں ماسخ ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ بھی ۱۸۲۶ء میں کہی گئی ہوگی کیونکہ میری دانست میں عمدہ منتخبہ میں غالب کے ترجمے کے حواشی اور اشعار کے اضافے نومبر ۱۸۲۶ء تک ہو چکے تھے۔ گو اس بات کا امکان ہے کہ تذکرے کے اوراق مزید شاعروں کے تراجم کے اندراج کے لیے چندے اور بھی کھلے رکھے گئے ہوں۔ ۱۸۲۶ء میں غالب کو رٹی آئے اور مستقل سکونت اختیار کیے ہوئے ۱۲ برس ہو گئے تھے۔ اس مدت میں سرور مولف تذکرہ سے (جیسا کہ ترجمے میں بعد کے اضافے سے ثابت ہے) ”الطریقہ“ بھی مستحکم ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ دسمبر ۱۸۲۶ء میں جب غالب کلکتہ کے دروازہ سفر پر روانہ ہوئے تو وہ اپنے ترجمے میں کوئی کورس تھوڑے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اب (۱۸۲۶ء کے بعد) دوسرے شاعر اپنا کلام انھیں دیتے تھے تاکہ وہ اپنے دوست نواب سرور سے سفارش کر کے ان کا کلام داخل تذکرہ کرادیں۔ اور یہ بات غالب کے خط بنام شیخہ (مطبوعہ پنج آہنگ) سے ظاہر ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ قیام کلکتہ کے دوران مرزا احمد بیگ خاں تپاں نے انھیں اپنا کلام دیا تھا تاکہ جب وہ رٹی کوٹیں اور اعظم الدولہ (نواب سرور مولف تذکرہ) ان سے ملنے آئیں تو انھیں وہ تپاں کا کلام تذکرے میں درج کرنے کے لیے دیں۔ ایسی حالت میں، اور غالب کے مزاج کو ہانتے ہوئے، یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت (۱۸۲۶ء) تک تذکرہ سرور یعنی عمدہ منتخبہ میں ان کا ترجمہ کسی طرح بھی اچھڑ رہا ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آخری تین غزلیں (زمانہ تذکرہ تقریباً ۱۸۲۶ء) سے

پھر کچھ اس دل کو بے قرار ہے سینہ جویاے زخم کاری ہے

کب سنے ہے وہ کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

عشرتِ قطربے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزنا ہے دوا ہو جانا

غالب کی بہترین غزلوں میں سے ہیں اور یقیناً خود غالب کی فراہم کردہ ہیں۔

عمدہ منتخب کے تعلق سے یہاں تذکرہ عیار الشعر کا کچھ حال بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ تذکرہ عمدہ منتخب سے دو سال پہلے شروع ہوا اور ایک سال بعد تک اس میں مسلسل اسلئے ہوتے رہے۔ اس کا زمانہ تصنیف ۱۲۱۳ھ تا ۱۲۲۸ھ تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر اس کا ذکر عمدہ منتخب کے بعد اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اس میں غالب کا ترجمہ اسد کے تحت ہیں بلکہ غالب کے تحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ترجمہ غالب ۱۸۱۶ء یا اس کے بعد داخل کیا گیا۔ کیونکہ غالب تخلص ۱۸۱۶ء ہی سے استعمال میں آیا۔ ترجمے کے شروع کے الفاظ یہ ہیں۔ ”مرزا اسد اللہ عرف مرزا نوشہ المتخلص بہ غالب....“ کل شعر دس میں جن میں دو شعر ایسے ہیں جو اب تک نہیں پائے جاتے جتنے کہ نسخہ بھوپال بخط غالب (۱۸۱۶ء) میں بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ شعر غالب کی کسی ابتدائی بیاض کے ہیں جو نسخہ بھوپال بخط غالب میں جگہ نہ پاسکے اور خارج کر دیے گئے۔ لہذا انہیں بھی ۱۸۱۲ء ہی کا فکر کر رہا کہنا چاہیے۔ وہ شعر یہ ہیں۔

زخم دل تم نے دکھایا ہے کڑی جان ہے ایسے سنتے کو رلایا ہے کڑی جان ہے
صبا، نگاہ طلیحے طرت سے بلبل کی کہ روئے غنچہ گل، سوئے اشیاں پھر جائے
ایک تقریبی کے مطابق تذکرے میں لکھا ہے کہ خوب چند ذکا مولف تذکرہ عیار الشعر، نواب سرور مولف تذکرہ عمدہ منتخب کے وہاں منشی گیری پر ملازم تھا۔ اور کہ جو کچھ وہ عمدہ منتخب میں درج کرتا تھا وہی گھر جا کر اپنے تذکرے عیار الشعر میں شامل کر لیا کرتا تھا۔ باوجود تلاش کے میری نظر سے یہ تذکرہ نہیں گذرا۔ بہر حال ایسا لکھا بھی ہو تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ

(۱) تذکرہ عیار الشعر کی بنیاد عمدہ منتخب سے دو سال پہلے پڑی ہوگی تھی

(ب) دونوں کے یہاں ترجمہ اسد (غالب) میں بہت فرق ہے اور دونوں ترجموں میں تعداد اشعار اور اشعار بھی ایک سے نہیں

(ج) صاحب تذکرہ عمدہ منتخب نے اپنے یہاں ذکا کا ترجمہ دیا ہے اور لکھا ہے ”..... جو انے سلیم الطبع، مزاجش بہ صلاحیت راغب، کلامش نمکین....“ بشار الیہ ام تذکرہ الشعر اتالیف کردہ۔ در علم اخلاص و دوستی را سخ در یافت گردید۔

..... (۵۷ شعر)

یعنی خود صاحب تذکرہ (نواب سروس) ذکا کے تذکرے کا ذکر کرتے ہیں اور ذکا کو بہ تحقیق مخلص
اور دوست جانتے ہیں اور کہیں اشارة تک نہیں کرتے کہ ذکا ان کے پاس ملازم تھا۔

غالب کے بعض غیر متداول اُردو اشعار کا زمانہ فکر

جناب امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے دیوان غالب کچھ اس طرح مردون کیا ہے کہ اب اس کے مطالعے سے غالب کے کلام کا عہد تخلیق بھی ماحذول کی تفصیلی نشاندہی کے سبب سے ایک حد تک متعین کیا جاسکتا ہے۔ تاہم بعض اشعار ایسے ہیں جن کا عہد معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے ذیل میں ایسے ہی اشعار کا زمانہ فکر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ روایتیں بیشتر وہی ہیں جو نسخہ عرشی میں بیان ہوئی ہیں مگر کوشش کی گئی ہے کہ اصل ماحذول کو نظر خود دیکھ لیا جائے اور اگر ہو سکے تو اپنے کتب خانے سے ان کو مزید تقویت پہنچائی جائے تاکہ غلطی کا امکان نہ رہے۔ اس کے بعد نتائج کے لیے میں نے ماحذول اور اپنے فہم ہی پر عبور ساکیلیا ہے۔ پہلے غالب کے اشعار درج کیے گئے ہیں اور بعد میں اشعار کے زمانہ فکر کے تعین کی کوشش میں اپنے معروضات۔

(۱) خوشی چنے کا کیا، مرنے کا غم کیا
ہماری زندگی کیا، اور ہم کیا

یہ شعر مکتوبات امیر مینائی مرتبہ مولوی احسن اللہ خاں شاقب صفحہ ۱۲ کے حاشیے سے ماحذول ہے۔ شاقب نے نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کے بارے میں متن میں لکھا ہے "نواب ناظم کا پہلا دیوان جو عمر صہ ہوا چھپا تھا اور اب کمیاب ہے، مرزا غالب کا دیکھا ہوا ہے"۔ لکھا ہے "خاکسار کو جولائی ۱۹۰۸ء میں نوابیگان تربت، گاہ

فرخندہ جہان بے مثالی مدوح اداۃ و اعالی
پیرایہ صدق و ملیہ فضل شمس العلما جہاۃ خالی

کا اشتیاقِ نیات پانی پتے لے گیا۔ میں ایک روز یہ مسودہ اُن کو سنارہا تھا۔ جب اس مقام پر پہنچا تو مولانا نے فرمایا کہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ فرماتے تھے کہ ایک مدت مرزا غالب نے مجھے یہ مطلع سنایا۔ میں نے بہت تعریف کی، تو فرمایا کہ بھیا، میں تو یہ شعر ناظم کو دے چکا، مطلع خوشی سننے کی ارجح۔ اس کے مطلع نظر کر یہ شعر دیوانِ ناظم (نواب یوسف علی خاں والی رام پور) میں شامل نہیں، یہ کوئی ایسی تخلیق نہیں جس پر شیفتہ یا غالب سر مصفیتے۔ نواب رام پور (ناظم) ۱۸۶۵ء میں فوت ہوئے۔ اس لیے شعر یقیناً اُس کے پہلے کا ہے۔

دیوانِ ناظم مطبوعہ ۱۲۷۸ھ ص ۲۱۹ پر سلام کے مطلع کا پہلا مصرع دیکھیے۔
”ہم کیا ہیں ناظم اور رہا سلام کیا“

شعر سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن اس مصرع کا اسلوب وہی ہے جو شعر کے مصرع ثانی کا ہے۔

(۲) دورِ نگہاں یہ زلزلے کی اجیتے جی میں سب
کہ مردوں کو نہ بدلتے ہوئے کھن دیکھا

(۳) پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جہانک کی
روزن کی طرح دید کا آزار رہ گیا
وہ مرغ ہے نزاں کی صعوبت سے بے خبر
آئندہ سال تک جو گرہِ قہار رہ گیا

یہ شعر نواب علاؤ الدین احمد خاں غلامی (ولادت ۱۸۳۳ء) والی لوہارو کی بیاض سے لیے گئے تھے۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ کلام ۱۸۵۰ء کے کچھ بعید کا ہے۔ یہ مرزا کی پریشانی

ط دیوانِ غالب صدی اچھٹ۔ مرتبہ ملک رام ص ۳۲۶

اور غلات کا زمانہ تھا۔ لہذا اس کا زیادہ اسکان ہے کہ شعر کہہ کر چھوڑ دیے ہوں اور پوری غزلیں نہ کہیں جاسکی ہوں اگرچہ شعروں کے قافیے اور ردیفیں ظاہر کرتے ہیں کہ غزلیں التزام سے کہنے کا ارادہ رہا ہوگا۔ اشعار کا مفہوم بھی یہی کہہ رہا ہے کہ بڑھاپے میں فکر کیے گئے ہیں۔ پہلے شعروں جیتے اور مردوں کے آخری حروف بری طرح دبتے ہیں۔ ایسے ناپختہ کلام کو غالب سے منسوب کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ پہلا مصرعہ یوں ہو اور لکھنے میں سہو ہو گیا ہو۔

دور نگیان ز مملنے کی سب ہیں جیتے جی

تو بھی مردوں میں وں کا دنا بہت کھٹکتا ہے۔ دوسرے دونوں شعر صاف ہیں۔ میں انہیں قیاساً ۱۸۵۷ء کے کچھ بعد کہے ہوئے قرار دیتا ہوں۔

مسلمانوں کے میلوں کا ہوا قل (۲)

تکھے ہیں جوگ مایا اور دیسی
نشاں باقی نہیں ہے سلطنت کا
مگر ہاں، نام کو اورنگ زیبی

دیسی سے مراد کانی دیوی ہے۔ جس کی پوجا ہزاروں برسوں سے ہو رہی ہے۔ دہلی میں اس دیوی کا مندر ۹ میل دور تعلق آباد کی طرف ہے۔ جوگ مایا کا مندر بہرہولی میں ہے جہاں ہفتہ وار میلہ لگتا ہے۔ بہرہولی میں سادہ بھول والوں کی سیر کے نام سے حضرت خواجہ قلی الدین بختیار کاکی کے مزار پر میلہ لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے۔ ظاہر ہے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جب مغلیہ سلطنت کا نام و نشان مٹ گیا تو اس میلے کو شاہی سرپرستی حاصل نہ رہی۔ اس لیے یہ میلہ اس جوش سے جاری نہ رہا مگر اسے ہندوؤں نے سہارا دیا اور خواجہ صاحب کے مزار کے ساتھ انھوں نے اپنی توجہ جوگ مایا کے مندر کی طرف مبذول کر لی چنانچہ سید احمد دہلوی (بھول والوں کی سیر، فرنگ آصفیہ جلد اول) لکھتے ہیں ”غده کے بعد سے اس میلے نے اور بھی ترقی کی یعنی خاصان ہنود کی طرف سے بدھ کے روزہ جوگ مایا پر ایسے ہی دھرم دھرم کے سے نکمے پڑھنا شروع ہو گیا۔ سات سات اور نو نو پکے آگے کیچے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔“ یہ قلعہ اسی

عہد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس لیے اس کا زمانہ فکر ۱۸۵۹ء کے قریب یعنی ۱۸۵۷ء کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) ہم نشیں تارے میں، اور چاند شہاب الدین غاں

بزم شادی ہے فلک کا ہکشاں ہے سہرا

ان کو لڑیاں نہ کہو، بھر کی موہیں سمجھو

ہے تو کشتی میں، دے بھر رواں ہے سہرا

یہ شعر مولانا مہر نے اس قلمی نسخہ دیوان غالب سے نقل کیے ہیں جو بیگم مرزا شجاع الدین احمد خاں تآباں دہلوی کی ملکیت میں تھا۔ مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے بیگم غلامی میں بھی انہیں دیکھا ہے۔ بظاہر یہ اس پورے سہرے کے دو شعر ہیں جو مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب شاگرد غالب (۱۸۴۰ء تا ۱۸۶۹ء) کی شادی پر کہا گیا۔ ثاقب کے سب سے بڑے صاحبزادے مرزا شجاع الدین احمد خاں تآباں ۲۳ دسمبر ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے شادی مارچ ۱۸۶۱ء یا اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ شادی نواب شمس الدین احمد خاں والی فیروز پور جہلم کاکی نواسی سکندر جہاں بیگم سے ہوئی تھی۔

(۶) اٹھا اک دو گولا سا جو کچھ میں، جو شہ و شہت میں

پھر آسیدہ سر، گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے

نظر آیا مجھے اک طائر عبود پر لبستہ

ٹپکتا تھا سر شوریدہ دیوار گھٹتاں سے

کہا میں نے کہ او گننام، آخر ماہر کیا ہے؟

پڑا ہے کام تھک کو کس ستمگر آنت جلد سے

ہنس کچھ کھل کھلا کر پیلے، پھر تھک کو جو پچھا

تو یہ رویا کر جو نے خون ہی ہلکوں کے راماں سے

کہا: ”میں حیدر ہوں اس کا کہ جسکے دام گھیسو میں
 پھنسا کرتے ہیں طائر روز اگر بارغِ رضواں سے
 اسی کے زلف و رخ کا دھیان ہے شام و صبح مجھ کو
 نہ مطلب کفر سے ہے، اور نہ ہے کچھ کام ایساں سے“
 چشمِ غور جو دیکھا، مرا ہی طائرِ دل تھا
 کہ جل کر ہو گیا یوں خاک میری آہِ سوزاں سے

ایک اہلِ درد نے سُنناں جو دیکھا قفس
 یوں کہا ”آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب
 بال و پرہِ دوچار دکھلا کر کہا صیاد نے
 ”پشتانی رہ گئی ہے اب بجلِ عندلیب

۱۔ یہ قطعہ سالہ مخزن اپریل ۱۹۰۷ء میں اس تہذیب کے ساتھ شائع ہوا تھا:
 ”غور سے دن ہوئے پھر سید حسن صاحب بگڑی سے تذکرہ شعراء
 ہو رہا تھا جس میں انھوں نے غالب کا ایک قطعہ سنایا۔ قطعے کے
 عمدہ ہونے میں کیا شک ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان کے اس بیان
 نے کہ یہ قطعہ ان کے والدِ مرحوم سے ان کو بھیجا اور اب تک غالب کے کسی
 کلام میں شائع نہیں ہوا، اس کی خوبی زیادہ کر دی میں نے اُسے لکھ لیا اور
 ان کی اجازت سے مخزن کو بھیجا ہوں۔ شیدا نے کیمرج —“

مولانا نظامی بدایونی مرحوم نے اپنی شرحِ دیوانِ غالب ص ۲۴۸ میں اس قطعے اور قطعہ نمبر ۲
 کے متعلق لکھا ہے کہ سب سے پہلے ان قطعات کا اضافہ طبعِ سوم میں اس ریا کے ساتھ
 ہوا تھا کہ بعض نقاد ان سخن ان قطعات کے طرزِ بیان کو حضرت غالب کے رنگ سے جداگانہ

سمجھتے ہیں۔ اس طرح سوئم کے ناظرین میں سے بعض اہل الرائے حضرات نے شکایت کی کہ ان قتلعات کو دیوان غالب میں جگہ دینا غالب کے کلام کی توہین کرتا ہے۔ ہم نے نواب عماد الملک (میر سید حسن بگرامی کے بھائی) سے ان کے متعلق دریافت کیا۔ وہ فرماتے لگے کہ وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غالب کے مفتضہ ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک بزرگ سے سنے تھے جو ان کو غالب سے منسوب کرتے تھے، ممکن ہے کہ یہ غالب کا ابتدائی کلام ہو۔

یعنی (۱) شیلانے ان اشعار کو میر سید حسن بگرامی سے لیا اور سید حسن صاحب کو یہ ان کے والد صاحب سے پہنچے اور (۲) نظامی بدایونی صاحب کے دریافت کرنے پر سید حسن صاحب کے بھائی نے تصدیق کی کہ انھوں نے اپنے ایک بزرگ سے (اپنے والد مرحوم سے نہیں) سنا تھا۔ اور اس لیے وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غالب کے مفتضہ ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ غالب کا ابتدائی کلام ہو۔

قطع نظر اس کے کہ یہ روایت خاصی ضعیف ہے، تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ بیانیہ قطعہ (اور اس کے بعد کا سداے عندلیب والا قطعہ بھی) غالب کے ہم عمروں، ذوق و مومن کے ان بیانیہ قطعوں کے سامنے کم بایہ ہے جنہیں ہم غالب کی عظمت سے مرعوب ہو کر کوئی مقام دینے سے جھکتے ہیں۔ دونوں کے یہاں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذوق

کہوں کیا ذوق احوال شبِ عبس۔ کہ تخی اک اک گھڑی سوسو مینے
نہ تخی شب، ڈال رکھا تھا اک انیم۔ مرے بختِ سب کی تیرگی نے
کہا جی نے مجھے، یہ عبس کی رات۔ یقین ہے صبح تک دے گی نہ جینے
کہ قسمت سے قریب خانا میرے۔ اذال مسجد میں دی بارے کسی نے
موذن مر حسباً بروقت بولا!۔ تری آواز مگے اور دینے

مومن

وہ نوجوان عابد و زاہد کہ سب سے
کل ایسے حال سے نظر آیا کہ کیا ہوں
بیمار کر دیا شبِ بسترِ ستاں نے آہ
یا تو ہمیں ڈراتے تھے غورِ شیدِ حسن سے
خستہ شماری شبِ غم نے بے لاریا
کہتے تھے مومن اور بہت دیندار تھا
ہو تھا سو اس کو دیکھو کے زار و نزار تھا
کیا ہو گئے وہ روز کہ پرہیزگار تھا
یا اپنے سر پہ داغِ بنوں شعلہ بار تھا
جتنی خیال پر کش روزِ شمار تھا
(دیگرہ وغیرہ)

اگرچہ غالب بیشتر غزل ہی کے شاعر تھے، تاہم انھوں نے قصیدے اور مثنوی میں
بھی کم و بیش اپنے قائم کردہ معیار کو قائم رکھا ہے۔ ایسے قطعات سے
اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر

ہے جو صاحب کے کتبِ دست پہ یہ چکنی ڈلی

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ

میں بھی انھوں نے اپنی طبیعت کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ سید
حسن بلگرامی صاحب کے فراہم کردہ قطعات اسی عہد کی پیداوار ہیں جس عہد میں غالب نے
”ایک دن مثلِ پتنگ کا غدی“ والا کلام تخلیق کیا تھا۔ یعنی ۱۸۰۷ء اور زیادہ سے
زیادہ ۱۸۱۰ء -

جو حدِ تقویٰ ادا نہیں دے تو اپنا مذہب یہی ہے غالب
ہو کس نہ رہ جائے کوئی باقی، گناہ کیجئے تو خوب کیجئے

رمنا لا بُریتی رام پور کے نسخہ تذکرہ گلزارِ سخن مولفہ جگن ناتھ فیض کے، جو ۱۹۰۸ء میں نو لکھنؤ پریس میں طبع ہوا ہے، صفحہ ۲۹ پر غالب کا تذکرہ ہے۔ اس صفحے کے زیریں حاشیے میں کسی خوشی لال عاصی نے مطالعہ کرتے وقت غالب کے تحت یہ شعر لکھا ہے۔ یہ شعر غالب کے اس مشہور شعر کی پہلی روایت معلوم ہوتی ہے۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد : یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
اگر اس نتیجے کو صبح سان لیا جائے تو یہ شعر جو حدِ نقویؒ :۔۔۔ الخ ۱۸۲۱ء سے پہلے کی تخلیق
قرار پائے گا۔ کیونکہ ناکردہ گناہوں الخ والا شعر نسخہ بھوپال مکتوبہ ۱۸۲۱ء میں موجود ہے۔

(۸)

آپ نے "مستیِ انظر" کہا ہے تو سہی رجح طاقت سے سوا ہوا تو نہ پیٹوں کیونکر؟ ہے غنیمت کہ بامید گزر جائے گی عمر دوست گر کوئی نہیں ہے، جو کرے چارہ گری غیر سے دیکھیے کیا خوب نباہی اس نے نقل کرتا ہوں اُسے نامہ اعمال میں، میں کبھی آجائے گی، کیوں کرتے ہو جلدی غالب	یہ بھی، یا حضرت ایوب گلا ہے تو سہی زہن میں خوبی تسلیم دیتا ہے تو سہی نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہے تو سہی نہ ہی لیک تمنا ہے روا ہے تو سہی نہ ہی ہم سے پر اسی بت میں وفای تو سہی کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی شہرہ میری شمشیرِ قضا ہے تو سہی
--	--

یہ غزل مولانا ناہر نے "غالب" ص ۳۰ (طبع اول) میں دیوانِ غالب کے مخطوطہ
بیگم تاباں (حاشیہ ص ۱۰) سے نقل کی ہے۔ نیز یہ کسالہ آجکل دہلی بابت ۱۵ جون،
۱۹۴۳ء میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

بقول مولانا مہر موم، غزل، مخطوطہ بیگم تاباں کے حاشیے پر راج تھی اور مخطوطہ
بیگم تاباں "بظاہر رام پور والے قلمی نسخہ کی نقل معلوم ہوتا تھا" نسخہ رام پور ۱۸۵۵ء
میں لکھا گیا تھا، لہذا مخطوطہ بیگم تاباں اس کے بعد کتابت ہوا اور یہ غزل اس کے بھی بعد

حاشیے میں اضافہ کی گئی۔ ارمغان غالب میں اسے ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء کی تصنیف کہا گیا ہے۔ مقطع سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ غزل ۱۸۵۰ء کے فوراً بعد ہی لکھی ہوگی۔

(۹)

بتو! تو بہ کرو، تم کیا ہو جب دوبارہ آتا ہے تو یوسف سائیں بکنے سہ بازار آتا ہے

یہ شعر مولوی احتشام الدین صاحب دہلوی کے سخون (ماہ نومبر ۱۹۵۵ء) سے نقل کیا گیا ہے۔ مطلع انھیں ایک صاحب وجیہ الدین خاں کی مملوکہ بیاض میں ملا تھا، اس بیان میں مرزا صاحب کی غزل ”کہا ہے تو سہی“ رہا ہے تو سہی“ بھی درج تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”اس کے ساتھ کوئی دوسرا شعر نہیں ہے۔ وجیہ الدین خاں نے غزل مذکور کے ہاتھ آنے کی حکایت یہ بیان کی ہے کہ ان کے والد ماجد مرحوم نے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے کلام کی اپنی بیاض میں لکھنے کے لیے استدعا کی، مرزا نے فرمایا کہ یہ غزل دیوان میں طبع ہونے سے رہ گئی ہے۔ تم بے جاؤ۔ غالباً اسی کے ساتھ یہ مطلع بھی عنایت ہوا ہوگا، کیونکہ اس بیاض میں غالب کے نام سے درج ہے کسی مطبوعہ دیوان میں نہیں پایا جاتا۔“

میں نے کہا ہے تو سہی، دلی غزل کو بعد از ۱۸۵۰ء قیاس کیا ہے۔ لہذا غالب کے عنایت کر رہا ایک ہی بیاض میں لکھے ہوئے اشعار کو اسی عہد میں شمار کرنا چاہیے۔ مگر میرا خیال ہے کہ غالب کم از کم اس بڑھاپے میں یعنی ۱۸۵۰ء کے بعد تو ”سہ بازار برائے فروخت آتا ہے“ یا ”سہ بازار بکنے کے لیے آتا ہے“ کو ”بکنے سہ بازار آتا ہے“ نہ کہتے۔ مطلع یقیناً ۱۸۵۰ء سے بہت پہلے کا ہے۔ اسے ابتدائی کلام یعنی ۱۸۱۶ء سے بھی پہلے کا قرار دینا چاہیے۔

(۱۰) اگر ہوتا تو کیا ہوتا، یہ کیسے نہ ہونے پر ہیں یہ تہیں دہن کی

یہ شعر ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی صاحب نے رسالہ اردوئے معلّٰی کے دہلے کے غالب نمبر حصہ دوم

۱۹۴۰ء میں بچا پہلے۔ اُن کا بیان ہے کہ میرے ایک بزرگ تھے سید عنایت حسین صاحب جو بھوپال میں ملازم تھے۔ نواب مدتی حسن خاں سے اُن کے خصوصی تعلقات تھے۔ نواب صاحب کے بھائی سید احمد حسن (متوفی ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء) غالب کے شاگرد تھے اور عرشی علقس کرتے تھے۔ سید عنایت حسین صاحب نے اپنے منتخب اشعار کی ایک بیاض چھوڑ دی ہے۔ اس میں پہلے عرشی کا یہ شعر لکھا ہے:

کہیں کچھ ہے خدادادِ گالیوں کو بنالایاتِ باتوں میں دہن کی
اس کے بعد غالب کا یہ شعر درج کیا ہے۔ اگر ہوتا الخ
عرشی کا انتقال ۱۸۶۰ء میں ہوا۔ اگر اس نے اپنے استاد کی غزل پر غزل کہی ہوگی
تو یقیناً ۱۸۶۰ء سے پہلے کہی ہوگی۔

(۱۱)
نسخہ سوزشِ دل در غورِ غناب نہیں، سرِ سودا زرد، آشکدہ تاب نہیں
ہمت و موصدہ شورشِ شبیم معلوم قلزمِ اشک، بزمِ دیدہ غوناب نہیں
پیرشِ عشق سے ہے اُن کو فراغت مقصود ہمتِ پارہٴ دل نازشِ جلباب نہیں
ہمت و شوقِ طلبِ گاری مقصود کہاں برقِ خرمن زن بے تابیِ سیماب نہیں
گمشدہ بستیِ عالم ہے رستانِ نشاط نقشِ گل، ردِ لب بے مشقیِ طلاب نہیں

اس غزل کا پہلا اور تیسرا شعر سب سے پہلے رسالہ الناطر لکھنؤیات مارچ ۱۹۲۹ء میں اس تہذیب کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ مولوی عبدالرزاق صاحب ایڈیٹر رسالہ تحفہ حیدرآباد دکن، مولفِ کلیاتِ اقبال نے عرصہ ہوا ازراہِ کرم الناطر میں شائع ہونے کے یہ اشعار بالا ارسال فرمائے تھے اور اُن کے متعلق اپنے گرامی نامے میں تحریر فرمایا تھا کہ: ”یہ شعر بھوپال سے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں اور نہ کہیں چھپے ہیں یہ کتب خانے میں دیوانِ غالب کے مختلف نسخے ہیں۔ ایک نسخہ نو کشتورہ کا مطبوعہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اشعار بالا اس تقریب کے ساتھ

کسی صاحب نے لکھے ہیں کہ مرزا غالب کے قلمی دیوان سے یہ غزل نقل کی گئی۔ دو شعروں کے علاوہ غزل کے اور شعر بھی ہیں، لیکن بیدرد جلد ساز نے حاشیہ کاٹ دیا ہے، جس کے سبب سے بعض مصرعے باطل کٹ گئے ہیں اور بعض پڑھ نہیں جاتے کہیں اور تپا پہلے، تو بقیہ اشعار بھی ارسال کروں گا۔

بعد ازاں یہ شعر ماہ نو دہری ۱۹۵۲ء میں مح چند اضافوں کے اس تہذیب کے ساتھ چھپے۔ پچھلے صفحے پر غالب کی جو مبینہ غزل درج ہے، ہیں جناب ناظر عالم نے حیدر آباد دکن سے ارسال کی ہے۔ موصوف نے اس سلسلے میں ایک خط بھی لکھا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کس حد تک مستند ہے۔ خط میں ناظر عالم صاحب نے اس غزل کی دریافت اور قائل شد حصول کے بارے میں عبدالرزاق راشد صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ موصوف نے کہا کہ ”میں دارشباح شاگرد مرزا غالب کے ایک رشتے دار ظفر باب خاں ریاست حیدر آباد کے حیفہ تعمیرات میں ملازم تھے۔ آج سے ۴۰ سال پہلے رسالہ ادیب نکالتے تھے۔ خیال موصوف کے کتب خانے میں ایک مجلد کتاب مل جس کے اندر دیوان غالب اور دیوان ذوق کے علاوہ ناسخ، آتش، آباد کا کلام تھا۔ دیوان غالب کے ایک حاشیے پر ”غزل غیر مطبوعہ غالب دہری عنوان سے ۹ شعر لکھے تھے مگر کسی بیدرد جلد ساز نے جہاتے وقت حاشیے کا ایک حصہ اس بری طرح کتر دیا تھا کہ چار مصرعے کٹ گئے۔ جو اشعار اور مصرعے باقی تھے، ان کی نقل کر لی گئی۔ اس تحقیق کے لیے یہ کلام میرزا غالب ہی کا ہے۔ ظفر باب خاں ایڈیٹر ادیب سے رجوع کیا گیا خاں صاحب موصوف نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ غالب کے سوالیے شعر اور کون تصنیف کر سکتا ہے....“

تحقیق کا اہم سراور یہ ہے کہ حضرت استاذی علامہ نظم طباطبائی شارح غالب سے رجوع کیا جائے۔ موصوف نے غزل دیکھ کر فرمایا کہ یہ یقینی مرزا غالب کا کلام معلوم ہوتا ہے۔“

جو چار شعر جلد ساد کی غلطی سے کٹ گئے تھے، ان کے مصرعے ہائے ثانی یہ ہیں۔

شب تار یک خیال دل بہت تاب نہیں

شمع یہ زیبہ مجلسِ اہباب نہیں

تارِ تمکین حریفِ سہِ مضراب نہیں

غم ہی ایک چیز ہے دنیا میں جو کیا نہیں

جب تک پہلے مصرعے نہ مل جائیں ان مصرعوں کو متقی سے خارج کر دینا ہی مناسب

ہو گا۔

اس غزل کا انداز وہی ہے جو نسخہٴ امر وہ بہ بختِ غالب کی غزلوں کا ہے، اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ ۱۸۱۶ء کا فکر کر دہ کہہ سکتے ہیں۔ تقابل کے لیے اسی وزن کی ایک غزل نسخہٴ امر وہ بہ سے دیکھیے۔ وہی بھاری بھر کم الفاظ اور ترکیبیں، وہی دور کی کہنا اور فہم و ادراک سے اونچا اڑنا اس حد تک کہ شعر بہل سا ہو کے رہ جائے ذیل کی غزل دیوانِ غالب کے کسی اور نسخے میں شامل نہیں، لہذا اصل رنگ میں ہے سہ

وہ ناک رشتہ کہ بر تو سن چالاک چڑھا ماہ پر الہ صفت، مطلقہٴ فتنہ رک چڑھا
نشہٴ مے کے آتہ جلنے کے غم سے، انگور صورتِ اشک بہ شرکانِ رگ تاک چڑھا
بوسہٴ لب سے ملی طبع کو کیفیتِ خصال مے کشیدن سے مجھے نشہٴ تریاک چڑھا
میں جو گردوں کو بمیزانِ طبیعت تو لا تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگ کفِ خاک چڑھا
اے (استد) واشدن عقدہٴ غم گر چاہے حضرت زلف میں جوں شانہٴ دل پاک چڑھا
»دو غزلوں میں ایک بات اور بھی مشترک ہے وہ یہ کہ پرکھی زبان استعمال ہوئی ہے غزلِ زیر بحث کے ایک مصرع میں "تارِ تمکین" بہ اعلانِ تون آیا ہے اور مثال میں دی ہوئی غزل میں "میں جو گردوں کو بمیزانِ طبیعت تو لا" (یعنی میں تو لا) میں نے تو لا کی جگہ آیا ہے۔ اس سے اس بات کا امکان زیادہ ہو گیا ہے کہ دونوں غزلیں ایک ہی عہد کی ہیں۔

غالب کے کچھ ہنگامی مصنفے اور شعر

- ۱۔ سگاتی تھیں شمس کی نگیم، تن نہایا ہوا
دودھ میں پتے تھے شکر، تن نہایا ہوا
- مولوی احتشام الدین مرحوم نے اپنے مضمون ”غالب کے بعض غیر مطبوعہ اشعار اور لطیفے“ (ماہ نو فروری، ۱۹۵۰ء) میں لکھا ہے کہ یہ ”مطلع“ ”میرزا کی ایک مہمل غزل کا ہے جو بچوں کے جھولے میں گلنے کے لیے موزوں فرمائی تھی۔“ اندازہ ہے کہ شعر ۱۹۴۵ء کے ابتدائی مہینوں میں کہا گیا ہوگا (دیکھیے خط نمبر ۱۱۲ بنام ہر گویاں تفتہ آخر مئی ۱۸۴۵ء)
- ۲۔ تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ، روز افرقوں
- اس شعر کا پہلا مصرع میرزا نے نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام کے خط مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۵۰ء میں اور پورا شعر انھیں کے نام کے خط مورخہ ۱۴ اگست ۱۸۶۳ء میں لکھا ہے۔

- ۳۔ درم و دام اپنے پاس کہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں
- آپ حیات میں درج ہے کہ حسین علی خاں (عارف کا چھوٹا بڑا) ایک دن کھیلتا کھیلتا آیا کہ دادا جان (غالب) مٹھائی بٹکا دو۔ آپ نے فرمایا کہ پیسے نہیں۔ وہ منہ منہ کھول کر ادھر ادھر ٹٹولنے لگا اور آپ نے یہ شعر فرمایا۔
- حسین علی خاں اشاراں اسکا سال ولادت ۱۸۵۰ء ہے۔ اندازہ ہے اس واقعے کے وقت (آغاز ۱۸۵۰ء) وہ سات آٹھ برس کا ہوگا۔

۱۳۔ سات جلدوں کا پارسل پہنچا واہ کیا خوب برحسب پہنچا
یہ شعر میرزا حاتم علی مہر کے نام کے خط مورخہ ۲ نومبر ۱۸۵۸ء میں درج ہے۔

۱۴۔ یہ ضبط نہیں تو اور کیا ہے
”برہان قلع کا وہ نسخہ جس کے حاشیوں پر ابتداً میرزا صاحب نے اپنے اختلاقی
نوٹ لکھے۔ اور جو بعد کو قلع برہان کے نام سے مرتب ہو کر چھپے۔۔۔۔۔ لفظ ٹھک پر حاشیہ
لکھتے ہوئے یہ مصرع بھی میرزا صاحب کے قلم سے نکل گیا ہے۔“ ظاہر ہے کہ یہ
ہی میں لکھا گیا ہوگا۔

۱۵۔ روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کیا ہوتا ہے
غالب نے یہ شعر اپنے خط بنام مجروح مورخہ ۲ فروری ۱۸۵۹ء میں لکھا ہے۔
دیکھیے کیا جواب آتا ہے

۱۶۔ مندرجہ خط بنام مجروح ۱۳ دسمبر ۱۸۵۹ء۔ یہ پورے جملے کا ایک ٹکڑا ہے جو از خود مندرج
ہو گیا ہے: ”میں نے اس کا ایل لفٹ گورنر کے یہاں کیا ہے، دیکھیے کیا جواب آتا ہے“
خدا سے میں بھی چاہوں از رو مہر

۱۷۔ ”فروغ میرزا حاتم علی مہر
مندرجہ خط بنام تہر۔ اپریل ۱۸۵۹ء۔ اس شعر کا دوسرا مصرع خود تہر کا ہے جو ان
کی شنوی شعاع مہر میں درج ہے۔

۱۸۔ پیر و مرشد معاف کیجے گا میں نے جتنا کچھ نہ لکھا حال
مندرجہ خط بنام نواب انوار الدولہ بہادر شفق۔ ۱۹ جولائی ۱۸۶۰ء۔ خود مندی میں
یہ اسی طرح درج ہے۔ مگر اردو کے معنی میں اسے نہ کی شکل دے دی گئی ہے اگرچہ اسے
منظوم بھی پڑھا جاسکتا ہے:
پیر و مرشد معاف کیجے گا میں نے جتنا کچھ نہ لکھا

- (۱۰) خدا کے بعد نبی اور نبی کے بعد امام
یہی ہے مذہب حق، والسلام والا کرام
مندرجہ خط بنام مجروح - مئی ۱۸۶۱ء
- (۱۱) تھا تو خط پہ نہ تھا جواب طلب
کوئی اس کا جواب کیا نکلتا
یہ منور چودھری عبدالنور سمد کے نام کے خط میں لکھا ہے۔ خط پر تاریخ درج
نہیں مگر قرائن سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۶۲ء کا لکھا ہوا ہے تفصیل کے لیے دیکھیے 'غالب کے
خطوط' جلد دوم ص ۶۱۱
- (۱۲) میں بھولا نہیں تجھ کو، اے میری جاں
کروں کیا، کریاں گرو رہے ہیں مٹاں
مندرجہ خط بنام مجروح مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء
- (۱۳) جو یا اے حالِ رہی و انور سلام لو
یہ مصرع خط مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۸۶۲ء بنام مجروح کا سرنامہ ہے۔
- (۱۴) ولی عہدی میں شاہی ہو مبارک غنایات اہلی ہو مبارک
مندرجہ خط بنام علانی - اپریل، مئی ۱۸۶۳ء (غالب کے خطوط حصہ اول ص ۴۰۲)
- (۱۵) معلوم ہوا اخیر کہ ٹھینگا باجا
مندرجہ خط بنام علانی ۱۸ مئی ۱۸۶۴ء -
- (۱۶) کوئی اس کا جواب دو صاحب ساکوں کا ثواب دو صاحب
مندرجہ خط طائف غنی مطبوعہ ۱۸۶۴ء ص ۲۲۔ اب یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ
طائف غنی، سیاح کی نہیں بلکہ خود مرزا کی تصنیف ہے۔
نوشتہ کی احباب کا طالب غالب
- ظاہر ہے کہ یہ مصرع خط کے خاتمے کے الفاظ پر مبنی ہے۔ صبح سالِ تحریر کا علم نہیں

مگر یہ ایک خطبہ نامِ قدس بلکہ آرمی کے آخر میں (تاریخ درج نہیں صرف دن اور وقت لکھا ہے "چهار شنبہ بارہ پرتین بجے") اور مشنوی "شعاعِ مہر" کی تقریظ کو تمام کرتے ہوئے لکھا ہے۔

۷۸ ۛ کھانا نہ انھیں کہ یہ پرلے ہیں آم

یہ غالب کی ایک رباعی کا چوتھا مصرع ہے جو جلوہٴ حضور میں درج ہے۔ اس کے تین مصرعے دیگر جگہ اسی کو یاد نہیں رہے۔ صفر ۱۸۴۵ء میں غالب سے ملنے دہلی آئے تھے۔ بغضِ کریم دیکھیے دیوانِ غالب نسخہٴ عثمانی طبع دوم ص ۴۲۱۔

(۱۹) میں قائلِ خدا و نبی و امام ہوں بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

مندرجہ خط بنام پیپر بلگرامی مورخہ ۳ مئی ۱۸۶۵ء۔

(۲) ہ پاتلف غیب سن کے یہ بیٹھا ان کی تاریخ میرا تاریخ

جناب آقسن مارہروی مرحوم نے اپنی کتاب حکایتب الغالب (ص ۲۵) پر لکھا ہے۔

”راقم الحروف (احسن مارہروی) کے پردادا شاہ ستیہ عالم صاحب (صاحب

عالم ہندو) سے مرزا کی اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت صاحب

نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ آپ کی ولادت کس سنہ میں ہوئی اور یہ بھی اطلاع

دی کہ میری ولادت لفظ "تاریخ" نے نکلتی ہے جس کے عدد ۱۲۱۱ ہوتے ہیں

مرزا نے جواب میں شاعر لکھ بھیجا تھا غیب الہی

جناب صاحب عالم مارہروی احسن کی مرزا بہت عزت کرتے تھے، مرزا سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اور

یقیناً سال بعد فوت ہوئے یعنی ان کی ولادت ۱۲۱۱ھ کو اور وفات ۱۲۸۸ھ کو ہوئی۔ صاحب عالم

ان کے صاحبزادے شاہ عالم اور عبدالغفور سرور (جن کے خطوں میں صاحبِ عالم مارہروی کے کئی

خط شاہی میں اس کے نام کے خطوط جو آج تک دستیاب ہوئے ہیں وہ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۶ء تک کے

عرصے میں نکھے گئے ہیں۔ یہ شمع ان غطوطی درج نہیں ہو سکتا ہے انہیں دنوں میں کبھی لکھا گیا ہوگا

خط محفوظ نہ رہا ہو۔ اس لیے اس شعر کو ۱۸۵۸ء کے بعد اور ۱۸۶۶ء سے پہلے کا کہا جوا ہی کہا جاسکتا

(۲۱) سہ
تختہ پر ہے یہ غالب بیزاں پرست کی
تاریخ اس کی آج نویں ہے اگست کی
مندرجہ ذیل خزانہ جاوید جلد اول ص ۸۲۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر کا زمانہ فکر
۱۸۶۶ء کے لگ بھگ ہو گا۔

(۲۲) سہ
سینن عمر کے ستر ہوئے شہداء برس
بہت جیوں کو جیوں اور تین چار برس
غالب کا سال ولادت ۱۷۹۷ء ہے۔ اس طرح یہ شعر ۱۸۶۷ء میں کہا گیا ہو گا۔ بحری
حساب سے ستر برس ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵-۶۶) میں پڑیں گے۔

(۲۳) سہ
آج یک شب نے کا دن ہے آؤ گے؟ یا فقط رستا ہیں بتلاؤ گے
ختمہ جاوید جلد اول ص ۸۱ میں لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ پیارے لال آشوب دہلی
میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ مرزا صاحب کی ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا۔ دیر ہو جاتی تو مرزا ایک نہ
ایک شعر لکھ کر آشوب کے پاس بھیج دیتے جس کا مضمون حسن طلب ہوتا۔ ان میں سے ایک شعر یہ
ہے۔ غالب نے دسمبر ۱۸۶۷ء کو ازالہ حشیت عرفی کا مقدمہ دائر کیا تھا اس مقدمے میں
پیارے لال آشوب (جو ابھی ۳۶ سال کے بھی نہ تھے) گواہوں میں سے ایک تھے شاید یہ شعر انھیں
دنوں کا ہو۔

مندرجہ بالا اشعار کی کوئی ادبی حیثیت نہیں۔ یہ غالب کی شوخی طبع اور جاذب دماغی سما
آئینہ میں ان کی قدر و قیمت اس پر منحصر ہے کہ یہ غالب کے کہے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے، انہیں دیوان
غالب میں شامل کرنا محض دیوان کا حجم بڑھانا ہو گا۔

دیوان غالب - طبع اول

غالب، میجر جان جاکوب بہادر (جان جکیب) کو، مطبع سید الاخبار کے بارے میں کچھ اطلاعات بہم پہنچاتے ہوئے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

..... دیوانِ رعیتہ کہ نہ ناتراہی تمام است، عجب نیست کہ ہم دریں ماہ بہ تراہی وانگاہ بنظر گاہِ سامی رسد.....

(ترجمہ: (میل) دیوانِ اردو بھی جو باوجود ادھورا ہونے کے، مکمل ہے، عجب نہیں اسی پہلے میں (اسی مطبع سے) تمام ہو کر آپ کی نگاہ عالی سے گزرے.....)

اس خط سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ دیوان چھپ رہا ہے۔ دوم یہ کہ دیوان اگرچہ ادھورا ہے تاہم مکمل ہے یعنی منتخب ہے۔ سرورق کے مطابق، بالآخر، دیوان شعبان ۱۲۵۴ھ مطابق اکتوبر ۱۸۴۱ء کو چھپ گیا۔ دیوان کے ص ۱۰۴ پر ایک رہنما درج ہے۔

ہیں شہر میں صفاتِ ذوالجلالی باہم آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں اسفل و عالی باہم ہے اب کے شبِ قدر و درآئی باہم

- ۱۔ فتح آجگ، طبع اول ۱۸۴۵ء/ ص ۳۸۸
- ۲۔ دیوانِ غالب نسخہ عثمانی، اشاعت دوم۔ مقدمہ ص ۱۲۷

عرشی صاحب مرقوم اس رباعی کے پیش نظر لکھتے ہیں :

”..... شہان ۱۲۵۷ھ (اکتوبر ۱۸۴۱ء) میں میرزا صاحب کا دیوان اس مطبع (استیلا اخبار) میں چھپنا شروع ہوا، اور ۲ رمضان (۱۲ نومبر) تک زیر طبع رہا۔ تاریخ آغاز سرورق پر مذکور ہے، اور ۲ رمضان تک اختتام نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ رباعی بھی شامل ہے : ہے اب کے شب قدر و دوائی بام اور از روئے حساب دوائی اور شب قدر کا اجتماع اسی تاریخ کو ہوا تھا۔“

مگر یہ دونوں دلیلیں ضعیف ہیں۔ دیوان کے سرورق پر یہ کہیں نہیں لکھا گیا کہ اکتوبر ۱۸۴۱ء طباعت دیوان کی تاریخ آغاز ہے۔ اگر تاریخ آغاز کی نشاندہی منظور ہوتی تو دن کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح رباعی سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ شب قدر اور دوائی کے اجتماع کی تاریخ گزر چکی ہے۔ اس میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ چھوٹے بڑے آپس میں اس لیے خوش (ہو کر گئے) ہیں کہ اب کے شب قدر اور دوائی بھی ایک ہی تاریخ کو بام داخل گرنے والی ہیں۔ رباعی یقیناً ۲ رمضان (۱۲ نومبر) سے پہلے کہی ہوگی۔ ایسا ہونا اگر ناممکن نہیں تو دور از قیاس ضرور ہے کہ طباعت سے مہینوں پہلے مسودے کی کتبہ کرائی گئی ہو اور طباعت کے دوران میں یکایک ایک رباعی کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ چھپے ہوئے دیوان میں یہ رباعی جس مقام پر ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام مسودہ ایک ہی قلم سے سلسلہ وار لکھا گیا تھا۔

.. دیوان میں درج شعروں کی تفصیل یہ ہے :

غزلیات کے اشعار
۲ مصرعے جو غزل میں چھپے رہ گئے مگر غلط نامہ
میں موجود ہیں۔

علا - دیوان غالب ص ۱۹۔ غزل کا پہلا مصرعہ یہ ہے ”یک دنیا زمین نہیں ہے کاروان کا“

قصیدوں، قطعوں، رباعیوں کے اشعار

[illegible]

۵۔ دیکھیے ۱۰۰۷ء سے ۱۰۳۳ء تک کے اشعار۔

۲ اردو دیوان غالب مع شرح نقلا عن مطبوعہ نقلا عن پریس بریلیوں - ۱۹۶۳ء، ص ۵۸، متن دیوان غالب سے ایک غلطی ہے،

اس ایڈیشن میں غالب کے دیباچے کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے ۔
 ”دیباچہ جو خود مصنف نے وقت ترتیب دیوان ہلا نہ بیان
 فارسی لکھا“

آخر میں تاریخ دیباچہ اس طرح درج کی ہے :
 ”بست و چہارم شہر ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ“
 جو مطابق ہے ۱۶ اپریل ۱۸۳۳ء کے ۔

نظمی مرحوم کو وہ دیوان جس میں یہ دیباچہ مع تاریخ تحریر درج ہے کہاں سے
 ملا تھا؟ اس کی وضاحت میں ڈاکٹر سید عبداللطیف کی کتاب میں شائع شدہ ایک
 خط کے ذریعے ملتی ہے جو نظمائی مرحوم نے سر اکبر حیدری کے نام ۳ دسمبر ۱۹۲۷ء کو لکھا
 تھا۔ نظمائی فرماتے ہیں :-

”قلمی دیوان جو ۱۲۴۸ھ کے قریب کا لکھا ہوا مجھے ۱۹۱۸ء میں ملا
 تھا اور جس کا ذکر میں نے اپنے یہاں کے مطبوعہ دیوان غالب
 کے دوسرے ایڈیشن میں کیا ہے..... ایک مرحوم دوست
 (منشی احمد علی صاحب شوق) کے ذریعہ سے مجھے رام پور میں دستا
 ہوا تھا.....“

چند نظمیں تراویح سے قطع نظر نظمائی بدایونی کا نقل کردہ دیباچہ وہی ہے جو
 آٹھ سال کے بعد (۱۸۴۱ء) سے شائع ہونے والے پانچوں ایڈیشنوں میں شامل ہے۔

ملہ - اسد دیوان غالب مع شرح نظمائی مطبوعہ نظمائی پریس بدایوں ۱۸۷۲ء ص ۱۵۷ اور قلمی دیوان غالب سے ایک صفحہ پہلے
 ۲ - غالب از ڈاکٹر سید عبداللطیف (انگریزی سے ترجمہ) مطبوعہ حیدرآباد - ۱۹۲۲ء ص ۱۳۵
 ۳ - مثلاً طباعت کے وقت ”دفاکتر خوش کو بہ فاکتر خوش“، ”کم مایہ کو“ ”دک مایہ“ بنادیا گیا ہے ۔

۳۱ سے یہ ثابت ہو گیا کہ دیوان غالب لگ بھگ ۱۸۳۳ء کے پہلے سہ ماہی میں طباعت کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اب ۱۶ اپریل ۱۸۳۳ء کو اس کا دیباچہ لکھ کر اسے کاتب کے حوالے کرنا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ دیباچہ تو لکھا گیا مگر مسودہ کاتب کے حوالے نہیں کیا گیا شاید اس لیے کہ ابھی نواب ضیاء الدین احمد خان خیر و خشتاں نے اس کی تقریظ مکمل نہیں کی تھی۔ یہ تقریظ ۲۵۴ اشعار (۲۸ مارچ ۱۸۳۸ء تا ۱ مارچ ۱۸۳۹ء) میں مکمل ہوئی۔ اُس وقت اس میں غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی ملا کر کل اشعار ایک ہزار و ہشتاد و اندھے تھے۔ یعنی ۱۰۰۰ سے کچھ اوپر (۲، ۲، ۱ سے ۹ تک کچھ تھیں)۔ لیکن جب دیوان، دیباچہ و تقریظ کے ساتھ چھپنے کے لیے دیا گیا تو اُس میں جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، ۱۰۹۶ اشعار چھپے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۳۳ء تک دیوان کے اشعار ۱۰۰۱ تھے۔ بعد میں ۱۲۵ اشعار کا اضافہ ہوا۔ جو ۲ شعروں میں سے لیے گئے تھے۔ تقریظ مشمولہ دیوان مطبوعہ میں لفظی تغیر و تبدل بھی ہوا، اور مختلف ایڈیشنوں میں سینیں اور تعداد اشعار میں ترامیم بھی ہوئیں۔

۱۔ اشعار الغلوید مطبوعہ نو کشور جون ۱۸۷۶ء باب چوتھ ص ۵ ”سہ مقدمہ ہجر یہ نبویہ..... ایک ہزار و

دولیت و پنجہ و چارہ.....“

۲۔ ایضاً ایضاً ایضاً ۸۶

۳۔ دیوان غالب (پہلا ایڈیشن)۔ تقریظ میں تعداد اشعار ہزار و نو وشت اندھے لکھا ہے جو غلط ہے۔

۴۔ ۵۔ دیکھیے ۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۱ء تک کے تم نشان ولے اشعار

۶۔ ایک شخصہ ہی ترمیم دلچسپ ہے۔ تقریظ میں شامل مثنوی کا تیسرا شعر اشعار الغلوید میں اس طرح ہے۔

مہیں فرزند نہ آبلے علوی

بہیں شاگرد روح القدس عالی

اس کے معر شانی کو دیوان غالب (پہلا ایڈیشن) میں یوں کر دیا ہے کہ دم روح القدس دکنش معنی، پھر بعد کے

ایڈیشنوں میں یہ شکل دے دی ہے کہ ہمیں شاگرد عقل مکن عالی۔

۱۸۳۳ء کے بعد جن ۲۵ اشعار کا اضافہ ہوا وہ یہ ہیں

دیوان غالب میں ۵۲	دی سادگی سے جان پڑوں کو بچن کے پانو ۱ شعر نسخہ بدایوں ۱۲۸۸
۵۸ ص	تاہم کوشکایت کی بھی باقی نہ ہے جا ۲ شعر حاشیہ ایضاً بعد از
۶۵ ص	زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب ۱ شعر گلشن بے خار ۱۸۳۸ء
۸۴ ص	ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے ۳ شعر اپریل ۱۸۳۵ء نسخہ بدایوں حاشیہ بعد از ۱۸۳۸ء
۸۶ ص	لا غر اتنا ہوں کہ گرتو بزم میں جاؤ مجھے ۴ شعر - ایضاً -
۱۰۰ ص	گئے وہ دن کہ نادانستہ فیروز کی وفاداری ۲ شعر - ایضاً -
۱۰۴ ص	یہ بھی ہے جو غم کو شاہ مجاہد نے داں ۲ شعر - ایضاً -
۱۰۴ ص	ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم ۲ شعر منتخب قصیدہ والی باہم ۲۵ شعر ۱۸۴۱ء

منسلک جہ بالا سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱ دیوان غالب، اولیں طباعت کے لیے لگ بھگ ۱۸۳۳ء کے پہلے سہ ماہی تک مکمل ہو چکا تھا
۲ اس میں ۱۰۷۱ اشعار تھے۔

بے چارہ کتنی دور سے آیا ہے شیخ نبی

کہے میں کیوں دبائیں نہ ہم برہن کے پانو

یہ شعر بعد میں متداول دیوان غالب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس طرح اب متداول دیوان میں اس غزل کے
۱ کے بجائے ۸ شعر شامل ہیں۔

۲ اگر بعد میں اجڑا من میں رکھا چکا ہے، دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ۱۸۳۳ء تک متداول دیوان کے لیے منتخب اشعار کی

تعداد ۱۰۷۱ نہیں بلکہ ۱۰۷۳ ہے۔ تاہم دیوان غالب کے پہلے ایڈیشن (۱۸۳۱ء) میں ۱۸۳۳ء تک ۱۰۷۱ اشعار ہی شامل کرائے گئے۔

۳) یہ اشعار ۱۹۷۶ء اشعار میں سے منتخب ہوئے تھے (بعد میں ۱۸۳۱ء تک کے فکر کردہ

کے کئے تھے۔ یہ کیونکر ہوا۔ اس کے لیے ”نگار“ میں پورا ”جمع خیر“ لکھنا پڑے گا۔ ملاحظہ کیجیے:

۱۰۴۳

۱۸۳۳ء تک دیوان کے لیے منتخب اشعار کی تعداد

متداول دیوان میں قفیدہ ”یک ذرۃ...“ کے ۱۸ شعر

ہیں مگر پہلے ایڈیشن (ص ۱۶۹) میں صرف ۴ شعر درج ہیں۔ اس طرح

اشعار کم ہوئے

$\frac{۳-}{۱۰۴۰}$

پہلا ایڈیشن ص ۱۶۹/۳۰۷ میں ”میرے بھٹکے ۸ شعر میں متداول

دیوان میں بعد ازاں یہ شعر اضافہ ہوا ہے

خوں بے دل تھک میں احوال دشاں پر یعنی

آنک کے ناخنی ہوئے متحدہ جنا میرے بعد

یعنی یہ شعر پہلے ایڈیشن میں نہیں

۲) شعر پہلے ایڈیشن میں نہیں ہے

سیاہی جیسے گرجا ہے دم تحریر کا عقد ہے

مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہلے ہر اس کی

مجاہد کیا ہے اُمیں فاضلہ ادھر دیکھ

شہیدانِ نگو کا خوں بہا کیا

یہ شعر پہلے ایڈیشن (ص ۱۶۹) میں ہے مگر بعد میں حذف کر دیا گیا

ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم

ہر سوچ گزرا ہوا ہے سر کو درخش ہے

قلعے کے شعر جو پہلا ایڈیشن میں ص ۱۶۹ اور ص ۱۶۸ میں درج ہیں گئے

”نکلتے کا جو خاک کیا...“

پہلا ایڈیشن میں ۱۸۳۳ء تک کے کل منتخب اشعار

$\frac{۳۴}{۱۰۴۱}$

۱۰۴۱

۱۲ اشعار میں سے ۲۵ شعر مزید منتخب ہوئے۔ ان ۲۷ شعروں کے اضافے سے اس وقت تک کے کہے ہوئے اشعار کی تعداد ۲۹۸۱ ہو گئی۔

(۴) اس کا دیا پوہ غالب نے ۱۶ اپریل ۱۸۳۳ء کو ختم کیا۔

(۵) تقریباً نواب ضیا الدین احمد خاں نیر و خٹاں نے ۲۸ مارچ ۱۸۳۸ء اور ۱۷ مارچ ۱۸۳۹ء کے درمیان کسی وقت لکھی۔ قیاس غالب یہاں ہے کہ ۱۸۳۸ء ہی میں لکھی۔

۱۱ طباعت دیوان کے وقت اس میں ۲۵ اشعار کا اضافہ ہوا اور کل شعر ۱۰۹۶ ہو گئے۔

(کاتب نے ایک غزل کے دو مصرعے حذف کر دیے تھے۔ جس کی وضاحت غلط

نامہ میں موجود ہے۔ اس طرح اشعار جو متن میں درج ہیں، شمار میں

۱۰۹۵ ہیں مگر حقیقت میں ۱۰۹۶ ہیں۔ ۳ شعر دربار درج ہو گئے۔ وہ کم کیے تو

دیوان کا مواد ۱۰۹۳ اشعار پر مشتمل رہ گیا)

۱۲ دیوان اکتوبر ۱۸۴۱ء کو ”دہلی میں سید محمد خاں بہادر کے چھاپہ خانہ“ (طبع

سید الاخبار) میں چھپا۔

دیوان غالب (طبع اول) بہت کم پایا ہے۔ جناب مالک رام فرماتے ہیں۔

”ایک کرم نمودہ نسخہ منشی ہمیش پرشاد مرحوم کے پاس تھا۔ خدا معلوم

اب کہاں ہے۔ خان بہادر سید ابو محمد مرحوم کا نسخہ آزاد لائبریری،

عل گڑھ میں آگیا ہے۔ ایک مکمل نسخہ مولت پبلک لائبریری، رام پور

میں اور دوسرا جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) کے کتب خانے میں ہے۔“

جناب سرشی مرحوم، مولت پبلک لائبریری، رام پور کے نسخے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”سرورق کی پہلی سطر کے آخر میں لفظ خالص کے اوپر سید محمد خاں

ذکر غالب۔ طبع: پنجم ص ۱۶۶

دیوان غالب نسخہ عرشی ص ۱۲۸۔ مقدمہ

کے دستخط ہیں۔

میرے کتب خانے میں اس ایڈیشن کے دستخط ہیں اور صولت پبلک لائبریری، رام پور والے نسخے کا عکس بھی ہے۔ جب تک میں نے غرضی صاحب کا بیان نہیں پڑھا تھا اور صولت پبلک لائبریری والے نسخے کا عکس نہیں دیکھا تھا، مجھے معلوم نہ تھا کہ سرورق کے نقطہ خنق پر بے معنی سا نشان حقیقت میں سید محمد خاں کے دستخط ہیں۔ یہ حال مجھے یہ بتاتے ہوئے تعجب ہوتا ہے کہ میرے دستخطوں میں سے ایک پر یہی دستخط بعینہہ اسی جگہ موجود ہیں۔ وجہ نامعلوم۔

دیوان ۱۰۹ صفحوں ہی کو محیط ہے۔ پہلا صفحہ سرورق کا ہے۔ دوسرا صفحہ خالی ہے۔ صفحات میں ۹۲ کا عدد دو دفعہ آگیا ہے مگر ص ۱۰۳ کے بعد ص ۱۰۴ چھوٹ گیا ہے، اس طرح پڑے برابر ہو گئے ہیں۔

یہ ایڈیشن اتنا کم یاب ہے کہ مدتوں اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی رہیں۔ اب اس سے پہلے کرباٹی دو چار نسخے بھی دیکھ یا وقت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ اس کا عکس ایڈیشن شائع کر کے اسے عام کر دیا ہے۔

غالب کی زندگی میں دیوان غالب کی اشاعت

’دیباچہ، تقریظ، خاتمہ الطبع اور تعارف و اشعار‘

(۱) غالب نے اپنے اردو دیوان کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۶۲ء) اپریل ۱۸۶۳ء کو تمام کیا۔ تقریباً پانچ سال بعد نواب ضیاء الدین احمد خاں نے ۱۲۵۴ھ ۳۹-۸۳۸ء میں لکھی۔ دیوان اکتوبر ۱۸۴۱ء کو اس سرورق کے ساتھ چھپا۔
دیوان اسد اللہ خاں صاحب غالب تخلص
مرزا نوشہ صاحب مشہور کا دہلی میں سید محمد خاں بہادر کے چھاپہ خانے کے
لیتھوگرافک پریس میں شہر شعبان
۱۲۵۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۸۴۱ء عیسوی کو سید عبد الغفور کے
اہتمام میں چھاپا ہوا

(ب) دیباچہ غالب یہ ہے:
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

مشام شمیم آستیاں را صلا، و نہاد انجمن نشیناں را شرہ کہ نعتی از سامانِ مجرہ

۱۔ ”عام نسخوں میں تاریخ نہیں ملتی۔ سب سے پہلے مولانا نظامی بدایونی نے منشی احمد علی بنوق قدوائی کے حلوہ نسخے سے اپنے شائع کردہ دیوان کے دوسرے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کیا تھا۔“

گردانی آماده، و راستی از خود نهدی دست بهم داده است - نه چوبهای سنگ زوپ خوردیم به بنجار
 ناطبعی شکسته، بی اندام نراشیده، بلکه به ترسگافته، بکار در بریزد و نیزه کرده، به سحران نراشیده -
 آیدون نفس گداختگی شوق به جستجوی آتش پاری است - نه آتشی که در گدازههای
 هند افسرده و خاموش، و از کف خاکستر بزرگ خودش سپید پوشش بینی - چه بر روی مسلم است،
 از ناپاکی با ستحزان مرد و ناپاکی شکستن، و از دیوانگی برشته شمع مزاکرشته آویختن هر آینه بدگذاختن
 نیزد، و بزم افروختن را نشاید - رخ آتش به منع برافروزنده، و آتش پرست را بیادافراه هم
 در آتش سوزنده نیک میدانند که پرونده در بهوای آن رخساره آدرغل در آتش است که چشم
 روشنی بوشنگ از سنگ برون تافته، و در ایوان پیر اسپ نشوونمایافته، نفس را فروخت، و
 لاله را رنگ، و مرغ را چشم، و کده را چراغ - بخشند زبان درون بسخن برافروز را سپاسم که شتراری
 از آن آتش تا بناک بخاکستر خویش یافته، بسا و کادینه نشافه سم، و از نفس دمر بر آن بر نهاده
 بو که در اندک مایه روزگار آن مایه فراهم تواند آمد که بجزه را فرزند شنائی چراغ و را که عود را بال
 شناسائی دماغ تواند بخشید -

همانا نگارنده زمین نامه را آن در سر است که پس از انتخاب دیوان رعیت به گرد آهنگ
 سرایه دیوان فارسی بر خیزد، و با ستغافه کمال این فریوز من پس زانوی خویش نشیند - امید
 که سخن سرایان سمخو رستای، پیرا گنده ابیاتی را که خارج از این اوراق یابند، از آثار تراوش
 رگ ملک این نامه سیاه نشناسند و چاه گرد آورده ستایش و کوهش آل اشعار ممنون و
 مانع خود نسکالند -

یارب، این بوی سستی ناشیده از سستی به پیدائی نارسیده، یعنی نقش بر حیر آمده
 نقاشی که به اسد الله خان موسوم و به میرزا نوشته معروف و به غالب متخلص است، چنانکه اکبر
 آبادی مولود دهلوی مسکن است، فرجام کار بخی مدفن نیز باد فقط -

(ج) نواب ضیاء الدین احمد خان کی تقریظ یہ ہے۔

تقریظ

۹۹

بنائیں دہی بالاناظرہ الیت، از قدسی خالوانہ فکر سر برزده، گرم جلوہ گری و
لا ابالی خرام عجوبہ الیت، مقتدا از رخ برداشته و دامن بکمر زده، در اندازہ پردہ دری۔ بوسفتانی
است خورانشراوان معانی در روی دوش بدوش۔ عبہر زار لیت جلوہ گاہ حیرتیاں باخستہ ہوش۔
پہناور پرند لیت، مانند سپہر ثوابت، گوہر آگین۔ خورلق رونق شارسانیت، کارنامہ شکون مہد
نگار خانہ چین۔ فروغانی چراغیت پری پروانہ۔ سماوی تمیکل ست جرمہ بازوے فرزانہ۔
گوئی میکائل نوال مؤکل فراخ سماطی نہادہ است، و برگرمہ چشمان سخن راصلای عام در دایہ۔
بیت اللہ تقدس معبد لیت کہکبیش بدست فہم درست دادہ اند، و درش بر احرام ہندان منزلت
دل کشادہ۔ سومانیت یک منستان نہ نار ہندان خیال در روی جبین ساسی۔ آرنکیت بنالش

۱۔ یہ تقریظ وہ ہے جو دیوان غالب کے پیدائش کے آخر میں شائع ہوئی تھی۔ بعد کے ایڈیشنوں
میں تقریظ تعریف اور تعداد اشعار کے علاوہ معمولی سارد و بدل ہوئے ہیں۔ جیسے عجوبہ کی جگہ محبوبہ، بدوش کی جگہ
بردوش، کارنامہ کی جگہ بازنامہ، برگرمہ چشمان سخن کی جگہ صرف گھنہ چشمان سخن، بہر اد کی جگہ ارژنگ، ہم
بمغروہم کی جگہ ہم بمغز چختہ وہم، یہ ستمہ کی جگہ نسخہ، ہمدستان کی جگہ ہمدستاناں، اشعار سے
پہلے لفظ مشنوی کا اضافہ، مصرع دم روح القدس در کشف متی کی جگہ ہمیں شاگرد عقل کل عالی، فرخندہ کش کی
جگہ فرمیدہ کش، اشعار بغاب کی جگہ غاب، پوزش آئین کی جگہ پوزش آئین نیاز گستر ضیاء الدین کی جگہ ضیاء
الدین، قطعہ دبای کی جگہ قطعہ مشنوی و دبای، اندام کی جگہ از من، بردیگراں کی جگہ برائے دیگراں وغیرہ۔

نقشبای بدیع پشت دست مانی و پیر آد بر زمین سالی - یہ صفہ ازین اوراق بر عنایت بید خوان - ہر ورق
ازیں کتاب موبدی است استادان - آئینہ خانہ الیت گیتی نما مضبوط کلدہ الیت مصفا - پرده گیانند
نجلہ نشیں مستر اوق پریم کرداری بشوخی چشمانند پرده در تراز شاہان یازاری تہی درستانند تو انحر دل
آزاد کنند پارہ گل عشاق طینسانند بخوشن سائل - سادہ پیکر اتند نگارین دل - ہاروت پیشگانند زہو
فن - برین گویا ہر تہ بابل ممکن - سمندر اند قلزم کشش - شگاند سینہ پر آتش - برشتگانند بخت مغر
ہم بغیر و ہم پیوست لغز بادہ آسانند سیدہ بہت - از خود رفتگانند با یکدگر سہ دست - ہندی
صمانند پاری گرد - دہلی تہ ازانند صفا بان پرورد -

بان وہان ترسم کہ آئینہ سر دم بہنہ یافنی ہمانا، منتخب دیوان اردو زبان است ریختہ
فلک مسی فر تاب محمد قسطاس دانش - اسطرلاب پیش جوہر آئینہ آفرینش - معیار نقد گرانای
معراج مسلم بلند پایگی، قبران فکر و معنی پروری، فرمانفرمای گہسان سخنوری، گیتی خدا ایگان نوایمین
نگاری جہاں سالار تازہ گفتاری، روان بخش کالبد سخن گستری - جینی افزای چشم دیدہ دری -
فرزندہ لوای شوکت عامہ، فروزندہ چراغ دودہ آمد، آید ناسخ شہرت سہ استانان، سرخی آئین
نکتہ دانان -

سخن را از خیالش آر جندی	معانی را از فکرش سر بلندی
صبر خامہ اش بس دلپذیر است	بہشتی عند لیب ال رصیر است
بہیں فسرند نہ آبای محکوی	دم روح القدس در کشف معنی
جہاں را بیدریغ آموزگار است	گزین معنی شناس روزگار است
سر و سر دفتر شیوہ بیانان	درین فن، اقامتار سہنہ بیان
بحولہ نگاہ معنی یکہ تازے	فلاطلون قطرے حکمت طرازے
ز ککش ریزش گنج مساف	چو ابر آذری در درفشانی

جمہای سخن، سرشار گشتہ ورق، از فکر او جملہ ارگشتہ موجد کشش مانی منش
ستورہ نوی فرغندہ کشش، بزرگ نہاد پاکیزہ گوہر، فرشتہ سرشت آندم گستر کہیں گزاید مہر

پیر، نثر شید فروغ کیوان فر، نکوشش بکوه ستایش ستای کشور معنی را درہ خدای ہستنا سر
وفا و فتوت، دیدہ تادل حیا و مروت،

درک مصور، روح مجسم عالم حسان، و جان عالم
والا حسب، عالی نسب، سمی و وصتی و الپین و عشور آتش حضرت چارمین دستور، اعنی
استادی، مرشدی، مولائی، افی، میرزا اسد اللہ خان بہادر، مستخلص بہ غالب۔ اللہم کمل
لکلام بدیو منہ بقائہ، و تحصل المرام بحینوتہ لقائہ!

پوزش آئین ضیاء الدین نیز، از دیر باز والائی اندیشہ پست در آن اندیشند
و گرانی قدر رنگ اندران بنجیدے، کہ این گرامی برادرزادہ ہارا، کہ یگان یگان علف الصدق
دومان صیبر بل ابوالآبائی مضامین دلپذیر است یتعلیم تو آموزان بخواز بدشتاس برانگیزد و
این ارزندہ خواہر پایہ ہارا، کہ ہر ایک ازان سین ساعد شخص غرور پایہ، و نازنین سکیہ ہوش را
گوشتوارہ است، بر شمسہ پیش طاق شناسائی بر آویزد۔

بارے، کارسانہ ایندو بزرگ را ہزاران پاس کہ درین زمان کہ سہ مقدسہ
ہجر بنویہ علی صاحبہا افضل النبیات و اکمل الصلوٰات، بہ ہر رود ولایت و پیہ
و چہار رسیدہ، آن دیرین بسیج و دلنشین آرزو، بمساعدت رونہ کار راست ہنجا و قلاوڑی
بخت بیدار خوشتر ازان کہ میخواستم، روانی گرفت۔ شاد کامی در دل جاگزید و اندوہ گرد آوری
بد رفت۔

پہوں بہ احصای افراد این ہمایون محیطہ ستافتم، ہنگی اشعار شعری ہنجا و غزل و
قصیدہ و قطعو رباعی ہزار و نو دوشہت و اند یافتم۔

آلا، پالتوانا ہوشان، ہوشے اوشینو گوشان، گوشے! بر شاہراہ شناخت فرادانی
نیکو معانی باید رفت، نہ در پھیولہ بیخارہ زنی خوردہ بر قلت ابیات گرفت چنا کہ خود آن والا

۱۔ تعداد اشعار کی بحث کے لیے دیکھیے پیش لفظ دیوان غالب (دکسی) [مطبوعہ مکتبہ برائے ۱۸۳۱] ۱۸۶۶ء کالی دہائی گیتا دتتا

آموزگار، در گزارش این تجار، بیماری نامہ خوشنویس در پردہ سحاز آن گفتار خودی سراپا۔
آرے، راست میفرماید۔ بیت :

نگویم، تا نباشد لغز، غالب چو غم، گریست اشعارین اندک؟
از مایادگارے و بر دیگران تذکارے باد! فقط

۶۶

دیوان کے آخری صفحے ۱۰۹ پر 'غلط نامہ' ہے۔

(د) دیوان میں کل اشعار ۱۰۴۶ ہیں۔ ۳ شعر دوبار چھپ گئے ہیں۔ اس طرح مواد کے لحاظ سے تعداد اشعار ۱۰۹۳ تسلیم کرنی چاہیے۔

(۲)

(ا) یہ ایڈیشن (دوسرا) مطبع دارالسلام دہلی واقع محلہ منو قاضی سے مئی ۱۸۸۷ء میں چھپا تھا۔ دیباچہ پہلے ایڈیشن کے مطابق ہے۔

(ب) تقریظ میں تاریخ تصنیف تقریظ ۱۲۵۴ھ دی گئی ہے۔ مگر تعداد اشعار "غزل و قطعہ و رباعی یک ہزار و یک صد و اند" بتائی گئی ہے۔ مجموعاً اند (یعنی چند) سے مراد ۲۱، ۳۰، ۹ تک ہے جیسے انوری سے سمجھو تاریخ نہ صد و چل و اند۔ تاہم دیوان کے کل اشعار ۱۵۸ ہیں۔

تقریظ کا لفظ ہٹا کر اس کی جگہ نثر لکھ دیا گیا ہے اور اس کے بعد بطور عنوان یہ عبارت (معلوم ہوتا ہے غالب کی طرف سے) بڑھادی گئی ہے۔

"زمین سپید سحری از تیرہ شب سواد اوراق، بغیر فروغ گسری

عبارت تقریظ کہ سپیدی آن اثریت از آثار تہرام عامہ دربارہ

بل نزدیک بجان برابر، عالی رودمان والا گھر،

نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر، سترہ اللہ تعالیٰ!

(ج) خاتمہ الطبع کے طور پر یہ جملہ ہے "نت تمام شد"۔

(د) جناب عرشی مرحوم دیوان غالب اردو (پہلی بار - ۱۹۵۸ء ص ۹۷ دیباچہ) میں دوسرے ایڈیشن ۱۸۴۷ء کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”نیرنگی تقریباً میں تاریخ ۱۲۵۴ھ ہی ہے مگر اشعار کی تعداد ایک ہزار و ایک صد و اند، بنا دی گئی ہے گویا چھ برس کے اندر میرزا صاحب نے اردو کے کل چودہ شعر کہے تھے جو اس نسخے میں بڑھا دیے گئے۔ دونوں ایڈیشنوں (پہلے اور دوسرے) کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نواب تھل حسین خاں کی مدعیہ غزل کا اضافہ ہوا ہے جس کے ۱۴ شعر ہیں“

اس سے پہلے ص ۹۷ پر عرشی صاحب کہہ چکے ہیں کہ پہلے ایڈیشن میں کل ۱۰۹۸ یا (۳ شعر جو دوبارہ چھپ گئے ہیں کم کر کے) ۱۰۹۵ شعر ہیں۔ اس طرح دوسرے ایڈیشن میں (۱۰۹۸ + ۱۴) ۱۱۱۲ یا (۱۰۹۵ + ۱۴) ۱۱۰۹ شعر ہوئے۔

پھر اسی دیوان کی اشاعت دوم (۱۹۸۲ء - ص ۱۳۲ مقدمہ) میں وہی بات دہراتے ہیں۔ صرف یہ ترمیم کرتے ہیں کہ ”چودہ شعر“ کی جگہ ”سور شعر“ بنا دیتے ہیں۔ جس کا سبب بے بسی روٹی والا دو شعر کا قطعہ ہے جو پہلے ان سے گفتی میں چھوٹ گیا تھا۔ پہلے ایڈیشن کے اشعار کے شمار میں جو سہو ہو گیا تھا وہ بھی دیباچے کے ص ۱۳۱ پر درست کر لیا گیا ہے۔ اب شعر ۱۰۹۶ یا (۳ شعر کم کر کے) ۱۰۹۳ دیے گئے ہیں۔ جو قطعی درست ہے۔ مگر عرشی صاحب کی اس ترمیم کے باوجود دوسرے ایڈیشن میں اب بھی تعداد اشعار وہی رہی یعنی (۱۰۹۶ + ۱۴) ۱۱۱۲ یا (۱۰۹۳ + ۱۴) ۱۱۰۹ شعر۔

جناب مالک رام بھی دیوان غالب (تاریخ اشاعت فروری ۱۹۶۵ء) کے ص ۷ پر ’تعارف‘ میں دوسرے ایڈیشن کی تعداد اشعار ۱۱۱۱ بتاتے ہیں۔ پھر دیوان غالب صدی ایڈیشن (جو ظاہر ہے ۱۹۶۹ء ہی کی تالیف ہے) کے ص ۱۹ پر رقم طراز ہیں۔

”اس نسخے میں (۱۱۱۱) شعر ہیں یعنی طبعِ اول سے ۱۶ زیادہ؛ ایک تو وہی بے بسی روٹی والا دو شعروں کا قطعہ ہے۔ دوسری ”حال کے لیے“ کی زمین

کی آخری غزل، جس میں نواب محمد حسین خاں کی مدح کا قطعہ ملتا ہے۔ اس میں چودہ شعر ہیں۔

اس سے پہلے ص ۱۶ پر جناب مالک رام بھی پہلے ایڈیشن میں (۱۰۹۸-۳) ۱:۹۵ شعری بتاتے ہیں۔ اس طرح اس تعداد میں ۱۶ اشعار کا اضافہ کر کے میزان (۱۱۱۱) ہو جاتی ہے۔ ۶۸۵ میں بھی جناب مالک رام ”گفتار غالب“ (ص ۱۶۷ اور ص ۱۶۸) میں یہی بات دہاتے ہیں۔

عرشی صاحب نے دیوان غالب کی دونوں اشاعتوں میں دعو کیا ہے کہ وہ دیوان غالب کے ۱۸۴۷ اور ۱۸۴۸ کے ایڈیشنوں کے مقابلے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷) کی تعداد اشعار ۱۱۱۲ یا ۱۱۰۹ ہے۔ یعنی پہلے ایڈیشن کے تمام کے تمام ۱۵۶ یا ۱۰۹۳ اشعار اور ۱۶ مزید اشعار مل کر دوسرے ایڈیشن کا کل اثاثہ بنتے ہیں۔ وہ حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ”چھ برس کے اندر میرزا صاحب نے اردو کے کل سولہ شعر کہے تھے۔“

عرشی صاحب معتبر ترین محققوں میں شمار کیے جاتے ہیں اس لیے جناب مالک رام نے عرشی صاحب کے دعوے کو من و عن تسلیم کر لیا مگر حیرت اس بات پر ہے کہ عرشی صاحب دونوں ایڈیشنوں کا مقابلہ کرتے ہیں اتنی بڑی چوک کیونکر کر گئے۔

اب حقیقت حال ملاحظہ فرمائیے۔

۱۰۹۶

۲۰
۱۰۹۶

— پہلے ایڈیشن کے کل شعر
— کلکتہ کا جو ذکر... والے قطعے کے شعر جو ہوا دوبار چھپ گئے۔

— یہ ۲ شعر پہلے ایڈیشن میں ہیں مگر دوسرے میں نہیں

۵۔ دل میں ہے یار کی صفِ ترگاں سے روشنی

حال آنکہ طاقتِ فلشِ نواں بھی نہیں (ص ۴۹)

بے چارہ کتنی دور سے آیا ہے شیخ جی

کہے میں کیوں رہا میں نہ ہم برہن کر بانو (۵۳)

۲۰
۱۰۹۱

گویا دوسرے ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن کے ۱۰۹۶ انہیں بلکہ ۱۰۹۱ اشعار ضم ہوئے۔
اب دیکھا چاہیے کہ دوسرے ایڈیشن میں تے شعر کتنے لیے گئے۔

۲۔ قلعہ سے نہ پوچھ اس کی حقیقت یسین کی روغنی روٹی

۱۴۔ غزل سے نوید امن ہے بیدار دوست، جاں کے لیے

۹۔ ” سے کی وفا ہم سے تو غیر اس کو ہنفا کہتے ہیں

۱۲۔ ” سے ہم پر ہنفا سے ترک وفا کا گماں نہیں

۱۳۔ ” سے ملتی ہے خوے یار سے نار التہاب میں

۱۱۔ ” سے گل کے لیے کر آج نہ سخت شراب میں

— پہلا ایڈیشن ص ۲۵ غزل میں ایک شعر کا اضافہ ہوا

” سے محابا کیا ہے امیں فاسق، ادھر دیکھ

۱۔ شہیدانِ ننگہ کاخوں بہا کیا

— پہلا ایڈیشن ص ۲۹۔ غزل میں ایک شعر کا اضافہ

” سے خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی

۱۔ ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

— یہ شعر دیوان میں بڑھایا گیا ہے

سیاہی جیسے گر جاوے دم تحریر کا غنڈہ پر

۱۔ مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہلے ہجران کی

(دوسرے ایڈیشن میں سہواً ہجران کی جگہ بیجاں چھپ گیا ہے)

— پہلا ایڈیشن ص ۹۵۔ ”منتخب قصیدہ منقبت علی مرتضیٰ“

علیہ السلام۔ اس سے ۳ شعر حذف کر دیے گئے تھے اب وہ

دوسرے ایڈیشن میں بحال کر دیے گئے ہیں۔ محذوف اشعار

کے شروع کے لفظ یہ ہیں (۱) وہ شہنشاہ (۲) فلک العرش (۳) سبزو جہن

میزان اشعار موجود اصل دیوان ہوے
میزان اشعار (پہلا ایڈیشن)
دیوان غالب (دوسرا ایڈیشن کے کل اشعار)

۶۷
۱۰۹۱
۱۱۵۸

(۳)

- (ا) یہ ایڈیشن (تیسرا) درمیان احمدی باہتمام اموجان طبع ہوا تھا۔ دیباچے میں کوئی ترمیم نہیں۔
- (ب) تقریباً سترہ ۱۷۷۱ء میں کر دیا گیا ہے اور تعداد اشعار ۱۶۹۵ تک گئی ہے حالانکہ صحیح تعداد ۱۷۹۶ ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔
- (ج) تقریباً کے بعد نواب ضیا الدین احمد خاں (جنہیں اس دیوان میں کم از کم دو بار نواب محمد ضیا الدین خاں لکھا ہے) کا قطعہ تاریخ انطباع دیوان ہے۔
- ہوا ہے حضرت غالب کا منقطع دیوان
یہی کتاب ہے جس میں کہ استادانہ
بنائے ریختہ استاد نے ڈال ہے
زمین شرمیں اترا ہے لشکرِ اسیات
بنائے ریختہ ایک اور دوری تانیا
صلائے فیض بگویندگان ریختہ ہے
بیان ریختہ ہے لہ زبان ریختہ ہے
اسی سے قائم اساک بہان ریختہ ہے
سویہ رسالہ نامی نشان ریختہ ہے
بدین تیر و خشاں بیان ریختہ ہے

ایک اور قطعہ تاریخ درج ہے جو مرزا یوسف علی خاں عزیز شاگرد غالب کا طبع زاد ہے۔

سرورِ مہن فضل محمد حسین خاں
کہتے ہیں شہزاد سمجھتے ہیں شہزاد خوب
چھاپا انھوں نے حضرت غالب کا کلیات
غالب کا میرزا اسد اللہ خاں ہے نام

میں رونق بہارِ گلستان ریختہ
عقینے تخلص اور زباں دان ریختہ
وہ کلیات جس سے بڑھے شان ریختہ
ہے واقعی وہ شیرِ غریستان ریختہ

لکھی غزلیں خستہ نے تاریخ الطبع حاشد کے سر کو کاٹ کے دیوان ریختہ

عبارت خاتمہ دیوان۔ ”داد کا طالب غالب، گزشتہ کرتا ہے کہ یہ دیوان اردو تیسری بار چھاپا گیا ہے۔ مخلص و داد آئین میر قمر الدین کی کار فرمائی اور خان صاحب الطاف نشاں محمد حسین خاں کی دانائی مقتضی اس کی ہوئی کہ دس جزو کا رسالہ ساڑھے پانچ جزو میں منطبع ہوا۔ اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں، لیکن ہر کاپی میری نظر سے گزرتی رہی ہے اور اغلاط کی تصحیح ہوتی رہی ہے۔ یقین ہے کہ کسی جگہ حرف غلط نہ رہا ہو۔ مگر ہاں ایک لفظ میری منطق کے خلاف نہ ایک جگہ بلکہ سو جگہ چھاپا گیا ہے۔ کہاں تک بدلتا؟ ناچار جا بجا یونہی چھوڑ دیا۔ یعنی ”کسو“ بکاف مکسور و سین مصنوم و واو معروف۔ میں نہیں کہتا کہ یہ لفظ صحیح نہیں۔ البتہ فصیح نہیں۔ قافیہ کی رعایت سے اگر لکھا جائے تو عجیب نہیں، اور نہ فصیح بلکہ افصح کسی ہے۔ واو کی جگہ یا ئے تختانی۔ میرے دیوان میں ایک جگہ قافیہ ”کسو“ بہ واو ہے اور سب جگہ ”کسی“ بہ یا ئے تختانی ہے۔ اس کا اظہار ضرور تھا۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ کیا آشفقہ بیانی ہے؟ الشدیس، ماسولے ہوس۔“

آگے یہ عبارت درج ہے۔

”منطبع احمدی میں واقع دلہای اموجان کے اہتمام سے مئی ۱۹۰۵ء

عمر الحرام ۱۲۷۸ھ ہجری کو مبلوع ہوا۔“

(د) معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳-۵۴) میں جب غالب نے اپنے دیوان کے تیسرے

ایڈیشن کے لیے مسودہ تیار کیا تو جیسا کہ تقریظ میں لکھا گیا، مندرجہ اشعار کی تعداد

۱۶۹۰ اور چند تھی۔ پھر جب انھوں نے ۱۲۷۱ھ (۲۴ ستمبر ۱۸۵۴ء تا ۱۳ ستمبر ۱۸۵۵ء)

میں یا اس کے کچھ عرصے بعد اپنا دیوان نواب یوسف علی خاں ناظم والی رام پور کو

تختے میں بھجوا۔ تو اس میں ۱۷۹۵ اشعار درج کیے گویا ۱۰۴ اشعار کا اضافہ کیا۔

(کیونکہ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ ”۱۶۹۰ اور چند“ سے مراد ۱۶۹۱ اشعار تھی)۔

جب اسی دیوان کی نقل نے کراچی اس میں زلی کا شعر

مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزم سیم بخف و طوف حرم ہے ہم کو

اضافہ کر کے اسے آخر جولائی ۱۸۶۱ء کو مطبع احمدی دہلی سے چھپوایا تو اس میں تعداد اشعار ۱۷۹۶ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام اشعار ۱۸۵۷ء یا اس سے پہلے کے کہے ہوئے ہیں اور جو اشعار ۱۷۹۰ء اور چند کی تعداد کی تحت میں آتے ہیں وہ تقریباً ۱۸۵۴ء کے وسط تک کہے جا چکے تھے۔ لہذا اضافہ (جو میری دانست میں مندرجہ بالا ایک شعر کے علاوہ ۱۰۴ اشعار کا ہے) ذیل کے کلام پر مبنی ہے:

۳۰ شعر	۱۔ شہنشاہِ آسماں	قطعہ
۷	نصرت الملک بہادر	”
۵	ہے چہار شنبہ	”
۲	سہل تھا سہل	”
۲	سیہ گلیم ہوں	”
۲	گو ایک بادشاہ	”
۳۳	ہاں دل دردمند	مثنوی
۲	ان سیم کے بیجوں	رباعی
۷	اعتقاد نہیں (قافیہ ردیف)	غزل
۴	کنشت کو (” ”)	”
۷	بہار آئی (” ”)	”
۳	شہر یار کی (” ”)	”
میزان ۱۰۴ شعر		

تقریب میں تاریخ تقریباً ۱۷۹۱ء (۱۱۵۴/۵۵) کر دی ہے مگر تعداد اشعار وہی ”یک ہزار و شش و نو و پنچ و اند“ (پنج) اضافہ کاتب ہے لہٰذا جو حقیقت میں ۱۷۹۵ء + ۱۷۹۶ء ہے۔

(۴)

(۱) یہ ایڈیشن (چوتھا) ”مطبع نظامی واقع کانپور“ میں چھپا۔ دیباچے میں کوئی ترمیم نہیں۔

(ب) اس میں نواب غیا الدین احمد خاں کی لکھی ہوئی تقریظ شامل نہیں۔

(ج) خانۃ المطبع کی عبارت یہ ہے۔

”بخدمت ارباب سخن عرض کرتا ہے۔ امیدوار رحمت و عفو ان محمد عبدالرحمن

بن حاجی محمد روشن خان طیب اللہ شہزادہ کراچی سے پہلے دیوان بلاغت

نشان جناب نواب اسد اللہ خاں غالب کا دہلی میں چھپا لیکن بسبب

سہو و نسیان کے بعض مقام میں تغیر و تبدل ہوا۔ اس لیے جناب مجمع

لطف بکراں محمد حسین خاں صاحب دہلی نے بعد نظر ثانی اور تصحیح

جناب مصنف کی ایک نسخہ میرے پاس بھیجا لیکن نے بامقصد ایک زدی

مطابق اس نسخہ کے شہر ذی الحجہ ۱۲۷۲ ہجری مطبع نظامی واقع شہر

کانپور میں محنت تمام اور درستی کمال سے چھاپا امید کر جب ناظرین

اس کے مطالعہ سے علاوت سخن کی پائیں بہتم کو دعائے خیر سے

یاد فرمائیں۔ فقط۔“

پھر خواجہ طالب حسین طالب کے قطعہ تاریخ اور مسالکان مطبع کے دستخط اور مہر پر دیوان ختم ہوتا

ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

کیا ہی دیوان چھپا غالب کا دیکھ کر سب نے کہا خوب ہے۔

بسکہ ہر ایک کو مرغوب ہوا ٹھہری تاریخ کہ مرغوب ہے۔

(د) اس ایڈیشن میں سب ایڈیشنوں سے زیادہ شعر ہیں یعنی ۱۸۰۲ اشعار۔

میں نے ابھی ۱۹۸۷ء میں اس کا عکسی ایڈیشن ایک وضاحتی پیش لفظ کے ساتھ

شائع کر دیا ہے۔

(۵)

(۱) اس ایڈیشن (پانچویں) کے سرورق کی عبارت یہ ہے۔

”
العلم قوۃ
دیوان غالب

مبلغ مفید خلایق اگرہ میں اہتمام سے منشی شیونارائن کے چھپا

دیباچہ مثل سابق ۔

(ب) تقریظ میں کوئی رد و بدل نہیں۔ تعداد اشعار ایک ہزار و سہ صد و نو رواند بتائی گئی

سے بسال تصنیف تقریظ ۱۲۷۱ھ ہے۔

(ج) خاتمۃ الطبع ندارد ۔

(د) صحیح تعداد اشعار ۱۷۹۵ ہے۔

غالب کی زندگی میں شائع ہونے والے یہ پانچویں ایڈیشن میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان کی حالت اطمینان بخش ہے مگر بعض مقامات دیکھ چاٹ گئی ہے اور بعض اور ارق کے کچھ حصے ضائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے گزارش ہے کہ اگر کوئی صاحب میری وی ہوئی معلومات سے پورے طور پر مطمئن نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلوبہ معلومات میری دسترس سے باہر ہیں۔

توقیت غالب

میرزا قوتان بیگ خان — غالب کے دادا کی سمرقند سے ہندوستان میں آمد چند سے لاہور میں رہے، محمد شاہ (شاہ عالم کی شہزادی) کے عہد میں دلی پہنچے۔ شاہی ملازم پھر مستعفی ہو کر مہاراجہ جے پور کے ہاں نوکری — آگرہ میں قیام۔

۱۷۵۰ء
تقریباً

قتیل کی ولادت شاہجہان آباد میں

۱۷۵۸-۵۹

(محمد) اسد اللہ (بیگ) خان (غالب) کی آگرہ میں ولادت [قوتان بیگ خان کے بڑے بیٹے عبداللہ بیگ خان کا نکاح آگرہ کے ایک امیر فوجی انس خواجہ غلام حسین خان کی بیٹی عزت النساء بیگم سے ہوا۔ یہ اسد اللہ بیگ خاں غالب کے والدین تھے]

۱۷۹۷ء (۲ دسمبر)

ٹیپو سلطان کی شہادت

۱۷۹۹ء (۱۷ مئی)

یوسف علی بیگ خان (غالب کے چھوٹے بھائی) کی ولادت

۱۸۰۰-۱۷۹۹ء

سال ولادت لادو بیگم زوجہ مرزا یوسف (برادر غالب)

۱۸۰۲

۱۸۰۳ء

میرزا عبداللہ بیگ خان (غالب کے والد) کا ریاست الوری ملازمت میں انتقال سے

کافی بود مشاہدہ، شاہد ضرورت

در خال راج گرہ پدوم رالود مزار (غالب)

اسد اللہ بیگ خان اور ان کے خاندان کا نصر اللہ بیگ خان (عب اللہ بیگ خان کے بھائی) کی سرپرستی میں آنال نصر اللہ بیگ خان مرٹوں کی طرف سے آگرے کے قلعہ دار تھے۔ ۱۸۰۳ء میں انھوں نے قلعہ لاٹویک کے حوالے کر دیا۔ اس پر وہ انگریزی فوج میں سترہ سو شاہرے پر ۴۰۰ سواروں کے رسالہ دار مقرر ہو گئے۔

آگرہ پر انگریزوں کا قبضہ

۱۸۰۳ء (۱۸ اکتوبر)

نصر اللہ بیگ خان کا ہاتھی سے گرجانے سے زخمی ہونا اور انتقال (نواب احمد بخش خان وللی فیروز پور جگر کا لوہارو کی ہمشیرہ نصر اللہ بیگ خان کے عقد نکاح میں تھی)

۱۸۰۴ء (۱۶ اپریل)

احمد بخش خان کی سفارش پر انگریزوں کی طرف سے نصر اللہ بیگ خان کے پس ماندگان کا وظیفہ دس ہزار روپیہ (پہلا شقہ)

۱۸۰۴ء (۱۸ مئی)

(اس وظیفہ میں نصر اللہ بیگ خان کی والدہ، تین بہنیں، اسد اللہ بیگ خان اور ان کے چھوٹے بھائی یوسف علی بیگ خان حصہ دار تھے)

وظیفہ کی رقم دس ہزار سے پانچ ہزار سالانہ کر دی گئی۔ (دوسرا شقہ)

۱۸۰۴ء (۷ جون)

غالب کا حصہ ساڑھے سات سو روپے سالانہ (اس شقہ کی رقم ایک شخص خواجہ حاجی بھی اس وظیفہ میں دو ہزار سالانہ کا حصہ دار قرار دیا گیا تھا)

جلال الدین شاہ عالم ثانی کا انتقال

۱۸۰۵ء (۲۸ نومبر)

معین الدین اکبر شاہ ثانی کی تخت نشینی

۱۸۰۶-۸
تقریباً

شعر گوئی کا آغاز - اسد خلیف
ایک اور شاعر میرانی اسد تھے۔ بچوں کو لوگ اس کا کلام ان سے منسوب
کرنے لگے تھے، انھوں نے اسد خلیف ترک کر کے (تقریباً ۱۸۱۶ء میں)
اس کی جگہ غالب کر دیا۔ تاہم کبھی کبھی اسد خلیف بھی روار کھا
قلندر بخش حرات کی لکھنؤ میں وفات

۱۸۰۹-۱۰

۱۸۱۰

اسد اللہ بیگ خان کی مولوی محمد معظم کے مکتب (آگرہ) میں تعلیم (بحوالہ
عیار الشعر از خوب چند ذکا، گلستان بے خیراں از قطب الدین باطن - بعد
میں عالی وغیرہ)

۱۸۱۰ (۱۹ اگست)

ابلی بخش خان معروف کی چھوٹی بیٹی امراؤ بیگم سے دہلی میں نکاح (ابلی بخش
خان، نواب احمد بخش خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ نکاح کے وقت غالب
کی عمر تیرہ سال کی تھی اور امراؤ بیگم کی گیارہ سال کی۔ معروف کا نام مکمل دیوان
چھپ چکا ہے، مکمل مخطوطہ میر کے کتب خانے میں موجود ہے)

۱۸۱۰ (۲۴ ستمبر)

۱۸۱۲-۱۳

میر تقی میر کی لکھنؤ میں وفات
غالب کی دہلی میں آمد اور مستقل سکونت

کسی بھی سال میں مرزا یوسف کی شادی (یقینی دن، تاریخ اور مہینہ - دو
شنبہ (۳۰ شنبہ ۶) ۲۶ شعبان

۱۸۱۳ (۱۹ اگست تا
۸ جولائی ۱۸۱۴)

غالب کی پہلی بہن (۱۲۳۱ھ) غالب کی عمر ۱۹-۲۰ برس کی تھی یعنی
ان کے عیش و نشاط کا زمانہ تھا۔

اسد اللہ خاں
مرزا نوشہ ۱۲۳۱ھ

۱۸۱۵-۱۶

اسد اللہ غالب
۱۲۳۱ھ

غالب کی دوسری بہن
(یہ دونوں بہنیں ایک ہی سال میں جنوائی گئیں)

اس بہن کی پناہ حضرت علی کا لقب ہے اور یہ بطور جمع ہے۔ بعد میں تبدیل خلیف

کے وقت کی جمع کام آیا اور اسد کی جگہ غالب تخلص قرار پایا۔

غالب تخلص کا باقاعدہ استعمال

انشاء کی لکھنویں وفات

غالب کی تیسری مہر

۱۸۱۶ء

۱۸۱۷ء (روایتی)

۱۸۲۲-۲۳ء

محمد اسد اللہ خاں
۱۲۳۸ھ

یہ مہر انیسویں صدی کے ربیع اول میں دہلی کے غلام میں ایک بہت بڑے مذہبی
مباحثے سے سید اشدہ رحمان کی دین ہے، جس میں فضل حق خیر آبادی کے اہلکار پر غالب
کو بھی ایک مثنوی کہنی پڑی تھی۔

مثنوی کی لکھنویں وفات

۱۸۲۲-۲۵ء

خواجہ حاجی کا انتقال (انتقال شاید ۱۸۲۵ء کے شروع میں ہوا ہوگا۔ ۲۸

اپریل ۱۸۲۸ء کی پینشن کی درخواست میں غالب نے لکھا ہے کہ خواجہ حاجی کا

انتقال تین برس ہوئے جذام کے مرض سے ہوا)

فیروز پور جہر کا کاسفر۔ نواب احمد بخش خاں کی خدمت میں بسلسلہ حق

پینشن۔ یہ بات حیرت لائے لونی کے انتقال (۱۵ جولائی ۱۸۲۵ء) سے

کچھ پہلے کی ہے۔

میرزا یوسف علی (لیگ) خاں کی شدید بیماری، دیوانگی کا آغاز

فرض خواہوں کے تقاضوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا

نواب احمد بخش خاں کے ساتھ ہجرت پور۔ کاسفر

مقتدرہ سپاریس مشکاف سے ملنا تھا۔

والپسی بر ایک لمبے عرصے تک فیروز پور جہر کا میں نواب احمد بخش خاں کے

ساتھ قیام

الہی بخش خاں معروف (غالب کے خسر) کا انتقال

۱۸۲۵ء (نویسہ دیکھو)

۱۸۲۵-۲۶ء

ایضاً

ایضاً

۱۸۲۶ء

۱۸۲۶ء (۱۲ اکتوبر) نواب احمد بخش خان کی فیروز پور جسر کا اور لوہارو کی حکومت سے دستبرداری
(نواب شمس الدین احمد خان والی ریاست)

۱۸۲۶ء (دسمبر) (۱) سفر کلکتہ کا آغاز۔ قرض خواہوں کے ڈر سے رتی نہ گئے اس لیے فیروز پور
جسر کا ہی سے سفر کلکتہ شروع ہو گیا

(ب) چونکہ نواب احمد بخش خان نے غالب کو سر چارلس مسکان سے نہ ملایا
اس لیے غالب مایوس ہو گئے۔ پھر گورنر جنرل کے ورور (کانپور میں) کی خبر
پھیلی۔ غالب نے سوچا کہ کانپور چلا جائے۔ وہاں سر چارلس مسکان بھی
ضرور جائیں گے، اس لیے واپسی پر ان کی معیت میں ان سے مل لوں گا
چنانچہ اس ارادے سے فرخ آباد اور کانپور کی طرف روانہ ہوئے مگر کانپور
میں صحت بیمار ہو گئے اور وہیں سے خاطر خواہ علاج نہ ہونے پر پاکی میں لکھنؤ
چلے آئے اور وہاں پانچ مہینے سے ادھر رہے۔ لکھنؤ کی آب و ہوا اس
نہ آئی، یہاں سے باندھ گئے اور تک بنگ چھ مہینے نواب باندھ کے کران
پر رہے اور شفا پائی

(ج) باندھ سے خشک کے راستے گھوڑے کی سواری سے کلکتہ کا سفر جاری
دو تین سالانہ ساتھ تھے

۱۸۲۷ء (اکتوبر) نواب احمد بخش خان کا انتقال۔ غالب کو یہ خبر سفر کلکتہ کے دوران میں
مرشد آباد میں ملی

۱۸۱۷-۲۸ء فاریبی ابن شعر گوشت کا بابا، اءدہ آغاز (اس سے پہلے کا سرایہ فارسی شعر ناقابل
اعتناء اور مقلد میں بہت کم ہے۔ گلِ عنایا میں شاعر فاریبی انتخاب اس پر
شاید نہ کرے کہ ۱۸۲۸ء (۱۲ مئی) تک ان کے پاس ۲۷ غزلیوں سے زیادہ کاری
کلام نہ تھا۔ اور وہ کبھی اس سفر کلکتہ کے دوران میں لکھا تھا۔ غالب کے قدیم
حریف قلی نسیم میں بھی اردو کا نو سکتل مرثیہ دیوان ہے مگر انہی کی صرف ۱۲ رباعیاں

ہیں۔

۱۸۲۸ (۲۱ فروری) کلکتہ میں ورود۔ اسی روز شملہ بازار (متقل حیت بازار میں گروانا) کے نزدیک

مزار علی صوفی گھر کی ہوٹلی میں رہنے کو مکان مل گیا

۱۸۲۸ (۲۹ اپریل)

پنشن کے مقدمے کا آغاز

(سرکاری درباروں میں کرسی نشینی کا آغاز۔ گل رزنا کی ترتیب و تدوین۔ یہ

اردو اور فارسی کلام کا انتخاب، انھوں نے اپنے کلکتہ کے ایک دوست مولوی

سراج الدین احمد کی فرمائش پر کیا تھا)

ایضاً

پنشن کی درخواست میں مذکور ہے کہ میرا نام محمد اسد اللہ خاں ہے (اس

کے سامنے وہ خط نام تفتہ بھی دیکھیے جس میں غالب نے لکھا ہے کہ وہ اب

’محمّد‘ کا لفظ مبارک اپنے نام کے ساتھ اس لیے نہیں گاتے کہ لوگوں نے

لکھنا ترک کر دیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے بھی موقوف کیا)

ایضاً

غالب نے درخواست میں لکھا کہ آج ان پیرس ہزار روپیہ قرض ہے

کوئی تین برس کی غیر حاضر کے بعد واپس۔ سفر کلکتہ ختم

۱۸۲۹ (۲۹ نومبر)

راجہ دارم سوہن، رائے کا سفر انگلستان

۱۸۳۰

نظیر اکبر آبادی کی وفات

” (۶ اگست)

مقدمہ پنشن خارج

۱۸۳۱ (۲۴ جنوری)

(اس کے بعد وہ اپیل کرتے رہے جس کا سلسلہ ۱۸۴۴ تک رہا۔ لیکن یہ

ابتدائی فیصلہ قائم رہا)

دیوان متداول (اردو) کی تاریخ ترتیب

۱۸۳۳ (۱۶ اپریل)

شیفٹہ کا، ذالکب سے پہلے پہل جان پہچان

۱۸۳۴ (تقریباً)

پہلی بار ہندوستان، مجسٹریٹوں کا تقریر، انگریزی عہد میں

ایضاً

کریم خاں داروغہ شاہ جس الدین خاں کی انتبا میواتی کے ساتھ دلی میں انگریزوں

۱۸۳۴ (۱۸ اکتوبر)

کے ایجنٹ ولیم فریزر کے قتل کیلئے دہلی میں آمد تین مہینے دہلی رہا مگر ناکام لوٹا۔ پھر دہلی واپس آیا۔

۱۸۳۵ء (۲۲ مارچ) ولیم فریزر کا قتل۔ کریم خان داروغہ لشکارہ نواب شمس الدین احمد خان کی گرفتاری
۱۸۳۵ء (۱۸ اپریل) نواب شمس الدین احمد خان کی الزام قتل میں گرفتاری
۱۸۳۵ء (۲۶ اگست) کریم خان کو بھرم قتل پھانسی کی سزا
۱۸۳۵ء (۸ اکتوبر) نواب شمس الدین احمد خان کو بالزام اعانت مجربانہ پھانسی
(اس پر فریوز پور بھکر کا علاقہ انگریزوں نے واپس لے لیا۔ اس کے بعد غالب کی ہشمن، ساڑھے سات سو روپے سالانہ ریاست لوہارو کی جگہ انگریزی نوابی سے ادا ہونے لگی)

۱۸۳۷ء شمالی ہند میں قحط
۱۸۳۷ء (۲۹ ستمبر) معین الدین اکبر شاہ ثانی کا انتقال
۱۸۳۷ء (۳۰ ستمبر) سراج الدین بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی
۱۸۳۷ء (۲۰ نومبر) راج دیوار سے فارسی زبان خارج کرنے کا حکم
۱۸۳۸ء ناسخ کا لکھنؤ میں انتقال
۱۸۳۸ء شاہ نصیر کا حیدر آباد میں انتقال
۱۸۳۹ء مہاراجا رنجیت سنگھ کا انتقال
۱۸۴۰ء (۹) غالب کی والدہ کی علالت اور انتقال

۱۸۴۱ء (اگست) (ایک فارسی تحریر کے پیش نظر وہ ۳۰ جنوری ۱۸۴۰ء تک زندہ تھیں)
دہلی کالج میں مدرس فارسی کے عہدے کی پیشکش اور غالب کا انکار
غالب کی گھر پر جو خانہ کے قیام میں گرفتاری
(عدالت نے سو روپے جرمانہ کیا، عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں چاہیہ
قبضہ جرمانہ ادا کر دیا گیا)

- ۱۸۴۱ (اکتوبر) دیوان اردو کا پہلا ایڈیشن (مطبع سید الانبیا دہلی)۔ اگرچہ دیوان ۱۸۲۳ میں مرتب ہو چکا تھا (بعد میں دوبارہ تراویک کو گونہ جزا، غزلت، ہفت پارچے اور ۳۰ رزم جواہر کا غالب کو انزاز)
- ۱۸۴۳ میر نظام الدین بختون کارٹی میں انتقال
- ۱۸۴۵ دیوان فارسی (مخاندان آرزو سرخجام) کا پہلا ایڈیشن (مطبع دارالسلام دہلی)
- ۱۸۴۵-۴۶ دیوان ۱۸۲۵ میں مرتب ہو چکا تھا سکھوں اور انگریزوں کی پہلی لڑائی
- ۱۸۴۶ غالب کا پہلا اردو خط (بنام نقشبند)
- ۱۸۴۶ (پیشوا) کا لکھنؤ میں انتقال
- ۱۸۴۶ زمین عابدین خان عارف کے بیٹے باقر علی خان کی پیدائش
- ۱۸۴۶ دیوان اردو کے دوسرے ایڈیشن کا شائع (مطبع دارالسلام دہلی)
- ۱۸۴۶ گھر جواہر خانہ قائم کر کے ازہم اور غالب کی دوبارہ گرفتاری (فیصلے میں پچھ ماہ قید، پامشقت اور دو سو روپیہ جرمانے کی سزا ہوئی۔ مشقت غالب پاپا اور بے ادا کر کے معاف ہو گئی۔ وہ صرف تین ہسینے قید میں رہے اس کے بعد رہائی ہو گئی)
- ۱۸۴۸ غالب کا پہلا اردو خط (بنام نبی بخش حسیں تاریخ کے ساتھ)
- ۱۸۴۸-۴۹ سکھوں اور انگریزوں کی دوسری لڑائی
- ۱۸۴۹ (اگست) بیچ آہنگ (فارسی) کا پہلا ایڈیشن (مطبع سلطان، لال قلعہ دہلی)
- ۱۸۵۰ زمین عابدین خان عارف کے چھوٹے بیٹے حسین علی خان کی پیدائش
- ۱۸۵۰ (جولائی) تیموری خاندان کی تاریخ (مہر نیمروز) لکھنے پر مقرر، خلعت اور خطاب بحکم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ

(تاریخ نویسی کی تنخواہ چھ سو روپیہ سالانہ مقرر ہوئی)

حافظ عبدالرحمن خان (حافظ جیو) احسان دہلوی کا دہلی میں انتقال

۱۸۵۱-۵۲

ایضاً

بزم الدولہ دہلی کے مالک مسدود الشفا

بہادر نظام جنگ ۱۲۶۷ھ

غالب کی چوتھی مہر

غالب کو یہ خطاب بہادر

شاہ ظفر نے ۳ جولائی ۱۸۵۰ء کو دیا۔ جو ۲۳ شعبان ۱۲۶۶ھ کے مطابق ہے۔ مہر ۱۲۶۷ھ میں بنوائی گئی۔ جو ۶ نومبر ۱۸۵۰ء سے شروع ہوتا ہے۔

زین العابدین خان عارف (امراؤ بیگم کے بھائی) کی وفات

۱۸۵۲ء (اپریل)

(عارف کی وفات کے بعد ان کے دونوں لڑکوں کو امراؤ بیگم نے پالا) فرما رہا

غالب کے قریب کوئے میں ہے۔

مومن کا دہلی میں انتقال۔

۱۸۵۲ء (۱۲ مئی)

۱۸۵۲-۵۳

یا اسد اللہ الغالب
۱۲۶۹ھ

غالب کی پانچویں مہر

غالب حضرت علی کو مشکل کشا مانتے تھے شاید یہ سہراں کے سقیم حلات کی نشاندہی کرتی ہے

پنج آہنگ کا دوسرا ایڈیشن (مطبع دارالسلام، دہلی)

۱۸۵۳ء (اپریل)

بیبی سے تھانہ (مہاراشٹر) تک پہلی ریلوے لائن

۱۸۵۳ء

کلکتہ سے آگرہ تک ٹیلی گراف

۱۸۵۳ء

حالی پہلی مرتبہ دہلی آئے۔ بھر ۱۷-۱۸ برس

۱۸۵۴ء

ڈیڑھ برس کے بعد اواخر ۱۸۵۵ء میں واپس پانی پت

سال بھر حصار میں ملازمت کی

شیخ محمد ابراہیم ذوق (استاد ظفر کا انتقال)

۱۸۵۴ء (۱۵ نومبر)

غالب استاد ظفر

۱۸۵۴-۵۵

- ۲۱۸۵۴-۵۵' مہر نیریز کی طبابت و اشاعت (محرر المطابع، دہلی)
(یہ اسی سال میں کم از کم تین بار چھپی۔ یہ سب ایڈیشن جو پہلا ایڈیشن
یہی کہلاتے ہیں۔ میرے کتب خانے میں موجود ہیں)
- ۲۱۸۵۶ قادر ناسرہ کی اشاعت اول (مطبع سلطان لال قلعہ دہلی)
(یہ نظم غالب نے عارف کے دونوں سچوں کو فارسی اور اردو پڑھانے
کے لیے لکھی تھی)
- ۲۱۸۵۴ الحاق اور دھ
۲۱۸۵۴ غلام محضر الدین عزت مرزا محزو (ولی عہد بہادر شاہ ظفر) کا انتقال
(۲۱ جولائی)
۱۸۵۴ غالب نے مولانا افضل حق خیر آبادی کی تحریک پر والی رام پور نواب محمد
(۱۸ جنوری)
یوسف علی خاں کی خدمت میں مقیدہ بھیجا
۲۱۸۵۴ غالب کا تقریر بطور استاد نواب یوسف علی خاں ناظم والی رام پور
(۵ جنوری)
۱۸۵۴ غالب کے رازداریانہ خطوط بنام والی رام پور
(اپریل)
قوی گان ہے کہ یہ سیل اسور پر مشتمل تھے۔ اس لیے غالب کی ہدایت پر یہ
خطوط شائع کر دیے گئے
- ۲۱۸۵۴ سنہ اٹھارہ سو ستاون کے ہنگامے (غدر) کا میرٹھ میں آغاز
(۱۱ مئی)
۱۸۵۴ ویسی فوج (ہنگو) کا دہلی میں داخلہ: انگریزی تسلط کا خاتمہ، ویسی اقتدار
(۱۱ مئی)
کا قیام: غالب کی قلعہ کی تمغوں اور انگریزی نشین بند
انگریزوں کی فتح اور دہلی پر دوبارہ قبضہ
۲۱۸۵۴ غدر کے بعد دہلی پر دوبارہ انگریزی قبضے کے دوران امام بخش مہبائی
(۲۰ ستمبر)
۱۸۵۴ انگریزوں کی گولی کا نشانہ ہوئے
- ۲۱۸۵۴ میرزا یوسف علی (سیک) خاں (برادر غالب) کی وفات (وہ انگریز
(۱۱-۱۲ اکتوبر)
کی گولی کا نشانہ بنے، اگرچہ غالب نے مصلحتاً لکھا ہے کہ وفات بخار سے ہوئی)

- ۱۸۵۸ (نمبر) دستبنو کی اشاعتِ اول (مطبع سفید خلائق، آگرہ)
- ۱۸۵۹ سکہ کا الزام - خط بنام حسین مرزا، نوشتہ ۱۸ جون ۱۸۵۹ء -
- لیکن گوری شکر مخبر نے سکہ کی رپورٹ (نسوبہ غالب) ۱۹ جولائی ۱۸۵۷ء
- ۱۸۵۱ (۲۰ جولائی) والی رام پور سے مستقل وظیفے کا درخواست اور اسی پرینے سے سو روپے ہینہ بطور وظیفہ مقرر
- ۱۸۶۰ (جنوری) گورنر جنرل کی یکم جنوری ۱۸۶۰ء کو دئی میں آمد -
- غالب ان سے ملنے ان کا قیام گاہ پر گئے۔ جواب ملا کہ "فرصت نہیں" اور کہ تم باغیوں سے اسلا مس رکھتے تھے
- حقیقت یہ تھی کہ یہ سکہ حافظ ویران شاگرد ذوق کا کہا ہوا تھا جو صادق الاخبار کے ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ (مطابق ۶ جولائی ۱۸۵۷ء) کے شمارے میں شائع ہوا تھا
- ۱۸۶۰ (۱۹ جنوری) رام پور کا پہلا سفر - ۲۷ جنوری کو رام پور پہنچے -
- ۱۸۶۰ (۲۴ مارچ) رام پور سے واپسی - (۱۷ مارچ کو رام پور سے روانہ ہوئے تھے)
- ۱۸۶۰ (مئی) انگریزی منشن کا دوبارہ اجراء -
- (تین برس کا بقایا ساڑھے سات سو سالانہ کے حساب سے ۲۲۵۰ روپے وصول ہوا)
- ۱۸۶۱ (۱ جولائی) دیوان اردو کاغذ سرائیڈیشن (مطبع احمدی، دہلی)
- ۱۸۶۱ (۱ اگست) مولانا فضل حق خیر آبادی کا جزیرہ انڈیمان میں انتقال
- ۱۸۶۱-۶۲ غالب کی چھٹی ہجر غالب یہاں سے غالب کی زندگی کا انتہائی شہرت کا زمانہ شروع ہوتا ہے - یہ مختصر علم ان کی انا کا نقطہ عروج ہے - سات سال بعد ان کا انتقال ہوا - یہ ان کی آخری ہجر

تھی گویا انکی انا کا مظاہرہ ان کے انتقال تک پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا۔

- ۶۱۸۶۲ قاطع برہان کی طبع اول (مطبع نو کشور، لکھنؤ)
- ۶۱۸۶۳ (نارچ) انگریزی درباروں میں کرسی نشینی اور خلعت کے اعزاز کا دوبارہ اجراء۔
- ۶۱۸۶۴ (جون/جولائی) دیوان اردو کا چوتھا ایڈیشن (مطبع نظامی، کان پور)
- ۶۱۸۶۴ (ریگم اکٹوبر) لاڈ و بیگم بیوہ مرزا یوسف کی حکومت سے درخواست، گزراہ کے لیے
- ۶۱۸۶۴ دیوان اردو کی پانچویں اور آخری اشاعت (مطبع مفید خلائق، آگرہ)
- ۶۱۸۶۳ (جولائی) یکم اکتوبر ۱۸۶۲ء سے ۲۰ روپے مہینہ خیراتی پنشن بنام لاڈ و بیگم زوجہ
- مرزا یوسف مرحوم، جاری
- ۶۱۸۶۳ (مئی/جون) دیوان فارسی (کلیات نظم فارسی) کا دوسرا ایڈیشن (مطبع نو کشور، لکھنؤ)
- ۶۱۸۶۴ مثنوی ابرہ گہر بارگی اشاعت (اکمل المطابع، دلی)
- (یہ مثنوی کلیات نظم میں شامل تھی لیکن اب الگ سے شائع ہوئی)
- ۶۱۸۶۴ قاطع برہان کے جواب میں محرق قاطع برہان مصنفہ سید سعادت علی کی
- اشاعت (مطبع احمدی، دلی)
- ۶۱۸۶۴ قادر نامہ کی دوسری اشاعت (مجلس پریس، دلی)
- ۶۱۸۶۳ محرق قاطع برہان از سید سعادت علی کی اشاعت۔
- ۶۱۸۶۴ لطائف غیبی (اگرچہ نام میاں داد خاں سیاح کا ہے مگر اس کے اصل
- مصنف غالب ہی ہیں)
- ۶۱۸۶۵ واقع ہریان مصنفہ سید محمد یحییٰ علی جمہری کی اشاعت
- ۶۱۸۶۵ سوالات عبد الکریم از عبد الکریم کی اشاعت (اکمل المطابع، دلی)
- (دوسرے کے نام سے شائع ہوئی لیکن یہ بھی غالب کی اپنی تصنیف ہے)
- ۶۱۸۶۵ ساطع برہان از مرزا رحیم بیگ رحیم میرٹھی کی اشاعت

۱۸۶۵ء

غالب نے حکومت سے تین مطالبے کیے کہ انھیں شاعر دربار مقرر کیا جائے
پہلے سے اونچی جگہ ملے اور دستبند حکومت اپنے خرچ پر شائع کرے۔
حکم ہوا کہ تحقیقات کی جائے کہ غدر میں غالب کا رویہ کیا تھا۔ رپورٹ
ہوئی کہ ان سے سکہ منسوب ہے۔ سب درخواستیں رد ہو گئیں۔

غالب پر سکہ کا الزام ان کی زندگی میں غلط ثابت نہ ہو سکا۔
نواب یوسف علی خان دانی رام پور کا انتقال، نواب گل علی خان کی جانشینی
غالب کے رسالے نامہ غالب، جواب ساطع برہان کی اشاعت
(مطبع محمدی، دہلی)

۱۸۶۵ء (۲۴ اپریل)

۱۸۶۵ء (اگست)

میرزا غالب کا رام پور کا دوسرا سفر

۱۸۶۵ء (۷ اکتوبر)

۱۲ اکتوبر کو رام پور پہنچے

دستبند کا دوسرا ایڈیشن (مطبع طہری سوسائٹی روہیل کھنڈ بریلی)

۱۸۶۵ء

برطانوی ہند کا یورپ کے ساتھ ٹیکس گرانٹ کے ذریعہ براہ راست رابطہ
قاطع برہان کی طبع ثانی بعنوان درفش کاویانی کی اشاعت (اکمل المطابع
دہلی)

۱۸۶۵ء

۱۸۶۵ء (دسمبر)

رام پور کے دوسرے سفر سے واپسی

۱۸۶۵ء (دسمبر)

(۲۸ دسمبر کو رام پور سے روانہ ہوئے اور ۸ جنوری ۱۸۶۶ء کو دہلی

پہنچے)

قاطع برہان کے جواب میں مؤید برہان مصنفہ مولوی احمد علی احمد

۱۸۶۶ء

جہانگیر نگری کی اشاعت (مطبع منظر العجب بکھلتے)

قاطع برہان کے جواب میں قاطع القاطع مصنفہ امین الدین امین دہلی

۱۸۶۶ء

کی اشاعت (مطبع مصطفائی دہلی)

دعائے صباح۔ فارسی منظوم ترجمہ (مطبع نوکشور لکھنؤ)

۱۸۶۷ء (۹)

(اس کا آج تک ایک ہی مطبوعہ نسخہ دریافت ہوا ہے جو یہ کتب خانے میں ہے)

تیغ تیز کی اشاعت (اکمل المطابع دہلی)

۱۸۶۷ء

(غالب نے یہ مختصر رسالہ تویذ برہان کے جواب میں لکھا تھا)

نکات غالب و رتعات غالب کی اشاعت (مطبع سراجی دہلی)

۱۸۶۷ء (فروری)

پنجاب کے محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر میجر کلر نے رائے بہادر ماسٹر

پیارے لال کو حکم دیا کہ غالب سے فارسی قواعد سے متعلق

کتاب لکھوائی جائے۔ ماسٹر صاحب موصوف کے کہنے پر میرزا

نے یہ دو مختصر رسالے قلمبند کیے

ہنگامہ دل آشوب (۱) کی اشاعت (مطبع منشی سنت پرشاد آراء)

۱۸۶۷ء (۱۱ اپریل)

(قانع برہان کے مناقشہ کے سلسلے کے منظومات)

سبد چین کی اشاعت (مطبع محمدی، دہلی)

۱۸۶۷ء (اگست)

ہنگامہ دل آشوب (۲) کی اشاعت (مطبع منشی سنت پرشاد آراء)

۱۸۶۷ء (۲۵ ستمبر)

مولوی امین الدین دہلوی مصنف ساطع برہان کے خلاف مقدمہ

۱۸۶۷ء (۲ دسمبر)

ازالہ حیثیت عرفی

کلیات نثر فارسی (غالب) کی اشاعت (مطبع نو لکھنؤ لکھنؤ)

۱۸۶۸ء (جنوری)

(اس میں فارسی نثر کی تین کتابیں پنج آہنگ، مہر نیمروز، و متنبو شامیں)

مولوی امین الدین دہلوی کے مقدمے سے دست برداری،

۱۸۶۸ء (۲۳ مارچ)

راضی نامہ

مفتی محمد صدیق الدین آزرہ کا دہلی میں انتقال

۱۸۶۸ء (۱۷ جولائی)

عودِ مہدی، مجموعہ مسکاتیب غالب کی پہلی اشاعت (مطبع مجتہبی، میرٹھ)

۱۸۶۸ء (۱۷ اکتوبر)

غالب کی وفات بستی نظام الدین، خاندانِ لوبارو کی ہڑواڑ میں تدفین۔

۱۸۶۹ء (۱۵ فروری)

(اگرچہ بہت دن سے مختلف اراضی کا شکار تھا، لیکن موت سے چند دن پہلے غشی کے دوپہر پڑنے لگے تھے۔ ۱۴ فروری دوپہر کو بے ہوش گئے۔ تشفی ہوئی کہ دماغ پر فوج گرا ہے۔ اسی حالت میں اگلے دن دوپہر ڈھلے انتقال کیا۔ آفسری وظیفہ بابت جنوری ۱۸۶۹ء منجانب نواب رام پور غالب کی وفات سے صرف ایک گھنٹہ پہلے موصول ہوا تھا)

۱۸۶۹ء (ماچ) اردو معنی (مجموعہ مکاتیب اردو) کی پہلی اشاعت (کامل المطابع دہلی)

۱۸۶۹ء (ستمبر-اکتوبر) نواب معظنی خان شیفتہ کا انتقال شمشیر تیز تر از مولوی احمد علی احمد جہانگیر گری کی اشاعت (مطبع بنوی، کلکتہ) ۱۸۶۹ء

(یہ قاطع برہان کے سلسلے کی آخری کتاب غالب کی تصنیف تیغ تیز کے جواب میں ہے جو میرزا کی وفات کے بعد شائع ہوئی، اگرچہ اسکی طباعت ان کی زندگی میں شروع ہو چکی تھی)

۱۸۷۰ء (مئی-فروری) بیگم غالب اسراؤ بیگم کا انتقال (مزار غالب کی مشرقی دیوار کے باہر کی طرف مدفون ہیں)

۱۸۷۳ء حکیم آغا جان عیش کا دہلی میں انتقال

۱۸۷۶ء (۲۵ مئی) باقر علی خان (فرزند اکبر زین العابدین خان عارف) کا انتقال فارسی میں تخلص باقر تھا اور اردو میں کامل۔ مدفن سلسلہ ان جی

۱۸۸۰ء (ستمبر) حسین علی خان، زین العابدین خان عارف کے بیوٹے بیٹے
میں حضرت محبوب اللہ کی پابنتی قاسم جانیوں کی ہڑداری میں ہے
کا انتقال اردو میں شاداں متخلص کرتے تھے، فارسی میں
خیالی؟

۱۹۴۵ء (مئی) منظم زمانی بیگم عرف بگیا بیگم زوجہ باقر علی خاں کاکل (فرزند
اکبر زین العابدین خان عارف) کا انتقال
(بگیا بیگم ۱۲ سال کی عمر میں کاکل کی دہن بن کر مرزا غالب کے
گھر میں آئیں۔ ۲۴ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔ اور ۶۹ سال
بیوگی کے عالم میں گزار کر پھر ۹۳ سال فوت ہوئیں۔ نوالدین علی
احمد مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند ان کے نواسے تھے)



دیوانِ غالب (کامل)



تاریخی ترتیب سے



۱۸۰۶ء تا ۱۸۱۲ء (۹)

متفرق

عمدہ منتخبہ

(تذکرہ سرور)

۱-۱۸۰۰ء تا ۳۲-۱۸۳۱ء

عیار الشعراء

(تذکرہ خوب چند ذکاء)

۹۹-۱۷۹۸ء تا ۳۳-۱۸۳۲ء

مثنوی

تقریباً ۱۸۰۷ء

ایک دن، مثل تنگ کاغذی
خود بخود کچھ ہم سے کھینچ لگا
میں کہا "اے دل! ہواے دلبراں
پیچ میں ان کے نہ آنا، زنیہار
گو بے پنڈے پروا نہ کر، ان کے نظر
اب تو مل جائے گی تیری ان سے مانٹھ
سخت مشکل ہوگا سلیماناً تجھے
یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے
ایک دن تجھے کو لڑا دیں گے کہیں
دل نے سن کر کانپ کر، کھایا چڑا
لے کے، دل، مسرشتہ آزادگی
اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
بس کرتیرے حق میں کہتی ہے زباں
یہ نہیں ہیں گے سو کے یار غبار
کھینچ لیتے ہیں یہ، دورے ڈال کر
لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ
قہر ہے، دل ان سے اُلجھنا نا تجھے
بھول مت اس پروا اڑاتے ہیں تجھے
مفت ہیں ناحق کٹا دیں گے کہیں
غوطے میں جا کر، دیا کٹ کر جواب

”رشتہ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست“

تغییل کے لیے دیکھیے 'غالب کا اولیں منظوم کلام' ص ۲۶

قطعات

● تقریباً ۱۸۱۰ء

اٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ میں، بوش و ہشت میں
 پھرا آسیدہ ستر، گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے
 نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروحِ سر بستہ
 چلتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے
 کہا میں نے کہ 'او گستاخ، آخر ماجرا کیا ہے؟'
 پڑا ہے کام تجھ کو کس ستمگر آفتِ جاں سے
 ہنسا کچھ کھل کھلا کر پہلے، پھر مجھ کو جو پہچانتا
 تو یہ رویا کر جوئے خوں بھی یلکوں کے دلاں سے
 کہا: 'میں صید ہوں اس کا کہ جس کے دام گلیوں میں
 پھنسا کرتے ہیں طائرِ روزِ آکریاغِ رضواں سے
 اسی کے زلف و رخ کا دھیان ہے شام و سحرِ تجھ کو
 نہ مطلبِ کفر سے ہے، اور نہ ہے کچھ کام ایماں سے
 پرچشمِ غورِ جو دیکھا، مرا ہی طائرِ دل تھا
 کہ جل کر ہو گیا یوں خاکِ میری آہ سوزاں سے

را تعفیل کے لیے دیکھیے 'غالب کے بعض غیر متداول اردو اشعار کا زمانہ فکر' ص ۵۴ تا ۸۴

● تقریباً ۱۸۱۰ء

ایک اہل درد نے سُنسان جو دیکھا قفس
یوں کہا: ”آتی نہیں کیوں اب صدائے ندیب؟“

بال و پر دو چار دکھلا کر، کہا صیاد نے
”یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب“

● غزلیات ۱۸۱۲ء

نیازِ عشقِ خرمین سوزِ اسبابِ ہوس بہتر جو، ہو جاوے نثارِ برقِ مشتِ خاروں بہتر“

● ۱۸۱۲ء

یاد آیا جو وہ کہنا کہ نہیں، واہ غلط،
کی، تصور نے بہ صحرائے ہوس راہ، غلط“

● ۱۸۱۲ء

آئے میں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک
لایا ہے لعلِ بیش بہا، کاروانِ اشک“

۱. تفہیم کے لیے دیکھیے: غالب کے بعض غیر متداول اردو اشعار کا زمانہ فکر، ص ۲۸ تا ۲۹
۲. ۳۶۔ تفہیم کے لیے دیکھیے: عمدہ منتخبہ میں ذکرِ غالب، ص ۳۳

ظاہر کرے ہے جنبشِ مژگاں سے مددِ عا
طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارہ، زبانِ اشک

میں واہیِ طلب میں ہوا جسدِ تنِ عرق
از بسکہ صرف قطرہ زنی تھا بسانِ اشک

رونے نے طاقت اتنی نہ چھوڑی کہ ایک بار
مژگاں کو دوں فشارِ پیہر امتحانِ اشک

دلِ خستگان کو ہے طربِ صدِ چین بہار
باغِ بخولِ پیدن، و آبِ روانِ اشک

سیلِ بنائے، سستیِ شبنم ہے، آفتاب
چھوڑے نہ چشم میں، تپشِ دل، نشانِ اشک

ہنگامِ انتظارِ قدومِ بتاں، اسد
ہے برسرِ مژہ نگراں، دید بانِ اشک

● تقریباً ۱۸۱۲ء

نسخہ سوزشِ دل، درخورِ عناب نہیں
سرِ سودا زردہ، آتشکدہ تاب نہیں

! تفصیل کے لیے دیکھیے غالب کے بعض غیر متداول اشعار کا زمانہ فکر ص ۵۱

ہمت و حوصلہ شورشِ شبِ نیم معلوم
 قلزمِ اشک، نیم دیدہ خواب نہیں
 پرستشِ عشق سے ہے آنکو فراغت مقصود
 ہدیہ پارہ دل، نازشِ جلیباب نہیں
 ہمت و شوقِ طلبِ گاری مقصود کہاں؟
 برق، نعر من زنِ بیتابی سیاب نہیں
 گلشنِ ہستی عالم ہے دبستانِ نشاط
 نقشِ گل، رونقِ بے مشقی طلاب نہیں

۱۸۱۲ء

آنسو کہوں کہ، آہ، سوارِ ہوا کہوں؟
 ایسا عینا گسینہ آیا کہ کیا کہوں؟
 عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آسکا م
 گر ایک ادا ہوا تو اسے اپنی قضا کہوں
 حلقہ، میں چشمِ ہائے کشادہ بسوے دل م
 ہر تارِ زلفِ کمرِ بچہ سرمہ سا کہوں
 میں اور صد ہزار نوے جگر خراش م
 تو اور ایک وہ نشیدن کر کیا کہوں!
 ظالم، مرے گماں سے مجھے منفعیل نہ چاہ م
 ہے ہے! خدا نکر وہ، بکتے بے وفا کہوں

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے 'عمدہ' منقبت میں ذکرِ غالب' ص ۳۴ تا ۳۶

اقبالِ کلفتِ دل بے مدعا رسا
انخستہ کو داغِ سایہ بال ہما کہوں

مضنون وصل ہاتھ نہ آیا، مگر اُسے
اب طائر پریدہ رنگِ جفا کہوں

وزویدنِ دل ستم آمادہ ہے محال
بہرِ گمان کہوں کہ جو ہر تیغِ قضا کہوں

طرزِ آفرینِ نکتہ سرائی طبع ہے
آئینہ خیال کو طوطی نما کہوں

غالب، بے رتبہ فہمِ قصور سے کچھ پیسے
ہے عجبِ بندگی، کہ علی کو خدا کہوں

۱۸۱۲ء

شمعِ ساں، میں تہِ دامنِ صبا جاتا ہوں^۱
جس گزرِ گاہ سے، میں آبلہ پا جاتا ہوں
کہ یک جنبشِ لب، مثلِ صدا، جاتا ہوں

مجلسِ شعلہ عذراں میں جو آجاتا ہوں
ہووے ہے، جادہ نہ، رشتہ گوہرِ ہر گام
سرگراں مجھ سے نہ بگڑے نہ رہنے سے دو

۱۸۱۲ء

آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا حبس کو^۲

دیکھتا ہوں اُسے، تھی جس کی تمنا مجھ کو

۱۸۱۲ء

وہ خطِ سبز ہے کہ بہرِ خسارِ سادہ ہو^۳

شمشیرِ صافِ یار، جو زہرِ اب وادہ ہو

ص ۳۳۰-۳۳۱

۱۸۱۲ء - لکھنؤ کے لیے دیکھیے اعمدۂ منتخب میں ذکرِ غالب

۶۱۸۱۲ ●

ہنستے ہیں، دیکھ دیکھ کے، سب، ناتواں مجھے
یہ رنگ زرد ہے چین زعفران مجھے^{۱۱}

۶۱۸۱۲ ●

دیکھ وہ برق تبسم، بس کہ، دل بیتاب ہے
کھول کر دروازہ میخانہ، بولا مے فروش
دیدہ گریاں مرا، فوارہ سیماب ہے^{۱۲}
اب شکست تو بہ میخواروں کو فتح الباب ہے

۶۱۸۱۲ ●

اک گرم آہ کی، تو ہزاروں کے گھر جلے
پروانے کا نہ غم ہوا تو بھر کس لیے، اسد
رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر، ہم جگر جلے^{۱۳}
ہر رات، شمع شام سے لے لے تا سحر جلے

۶۱۸۱۲ ●

زخم دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جلنے ہے
ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جلنے ہے^{۱۴}

۶۱۸۱۲ ●

صبا، گمان وہ طپانے طرف سے بیل کی
کہ روئے غم و گل سوئے آشیاں بھر جائے

۶۱۸۱۲ ●

بتوا تو بہ کرو، تم کیا ہو جب اربا رات ہے
تو یوسف ساحیں بکنے سر یا زاد آتا ہے^{۱۵}

۱، ۲، ۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے 'عمدہ منتخبہ میں ذکر غالب' ص ۳۴، ۳۵، ۳۶

۴، ۵۔ من ۴۰۔ یہ دو اشعار
تذکرۂ عیار اشعار، خوب چند ذکا کے سوا کسی مطبوعہ / غیر مطبوعہ دیوان یا بیاض میں نہیں پائے
جاتے۔

۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے 'غالب کے غیر متداول اشعار کا زمانہ فکر' ص ۵۰

● تقریباً ۱۸۱۲ء

جو حسد تقویٰ ادا نہ ہووے تو اپنا مذہب ہی ہے، غالب
ہوس نہ رہ جائے کوئی باقی، گناہ کیجے، تو خوب کیجے۔“

● تقریباً ۱۸۱۲ء

طسرت بیدل میں رنجیتہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے (۲)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے ”غالب کے بعض غیر متداول اشعار کا زمانہ فکر“ ص ۴۸/۴۹
۱۲۔ خود غالب نے اس شعر کا زمانہ ”ابتداءئے فکر سخن“ لکھا ہے۔ دیکھیے مکتوب
بنام عبدالرزاق شاگر۔ عود ہندی ص ۱۵۹۔ میرادیا ہوا سال (۱۸۱۲ء) محض قیاس
ہے۔



۶۱۸۱۳

تا

۶۱۸۱۴

نُسخہءِ بھوپال
(مخطّٰتِ غالب)

۶۱۸۱۴



۶۱۸۱۶

لغش زریادی ہے کس کی شوخی تحسیر کا؟ م
 کاو کاو سخت جانیں سائے تنہائی نہ پوچھ م
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے م
 آگہی، دام شنیدن جس قدر چاہے کھلنے م
 شوخی نیرنگ، صید وحشت طاؤس ہے م
 لذت ایجا دناز، انسون عرضِ ذوقِ نعل م
 خشتِ پشتِ دستِ عجز و قالبِ آغوشِ وداع م
 وحشتِ خوابِ عدم، شورِ تاشا ہے، اسد م
 بس کہ ہوں، غالب، اسیری میں بھی آتشِ زریا م
 کاغذی ہے، پیرن ہر پیکرِ تصویر کا م
 صبح کرنا شام کا، لانا ہے جو کئے بشیر کا م
 سینہ شمشیر سے باہر ہے، دم شمشیر کا م
 مدعا عفتا ہے، اپنے عالمِ تقریر کا م
 دام، سبزے میں ہے، پروازِ چمنِ بخیر کا م
 نعل، آتش میں ہے تیغِ یار سے، غنچیر کا م
 پڑ ہولے سیل سے، ایمانہ کس تعمیر کا؟ م
 جوڑہ جو ہر تہیں آئینہ تعمیر کا م
 موے آتش دیدہ ہے، حلقہ مری ز بخیر کا م

۶۱۸۱۶

جنوں گرم انتظار و نالہ بیتیابی کمند آیا م
 مہِ اختر فشاں کی، بہر استقبال، آنکھوں سے م
 توافل، بدگمانی، بلکہ میری سخت جانب سے م
 نفاے خندہ گل تنگ و ذوقِ عیش بے پروا م
 عدم، ہے خیر خواہ جلوہ کو زندانِ بیتیابی م
 جراحِ تحفہ، المائل ارنماں، داغِ جگرِ ہدیہ م
 سویدا، تالپ، ز بخیری درو سپند آیا م
 تماشا، کشورِ آئینہ میں آئینہ بند آیا م
 جگاہ بے حجابِ ناز کو بیم گزند آیا م
 فراغت گاہِ آغوشِ وداعِ دل، پسند آیا م
 خرامِ ناز، برقِ خرمین سعی سپند آیا م
 مہیاک بابا اللہ، غمِ خوارِ جان درو مند آیا م

۶۱۸۱۶

شما پر سبوح، مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا م
 فیضِ بیدلی، نو میدی جساوید آساں ہے م
 ہواے سیرِ گل، آئینہ بے بہری قاتل م
 تماشاے بیک کفِ برونِ مدول پسند آیا م
 کشالیش کو، ہمارا عقدہ مشکل، پسند آیا م
 کہ اندازِ بہ خوں غلتیدن بسمل پسند آیا م

سوادِ چشمِ بسمل، انتخابِ نقطہ آرائی
روایہاے موجِ خونِ بسمل سے ٹپکتا ہے
ہوئی جس کو بہارِ فرصتِ سستی سے آگاہی
اسد، ہر جاسخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے

۶۱۸۱۶ ●

خسارِ نازِ بے پروائی قاتلِ پسند آریا
کہ لطفِ بے تحاشا رفتنِ قاتلِ پز آریا
برنگِ لالہ، جسامِ بادہ پر محلِ پسند آریا
مجھے رنگِ بہارِ ایجادِ بیکِ پسند آریا

خود آرا و حشمتِ چشمِ پرکاش سے شبِ وہ بدخو تھا
بشیرِ نیلِ خوابِ آلودہ ہر گاہ، نشترِ زینور
نہیں ہے باز گشتِ نیل، غیر از جانبِ دریا
رہا نظارہ وقتِ بے تقابلی آپ پر رزاق
غمِ مجنوں، عزادارانِ یلکی کا پرستش گھر
رکھا غفلت نے دور افتادہ ذوقِ فنا، ورنہ
اسد، خاکِ درِ میخانہ اب سر پر اڑاتا ہوں

۶۱۸۱۶ ●

کہ موم، آئینہ تمثال کو تعویذِ بازو تھا
خود آرائی سے، آئینہ، طلسمِ موم بھادو تھا
ہمیشہ دیدہ گریاں کو، آبِ رفتہ در جو تھا
بہر شک آئیں مژدہ سے، دست از جاں شستہ بر رو تھا
مخم رنگِ سیہ، پیمانہ ہر چشمِ آہو تھا
اشارتِ ہنم کو، ہر ناخنِ بریدہ، ابرو تھا
گئے وہ دن کہ پانی جامِ نئے سے ڈالو زانو تھا

دویدن کے کیوں، جوں ریشہ زیرِ زمیں پایا
اگلی اک پنہ روزن سے تھی چشمِ سفیدِ آخر
بہرست گاہِ ہر کشتہ جہاں غشیِ خواباں
پریشانی سے، مغزِ سر، ہوا ہے پنہِ بالَش
نفسِ حیرت پرست طرزِ ناگیرائی ہر گاہ
اسد کو تیجِ تابِ طبعِ برقِ آہنگِ مسکن سے

بگڑے سرمد، اندازِ نگاہِ شرمگین پایا
حیا کو، انتظارِ جلوہ ریزی کے کہیں پایا
خطر کو چشمہ آبِ بقا سے تر جلیں پایا
خیالِ شوخیِ خواباں کو راحتِ آفریں پایا
مگر یک دست وہ دامنِ نگاہِ واپس پایا
حصارِ شعلہ جوار میں عزتِ گزیر پایا

۶۱۸۱۶ ●

نراکت، ہے فنونِ دلیوی طاقِ شکستن

شرارِ رنگ، اندازِ چراغِ از جسمِ خستن

رسیہ مستی چشم شوخ سے ہیں، جو ہر شرکاء
ہوانے ابر سے کی موسم گل میں مند باقی
دل از اضطراب آسودہ، طاعت گاہ داغ آیا
تکلف عاقبت میں ہے دلا، بند قبا وا کھر
اسد، ہر اشمک ہے یک حلقہ بزم خیر افزودن

۶۱۸۱۶ ●

شرار آسا، ز سنگ سرمہ یکسر بایہ جستن ہا
کہ تھا آئینہ خود بے نقاب رنگ بستن ہا
برنگ شعلہ ہے، مہر نماز، از پا نشستن ہا
نفس ہا بعد وصل دوست نادان گستن ہا
یہ بند گریہ ہے نقش بر آب، امید رستن ہا

لبان جو ہر آئینہ، از ویرانی دہسا
لجھ کی ہم نے پیدا، رشتہ ربط علائق سے
انہیں ہے، باوجود صنف اسیر بے خودی آساں
غری بیہر تسکین ہوس درکار ہے، ورنہ
تماشا کردنی ہے، انتظار آبار حیرانی
اسد، تارِ نفس ہے ناگزیر عقدہ پیرانی

۶۱۸۱۶ ●

بشغل انتظارِ مہوشاں در خلوت شبہا
کرے فکر تعمیرِ خرابیہاے دل، نگر دول
عیادت ہاے طعن آلود یاراں زہر قاتل ہے
کہے میں حسنِ خوباں پردے میں مشاطگی اپنی
فنا کو عشق ہے بے مقصدال، حیرت پرستاراں
اسد کو بت پرستی سے غرض درد آشنائی ہے

سرتاپہ نظر، ہے رشتہ تسبیح کو کبہا
زیکلے تخت، مثل استخوان دیروں قاکبہا
رفوے زخم کرتی ہے، بنوک نمیشِ عقر بہا
کہے تیر بندِ خط، سبزہ خط دور تہ بہا
نہیں رقابہ عمر تیز رو پا بندِ مطلبہا
نہاں ہیں نالہ نافرین میں در پردہ یار بہا

۶۱۸۱۶ ●

برہنِ شرم ہے، باوصفِ شوخی، اتہامِ اُس کا
سروکارِ تواضع، تاخیمِ گیسوِ رِسانیدن
مسی آلودہ ہے مہرِ نوازِ شناعہ، ظاہر ہے
لڑاوے گروہِ بزمِ شیشی میں قبر و شفقت کو
ہامیدِ نگاہِ خاص ہوں محملِ کشِ حسرت
اسد، سوداے سرسبز سے ہے تسلیمِ رنگیں تر

۶۱۸۱۶ ●

یادِ روزے کہ نفسِ سلسلہ یارب تھا
پہ تختِ رکدہ فرستِ آرایشِ وصل
بہ متناکدہِ حصیرِ زوقِ دیدار
جو ہر فکر، پر آفتابیِ نیرنگِ خیال
پردہ درِ دل، آئینہ صد رنگِ نشاط
نالہ حاصلِ اندیشہ کہ جوں بکشتِ سپند
عشق میں ہم نے ہی ابرام سے پرہیز کیا
آخسرِ کارِ بگرفتارِ سہرِ زلفِ ہوا
شوقِ ساربان، قہقہہ لی ہے اوگر نہ غالب
اسد! انسِ دگی آوازِ کفر و دیں ہے

۶۱۸۱۶ ●

نشب کہ دل زخمیِ حسدِ منیِ لاجبیاں تیر آیا

رنگیں میں، جوں شرابِ رنگِ ناپید ہے نامِ اُس کا
لسانِ شان، زینتِ رینہ ہے دستِ سلامِ اُس کا
کہ داغِ آرزوے بوسہ دیتا ہے پیامِ اُس کا
بھرے پیمانہ صد زندگانی، ایک حجامِ اُس کا
مبادا! ہو عنایاں گیرِ تغافل، لطفِ غلامِ اُس کا
کہ کشتِ خشکِ اُس کا، ابرِ بے پروا خرامِ اُس کا

نالہ دل، بہ کمر دامنِ قلعِ شب تھا
دلِ شب، آئینہ دارِ پیشِ کوکب تھا
دیدہ گوخوں ہو، تماشاے چمنِ مطلب تھا
حسنِ آئینہ و آئینہ چمنِ مشرب تھا
بخیمہ زخمِ جگر، خندہ زہرِ لب تھا
دلِ ناسوختہ، آتشِ کدہِ صدف تھا
ورنہ جو چھاپیے، اسبابِ مناسب تھا
ربِ دیوانہ کہ دارِ ستہ ہر مذہب تھا
ہم میں سرمایہ ایجا و متناکب تھا
یادِ روزے کہ نفسِ درگرم "یارب" تھا

نالہ، بر خود غلطِ شوخیِ تاشیر آیا

محلِ دشت بہ دوشِ ریمِ خمیر آیا
ہر طاس سے، دل، پائے بہ زنجیر آیا
عرضِ شبنم سے، چمن، آئینہِ نقمیر آیا
کہ گھہ گوشہ، بہ پروازِ پرستیر آیا
بے تکلف بہ سجودِ نظمِ شمشیر آیا

وسعتِ حبیبِ جنونِ پیشِ دل مت پوچھ
ہے گرفتاریِ نیرنگِ تماشا، سستی
دیدِ حیرت کش، و خیرِ شیدِ چراغانِ خیال
عشقِ ترسا بچہ و نازِ شہادت مت پوچھ
اے خوشا از دوقِ تمنا بے شہادت کہ اسد

۶۱۸۱۶ ●

خضر، شتاق ہے اس دشت کے آواروں کا
نوں پدے لکھا نقشِ گرفتاروں کا
دلِ آزرده پسند، آئینہِ رخساروں کا
کاغذِ سرمہ، ہے جامِ ترے بیماروں کا
خروسِ قافلہ، یاں دل ہے گراں باروں کا
رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا
چشمِ امید ہے، روزِ ن تری دیواروں کا
حوصلہ تنگ نہ کرے بے سبب آزاروں کا

سیرِ آں سوے، تماشا ہے طلبگاروں کا
سہ خطِ بند ہوا، نامہ گنہ گاروں کا
خردِ آئینہ میں بخشیں شکنِ خندہ گل
داؤ خواہ پیش، و ہرِ خموشی برب
وحشتِ نالہ، بہ واماندگیِ وحشت ہے
پھر وہ سوے چمن آتا ہے، خما خیر کرے
جلوہِ مالیوس نہیں دلِ نگرانی، عافل
اسد، اے ہرزہ دریا، نالہ بہ غوغا تا چند

۶۱۸۱۶ ●

یارب نفس، غبار ہے کس جلوہ گاہ کا؟
میناے تم ہے، آبلہ پائے نگاہ کا
کیا، بیم، دلِ درد کو سختی راہ کا
آئینہ ہوں، شکستہ تنِ طرفِ کلاہ کا
بے شانہ صبا نہیں، طشہ گرہ گاہ کا
عیدِ نو دامِ جستہ ہے، اس دامِ گاہ کا
شرِ مندرگی سے عذر نہ کرنا گاہ کا

طاووسِ دریا کا ہے، ہر ذرہ آہ کا
عزتِ گزینِ بزمِ نہیں، واماندگانِ دیدہ
ہر گام، آبلے سے ہے، دل، درتہ قدم
حبیبِ نیازِ عشق، تشاں دارِ ناز ہے
قافلِ بہ و ہم ناز، خود آرا ہے، وردہ یاں م
بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ، کر رنگ م
رحمت اگر قبول کرے، کیا بعید ہے م

مقتل کو کس نشاط سے جانا ہوں میں کہے ۲ پُر گل، خسیال زخم سے دامن نگاہ کا
جاں و در ہواے یک بگہ گم ہے، اسند م پروانہ، ہے وکیل ترے دادخواہ کا

● ۶۱۸۱۶ ●

یک ذرہ نہیں نہیں بے کار، باغ کا م یاں جا رہی، قلیل ہے لالے کے داغ کا
بے گئے، کسے ہے طاقت آشوب آگہی؟ م کھینچا ہے بحر حوصلے خط ایلاغ کا
بیل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل م کہتے ہیں جس کو عشق، قتل ہے دماغ کا
تازہ نہیں ہے، نشہ فکری سخن بے م حریا کی قدیم ہوں، دودِ چسپ داغ کا
سو بار بندِ عشق سے آزاد، ہم ہو سے م پر کیا کریں؟ کہ دل ہی عذو ہے فرہنگ کا
بے خون دل ہے چشم میں، موج نگہ، غبار م یہ میکہ خراب ہے گئے کے سداغ کا
باغ شگفتہ، تیرا بساطِ نشاطِ دل م ایو بہار، خمکدہ کس کے دماغ کا؟
جوش بہار، کلفتِ نظر رہ ہے، اسند م ہے۔ ایو پنہ روزن دیوار۔ باغ کا

● ۶۱۸۱۶ ●

بھولا اضطرابِ دم شماری، انتظار اپنا نہ بھولا اضطرابِ دم شماری، انتظار اپنا
زبیں آتش نے فصلِ رنگ میں رنگِ دگر پایا زبیں آتش نے فصلِ رنگ میں رنگِ دگر پایا
ایسے زباں ہو، کاشکے اسیادِ بے پروا ایسے زباں ہو، کاشکے اسیادِ بے پروا
مگر ہومانج دامن کشی، ذوقِ خود آرائی مگر ہومانج دامن کشی، ذوقِ خود آرائی
دریغِ الے ناتوانی، ورنہ ہم ضبطِ آشیائے دریغِ الے ناتوانی، ورنہ ہم ضبطِ آشیائے
اگر آسودگی ہے مددِ غلے رنجِ بتیابی اگر آسودگی ہے مددِ غلے رنجِ بتیابی
اسد، ہم وہ جنوں جولاں، گداے بھرم دپا ہیں م کہ ہے، سر پنہ ہر ترکان آہو، پشتِ خار اپنا

۶۱۸۱۶ ●

چاک موج سیل، تا پیراں دیوانہ تھا
دود مجسم، لالہ سال، دردِ تر پیمانہ تھا
رنگِ شب، تہندی دود چرخِ خانہ تھا
تا بہ شمع، آہنگِ مغرب، پتہ پردانہ تھا
عقدِ وصلِ وقتِ نہ، انگور کا پردانہ تھا
سورتِ بزرگانِ عاشق، سربِ عرضِ شانہ تھا
راہِ خواہیدہ کو غوغائے حبسِ افسانہ تھا
فجرِ زہرابِ رادہ، سبزہ بیگانہ تھا
ورنہ کسل کا ٹپنا، لغزشِ ستانہ تھا

بلکہ جوشِ گریہ سے زیرِ زہر ویرانہ تھا
داغِ مہرِ ضبطِ بے جا، مستیِ سعیِ سپند
وصل میں بختِ سیر نے سببِ تال گلی کیا
شبِ تہری تاثرِ محبہ شعلہ آواز سے
موسمِ گل میں نئے گنگوں حلالِ کُشاں
انتظارِ جلوہ کاکل میں ہر شمشادِ بارغ
حیرت، اپنے نازِ پیدہ دے، غفلتِ بنی
کو بوقتِ قتل حقِ آشنائی، اے نگاہ
جوشِ بے کیفیتِ ہے اضطرابِ آرا، اسد

۶۱۸۱۶ ●

رنگِ روئے شمع، برقِ خرمنِ پردانہ تھا
ہر نظر میں، داغِ نئے، خالِ لبِ پیمانہ تھا
وہ فسونِ وعدہ میرے واسطے افسانہ تھا
وہ دلِ سوزاں کر کل تک شمعِ ماتم خانہ تھا
تو کہے، صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا
شاخِ گل جاتی تھی مثلِ شمع، گلِ پردانہ تھا
غالب، ایسے گنج کو شایاں بھی ویرانہ تھا
آئینہ خانہ زبیلِ اشک، ہر ویرانہ تھا

رات، دلِ گرمِ خیالِ جلوہ جہانہ تھا
شب کہ تھی کیفیتِ غفلتِ بیادِ روئے یار
شب کہ اندھا خواب میں تھے کا قائل نے بخت
دود کو آج اس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی
ساتھ جنبش کے بیک برخاستن طے ہو گیا
دیکو اس کے ساتھ سیمین و دست پر نگار
شکوہِ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا
اے اسد، رویا جو دشتِ غم میں ہیں حیرت زدہ

۶۱۸۱۶ ●

پے تذبذب کریم، قلعہ ہے شومِ نارسائی کا م
جہاں مٹے جلے سب دید، خضر آبارِ آسائش
بہ نغز آلود ہم مدعا تسلیم شوخی ہے
زکوۃ حسن دے، اے جلوہ بنفش کہ ہر آسا
نہ سارا جان کر بے جرم، غافل، تیسری گردن پر م
دہان بہت پیغارہ جو، زنجیرِ رسوائی م
ہوئی اک بات ہے جو بیاں نفسِ اداں بگت گل ہے م
نہ دے نہ کو اتنا طول، غالب، مختصر لکھ دے م
جو غلیظہ صدرنگ دعویٰ پارسائی کا
بجیب ہر نگہ پنہاں ہے، حاصل رہنمائی کا
تفائل نہ کر مغرور تمسکین آزمائی کا
چرخ خانہ درویش ہو، کاسہ گدائی کا
رہا، مانند خونِ بیگنہ، حقِ آشنائی کا
عدم تک، یوفا، چرچا ہے تیری یوفائی کا
چمن کا جلوہ، بانٹ ہے، مری زنجیں نوائی کا
کہ حسرتِ سنج ہوں، عرضِ ستم ہے جدائی کا

زہو جس تماشِ دوست، رسوا ہے وفائی کا م
ہو جس گنہ انہی آئینہ، تکلیفِ نظر بازی
نظر بازی، طلسمِ وحشت آباد پرستاں ہے
نہ پایا در دستِ دوری یا رانِ یک دل نے
تمائے زباں، محو سپاس بے زبانی ہے م
استد، یہ عجز و بے سامانی فرعونِ توأم ہے

● ۶۱۸۱۶

کرے، اگر حیرتِ نظارہ، طوئاں نکتہ گوئی کا
بروے قیاس، دستِ شرم، بے ہر گاہِ آہو سے
فسانِ تنہ نازک قاتلاں، ننگِ جراحت ہے
نہیں گردابِ جزوِ سرگشتگی ہائے طلبِ ہرگز
نیازِ جلوہ ریزی، طانتِ بایں شکستنِ ہوا
ز بخششِ فرصتِ یک شبنمِ ستاں جلوہ خورد نے
استد، تاثیرِ سانی ہائے حیرتِ جلوہ پرورد ہو

خجائبِ چشمہ آئینہ ہووے، بیضہ طوطی کا
مگر روزِ غمروسی گم ہوا قاشقانہ لیل کا
دلِ گرمِ تپشِ اقا صد ہے پیغامِ تسلی کا
خجائبِ بحر کے ہے، آبلوں میں خایہاں کا
تکلف کو خیال آیا ہو گز بسا۔ پرسی کا
تصور نے کیا سماں ہزار آئینہ بندی کا
گر آبِ چشمہ آئینہ دھوے عکسِ زنگ کا

پھر یا زخمِ اے دل نے پانی تیغِ قاتل کا
تماشائی ہوں، وحدتِ خانہ آئینہ دل کا
بہ قدر زنگ، یاں گردش میں ہے پیمانہ مغل کا
ہوا، ولانذگی سے رہرواں کی، فرق منزل کا
عبادتِ برق کی کرتا ہوں، اور انوسِ حاصل کا
جو تو دریا سے ہے، تو میں فیازہ ہوں نہال کا
عصاے خضرِ صحرا سے سخن ہے، خامہ بیدل کا

ز بس غوں گشتہ رشکِ وفا تھا، وہم بسمل کا
نگاہِ چشمِ حاسدِ وامے، اے ذوقِ خود بینی
شررِ فرصتِ نگہ، سامانِ یک عالمِ چراغِ ہے
سراسرِ تافتنِ کوششِ بہت یک عرصہ جولاں تھا
سراپا بہنِ عشق و ناگہیرا الفتِ ہستی
بہ قدرِ ظرف ہے، ساقِ خسارِ تشنہ کامی بھی
مجھ راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں، غائب

● ۶۱۸۱۶ ●

دریغ! گردشِ آموزِ فلک ہے دورِ ساعز کا
کہ ہے تہ بندگی پر بائے طوطی زنگ جو ہر کا
نخلوطِ روئے قالیں نقش ہے پشتِ کبوتر کا
صدف سے آسیاے آب میں ہے دانہ گوہر کا
نفس کرتا ہے رگ ہاے مژہ پر کام نشتر کا
اسد، ہوں مست دریا بخشی ساقی کوثر کا

فرو سجیدنی ہے فرشِ بزمِ عیش گستر کا
خطِ نوخیز کی، آئینے میں دی کس نے، آرایش؟
گیا جو نامہ ہر، والدے بزرگِ باختِ آیا
شکتِ گوشہ گیراں، ہے فلک کو حاصل گردش
فروں ہوتا ہے ہر دم جوشِ نو باری، تماشا ہے
خیالِ شربتِ عیسی گدازِ تر جبینی ہے

● ۶۱۸۱۶ ●

کہ شلخِ گل کا ختم، انداز ہے بایں شکستن کا
پندِ شعلہ نادیدہ صفت، اندازِ جستن کا
نمک ہے شمع میں جوں موم جلوِ خوابِ بستن کا
نہیں ہے رشتہ الفت کو اندیشہ گستن کا
کہ تھا آئینہ خور پر تصورِ زنگِ بستن کا
نفس، بعد از وصالِ دوستِ آواں گستن کا
بہ بندِ گرہ ہے نقشِ بر آب، اندیشہ رفتن کا

کیا کس شوخ نے ناز از سبیلِ نشستن کا؟
نہاں ہے مردک میں، شوقِ رخسارِ فروزاں سے
گدازِ دل کو کرتی ہے، کشودِ چشم، شبِ پیا
نفس در سینہ ہاے ہم دگر رہتا ہے پوستانہ
ہوانے ابر سے کی، مویم گل میں، مند بان
تکلف و انیت ہم ہے، دلا، بندِ قہارِ واکر
ہر اشکِ چشم سے یک حلقہ ز غیر بڑھتا ہے

عیادت سے اسد میں بیشتر بیمار ہوتا ہوں سبب ہے تاخیرِ دخلِ عزیزاں، سینہِ خستہ کا

۶۱۸۱۶

عیادت سے زبس ٹوٹا ہے دل یا انِ غمگین کا
صدا ہے کوہ میں شدِ آغوش، آنکھتِ اندیشاں
بجائے غم و گل ہے، بجو بہار و س، بیانِ تک
نصیب آستین ہے، حاملِ روئے عرق آگین
بوقتِ کعبہ جو بیٹھا، جس سرس کرتا ہے ناقوسی
تپیدن، دل کو سوزِ عشق میں خوابِ ذرا کش ہے
اسد، اربابِ فطرت قدر دانِ لفظ و معنی ہیں

نظر آتا ہے موئے شیشہ، رشتہ شمعِ بالیں کا
پے سنجیدہ یاں، ہو حاصلِ خوابِ سنگیں کا
کہ حرفِ نغمہ دامن ہوا ہے خستہ کھچیں کا
چنے ہے گلستاں، خرم سے مہ کے خوشہ پوئی کا
کہ صحرِ فصلِ گل میں رشک ہے بتِ خانہ چیں کا
رکھا اسپند نے، مجھ میں پہلو گرم تمسکین کا
سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاقِ قیس کا

بہارِ رنگِ خونِ گل ہے، ساماں اشکباری کا
برائے حلِ مشکل، ہوں زباںِ اندازہِ حسرت
بوقتِ سرنگونی ہے، تصور، انتظارِ رستاں
لطافت، بے کثافت، جلوہ پیدا کر نہیں سکتی م
حریفِ جو خوش دریا نہیں، خود داریِ ساحل م
اسد، ساغرِ کشِ تسلیم ہو، گردِ گل سے گردوں کا

جنونِ برق، نشتر ہے رگِ ابر بہاری کا
بندھا ہے عذرہِ خالہ سے پیلا، خاکساری کا
نغمہ کو آجوں سے شغل ہے اخترِ شماری کا
چمن، زنگار ہے آئینہ، بادِ بہاری کا
جہاں ساقی ہو تو، باطل ہے دعوئی ہوشیاری کا
کہ تنگِ فہم مستان ہے، رگِ بد روزگاری کا

وہو اسیم حق سے، دیدارِ منہم حاصل ہوا
مکتب سے تنگ ہے، از بسکہ کا رہے کشاں
قیس نے از بسکہ کی سیرِ گریبانِ نفس
وقتِ شب اس شمعِ رو کے شعلہ آواز پر
خاکِ عاشق، بسکہ مہے فرسودہ پروازِ شوق
عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی، اسد

رشتہ تسبیح، تارِ جادۂ منزل ہوا
رز میں جو انگوڑ نکلا، عقدہ شکل ہوا
یک دو چیں دامنِ صحر، پردہ عمل ہوا
گوشِ نسریں عارضوں، پروازِ محفل ہوا
جادۂ ہر دشت، تارِ دامنِ قساک ہوا
نقص پر اپنے ہوا جو مطلق، کامل ہوا

۶۱۸۱۶

قطرہ مئے اس کی حیرت سے نفس پرور ہوا م
اعتبارِ عشق کی خسانہ غرابی دیکھنا م
گر مجی دولت ہوئی آتش زن نامِ نیکو
نشتے میں گم کردہ رہ آیا، وہ مستِ فتنہ خو
درد سے در پردہ دی، فرگاں سپاہی، شکست
زہد، گردیدن ہے گردِ خانہ ہائے منعمال
اسے بہ ضبطِ حال خونِ ناکردگاں، جوشِ جنوں
اس چین میں ریشہ واری جس نے سر کھینچی، اسد

خطِ جامِ قے اسرا سرِ رشتہ گور ہوا م
غیر نے کی آ۵، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا م
خانہ ماتم میں، یا قوتِ نگیں، افسگر ہوا
آج رنگِ رفتہ، دورِ گردش سا غر ہوا
ریزہ ریزہ استخوان کا، پوست میں نشتر ہوا
وانہ تسبیح سے، میں مہرہ در ششدر ہوا
نشتے مئے ہے، اگر یک پردہ نازک تر ہوا
تر زبانِ شکرِ لطفِ ساقی کوثر ہوا

۶۱۸۱۶

رحمتی بن صیاو نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا
عکسِ رخِ افروختہ تھا تصویرِ بہشتِ آئینہ
ساقی نے از ہر گریباں چاکی موجِ بارہ تاب
مہر بجائے نامہ لگائی بر لبِ پیکِ نامہ رساں
شامِ فراقِ یار میں جوشِ خیرہ سرے سے ہم نے اسد

رشتہ چاکِ جیبِ بریدہ، صرف قماشِ رام کیا
شوخی نے وقتِ حسن طرازی تمکس سے آرام کیا
تارِ نگاہِ سوزنا مینا، رشتہ خطِ جام کیا
قاتلِ تمکس سنجے یوں خاموشی کا پیغام کیا
ماہ کو، در تبیعِ کواکب، بجائے نشیمِ امام کیا

۶۱۸۱۶

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا م
زہرِ گریباں ہی شامِ بھر میں ہوتا ہے آب م

بے تکلف، دلِ غم، مہر دہاں ہو جائے گا
پر کو مہتاب، سیلِ خانہاں ہو جائے گا

تو اوں سوتے میں اُس کے پانو کا بوسہ، سگر م
دل کو تم صرف دفنا سمجھے تھے، کیا معلوم تھا م
سب کے دایں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا م
گر نگاہ سگر، مسد ماتی رہی تعلیم ضبط م
باغ میں مجھ کو نہ لیجا، ورنہ میرے حال پر م
ولے! اگر میرا تزا انصاف محشر میں نہو م
گر وہ مست نازدلیوے کا صلائے عشر میں حال م
گر شہادت آرزو ہے، نشے میں گستاخ ہو م
قائد کیا، سوچ، آخر تو بھی دانا ہے، اسد م

ایسی باتوں سے وہ کافر بد گمساں ہو جائے گا
یعنی یہ پہلے ہی تذکرہ امتحاں ہو جائے گا
مجھ پہ، گویا، اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا
شعلہ خس میں جیسے، خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا
ہر گل تر، ایک چشم خونخشاں ہو جائے گا
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گل
خاکِ گل، ہر دہان گل، زباں ہو جائے گا
بال شیشے کا، رگ سنگِ قضاں ہو جائے گا
دوستی ناداں کی ہے، بجی کا زیاں ہو جائے گا

۶۱۸۱۶ ●

تک ظنون کا رتبہ جسد سے برتر نہیں ہوتا
عجب، اے آبلہ پایاں، صحرے نظر بازی
خوشا! بجزے کے عاشق جل بجھے جوں شعلہ خامش
تاشلے گل رگشوں ہے مفت سبز بجیبی ہا
نہ رکھ چشم حصولِ نفع، صحبت ہاے مسک سے
نہ رکھا کوئی ہم نے آشیاں بیل کا گشت میں
صفا کب مع ہو سکتی ہے غیر از گوشہ گیری جا

جباب سے بعد بالید فی ساعہ نہیں ہوتا
کہتا چہارہ رہ رشتہ گو ہر نہیں ہوتا
کہ کم از سرہ اُس کا مشت خاکستر نہیں ہوتا
پہ از چاکِ گریباں، گلتاں کا در، نہیں ہوتا
لب خشکِ صدف آبِ سگر سے تر نہیں ہوتا
کہ جس کے در پہ غچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ہوتا
صدف بنِ قطرہ نیساں، اسد، گو ہر نہیں ہوتا

۶۱۸۱۶ ●

لب خشک در تشنگی مر دہاں کا م زیارت کدہ ہوں، در آذر دہاں کا
ہمہ نا اسیدی، ہمہ رنگانی م میں دل ہوں فریبِ دفِ خور دہاں کا

تصور ہوں، بے موجب آلودگیاں کا
سخن ہوں، سخن برباد آلودگیاں کا
ارادہ ہوں، یک عالم افسردگیاں کا
اسد، میں تبستم ہوں پتہ مردگیاں کا

شکستہ، کہیں گاہِ قریب جوئی
غریب ستم دیدہ بازگشتن
سراپا یک آئینہ دار شکستن
نصرت تکلف، بمعنی تاسف

۶۱۸۱۶ ●

ہے تنگ ز واماںدہ شدن، حوصلہ پا
سرمنشور، سختی سے ہے محوِ طلب دل
ذیادہ طلب ہے دل واماںدہ کہ آخر
ایانہ پسیا بان طلب گام زباں تک
ذریادہ سے پیدا ہے، اسد، گرمی و حشت

وہ فلک رتبہ کہ برتوسن چالاک چڑھا
نشہ سے کے اتر جانے کے غم سے انگور
بوسہ لب سے ملی طبع کو کیفیت حاصل
میں جو گردوں کو بہ میزبانِ طبیعت تولد
اے اسد، واشدن عقدہ غم مگر چاہے

شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری دل بیتاب تھا
شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرہ ابرہ آب تھا
واں کرم کو عذریہ بارش تھا عیناں گیر خسروام
لے زمیں سے آسمان تک فرشِ قیام، بے نمایاں
واں نجومِ نغمہ اے سازِ عشرت تھا، اسد

ماہ پر، ہالہ صفت، حلقہ فتراک چڑھا
صورتِ اشک بہ ترکانِ رگِ تاک چڑھا
مے کشیدن سے مجھے نشہ تریاک چڑھا
تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا
حضرت زلفیں جوں شانہ، دل پاک چڑھا

شوخی و حشت سے افسانہ قنوںِ خواب تھا
شعلہ جوالہ، ہر یک حلقہ گرواب، تھا
گریے سے یاں، پنیہ بارش، کفِ سیلاب تھا
شوخی بارش سے، مد، فوارہ سیلاب تھا
ناخنِ غم، یاں سیرتِ انفس، مضراب تھا

واں خود آرائی کو تھا موتی پر رونے کا خیال م یاں بھوم اشک میں تار بنگہ نایاب تھا
جلوہ گل نے کیا تھا واں چسپاں غائب، آنکھ م یاں رواں بزرگان چشم تر سے خون نایاب تھا
یاں سر پر شور، بے خوابی سے تھا، دیوار جو م واں وہ فرق تاز، بخوابش کھواب تھا
یاں نقش کرتا تھا روشن شمع بزم بے خودی م جلوہ گل، واں بساط صحبت احباب تھا
فرق سے معاش، واں طوفاں تھا موج زنگ کا م یاں نہیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
ناگماں اس زنگ سے خونابہ پکانے لگا م دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا

نالہ دل میں، شب، انداز اثر نایاب تھا م تھا بہند بزم وصل غیر، گویا تباہ تھا
دیکھتے تھے ہم بچشم خود وہ طوفان بلا م آسمان سفد جس میں یک کف سیلاب تھا
موج سے پیدا ہوئے، پیرا ہن دریا میں، خار م گریہ، دشت بے قرار، جلوہ ہمتا ب تھا
جوش تکلیف متا شا، محشرستان نگاہ م فتنہ خوابیدہ کو آئینہ مشابہ تھا
بے خبر مت کہہ ہیں، پیر و خود بینی سے پوچھ م قلزم ذوق نظریں آئینہ پایاب تھا
بے دلی ہائے اسدا، انصر دگی آہنگ تر م یاد ایام کے ذوق صحبت احباب تھا
مقدم سیلاب سے، دل کی نشاط آہنگ ہے م خانہ عاشق، مگر، ساز مدائے آب تھا
تاریش ایام خاکستر نشینی کیا ہوں؟ م پہلوئے اندیشہ، وقت بستر، بنجاب تھا
کچھ مگی بہنی جنون نارسا نے، ورنہ یاں م ذرہ ذرہ، روکش خسر شید عالم تاب تھا
آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تھ؟ م کل تلک تیرا بھی دل، مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا م انتظار صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
میں نے روکارت غالب کو وگرنہ دیکھتے م اس کی سیل گریں، گردوں کف سیلاب تھا

● ۶۱۸۱۶

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموں تھا م رشتہ ہر شمع، خار کسوت فانوس تھا
بت پرستی ہے، بہار نقش بند ہماے دہر م ہر صریح خامہ میں، یک نالہ ناقوس تھا
مشہد عاشق سے کوسوں تک جو آگتی ہے حنا م کس قدر یارب، ہلاک حسرت پابوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو م
دل بہ دل پیوستہ، گویا، یک لبِ انیس تھا م
کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں؟ م
جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا م
طبع کی واشد نے رنگِ یک گلستاں گل کیا
یہ دلِ وابستہ، گویا، بیضہ طائوس تھا
کل اسد کو ہم نے دیکھا گوشہٴ غمِ خانہ میں

۶۱۸۱۶ ●

شبِ اختر، قدحِ عیش نے محفلِ باندھا
یارِ یک قافلہٴ آبلہ منزلِ باندھا
سبحہ و امساں کی شوق، و تماشا منظور
جادہ پر، زلیوِ رصد آئینہ منزلِ باندھا
ضبطِ گرمیہ، گہرِ آبلہ لایا آخر
پائے صدمہ موج، بہ طوئیاں کدہٴ دلِ باندھا
جیفِ اے تنگ تنہا، کدےٴ عرضِ حیا
یک عرقِ آئینہ، بر جہتِ سائلِ باندھا
حسنِ آشفٹ کی جلوہ، ہے عرضِ عجبا
دستِ موٹھی پر سرِ دعویٰ باطلِ باندھا
پیشِ آئینہ، پروانہٴ تمنا لائی
نامہٴ شوق، بسبالِ پرِ بسملِ باندھا
دیدہٴ تامل ہے یک آئینہٴ حیرانِ کس نے
تخلوتِ ناز پہ پیرایہٴ محفلِ باندھا
تا اُمیدی نے، بہ تہتیرِ مضامینِ تمسار
کوچہٴ موج کو تمیازِ ساحلِ باندھا
مطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے، غالب
سازِ پر رشتہ، پےٴ نغمہٴ بیدلِ باندھا

۶۱۸۱۶ ●

عصرِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا م
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا م
جانا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے م
ہوں شمعِ کشتہ، درِ خورِ محفلِ نہیں رہا م
مرنے کی، اے دل، اور ہی تدبیر کر کہیں م
شایانِ دستِ و خمیرِ قاتلِ نہیں رہا م
برودے شیشِ جہت دیو آئینہ باز ہے م
یاں آستیاں ناقص و ساکتِ نہیں رہا م

واکر دیے میں شوق تے بند نقاب حسن م
گوئیں رہا رہیں ستمہاے روزگار م
دل سے ہوائے کشت و قامت گئی کرواں م
جاں داد گان کا حوصلہ، فرصت گداز ہے
ہوں قطرہ زن بسرِ حلا یاں بدزد شب
اے آہ، میری خاطر و البستہ کے سوا
ہر چیز میں ہوں طوطی شیریں سخن، دے
بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا، مگر، اسد م

خون ہے، دل تنگی وشت سے بیاباں میرا
موجِ خمیازہ ہے، ہرزخم نمایاں میرا
خونِ آدینہ سے رنگیں ہے، دبستاں میرا
عرضِ خمیازہ مجنوں ہے، گریباں میرا
لنگرِ وحشت مجنوں ہے، بیاباں میرا
تشنہ خونِ دل و دیدہ ہے پمیاں میرا
کس زباں میں ہے لقبِ خواب پریشاں میرا
مشکلِ عشق ہوں، مطلب نہیں آساں میرا
کہ رہے چشمِ خمیدار پہ احساں میرا
تیرے چہرے سے ہو ظاہرِ غم بہتساں میرا
کے نے بہار کیا پسیر بہتساں میرا

خلوتِ آیت پائیں ہے، بجولاں مسیما
ذوقِ سحرشار سے بے پردہ ہے طوفاں میرا
عیشِ بازیکدہ حسرتِ جاوید رسا
حسرتِ نشہ و حشت نہ بے سعی دل ہے
عالم بے سر سامانی فرمت مت پوچھ
بے دماغ پیش رشک ہوں، اے جلوہ صن
فہم، زنجیری بے ربطی دل ہے، یارب!
بہ ہوس، دردِ سوز اہل سلامت تاجند؟
بہرے مفتِ نظر ہوں، مری قیمت یہ ہے م
خصت نالہ مجھ دے کہ مبادا اظالم م
بوئے یوسف مجھے گلزار سے آتی تھی، اسد

۶۱۸۱۶

بہ ہر نامہ جو بوسہ گلِ پیام رہا
ہوا نہ مجھ سے بجز درد، حاسلِ صیاد
ہمارا کام ہوا، اور تمہارا نام رہا
لسانِ اشک، اگر قمارِ چشمِ دام رہا

وے ہنوز خیالِ وصالِ خام رہا
پہ زلفِ یار کا افسانہ ناقص رہا
کہ شبِ خیال میں بوسوں کا ازدحام رہا
خیالِ زلف و رخِ دوست صبح و شام رہا

دل و جگر تَفِ فرقت سے جل کے خاک ہوئے
شکستِ رنگ کی لائی سحر، شبِ سبیل
دہانِ تنگ مجھ کس کا یاد آیا تھا؟
نہ پوچھ حالِ شب و روزِ بھر کا، غالب

● ۶۱۸۱۶ ●

ہالہ دو درِ شعلہ جوالہ مہ ہو گیا
ہالہ دیگر بہ گردِ ہالہ مہ ہو گیا
پارہ چاک کتاں پر کالہ مہ ہو گیا
دراغ مہ، جوشِ حین سے لالہ مہ ہو گیا

خطِ جو رخ پر جالِشیں ہالہ مہ ہو گیا
حلقہ گیسو کھلا دو درِ خطِ خسار پر
شب کہ مت دیدنِ مہتاب تھا وہ جامِ نازیب
شب کہ وہ گلِ باغ نہیں تھا جلوہ فرما اے اسد

● ۶۱۸۱۶ ●

صفحہ ناز، غلافِ بارش پر ہو گیا
فہارِ سپراہن، رگِ بستر کو نشتر ہو گیا
دامنِ تیشال، مثلِ برگِ گل، تر ہو گیا
خارِ شمع آئینہ، آتش میں جو ہر ہو گیا
دامنِ آلودہ عصیاں گراں تر ہو گیا
نقشِ پائے خضر، یاں، سدا سکندر ہو گیا

بس کہ عاجزِ نارسائی سے کیو تر ہو گیا
صورتِ دیبا تپش سے میری، غرقِ غم ہو گیا
بسکہ آئینے نے پایا گرمیِ رخ سے گدا نہ
شعلہِ خسار، تخر سے تری رفتار کے
بسکہ وقتِ گریہ نکلا تیرہ کاری کا غبار
حیرتِ اندازِ رہبرے غناں گیر، اے اسد

● ۶۱۸۱۶ ●

آغوشِ نقشِ پامیں کیجے فشارِ صحر
پیمانہ ہوا ہے، مشتِ غبارِ صحر

یک گام بخودی سے کوئیں بہارِ صحر
وخت اگر رسا ہے، بے حاصلی ادا ہے

اے آئے، کرم کنیاں رنج یک قدم کر
دل دیر رکابِ صحر، افسانہ خسرابِ محسوس
ہر ذرہ یک دہن پاک، آئینہ خانہ ہے خاک
دیوانگی اسد کی فست کشِ طرب ہے

اے نور چشم وشت، اے یادگارِ محسوس
موجِ سرابِ صحر، عرضِ حسابِ محسوس
تمثالِ شوق ہے پاک، رعد و چارِ محسوس
سر میں ہولے گلشنِ دل میں غبارِ محسوس

دل بقیہ، کہ سینے میں رہ چسپند رہا
زندگی کے ہوئے، اگر نفسِ چند تمام
لکھ سکامیں نہ اسے شکارِ پہاں شکنی
الفتِ زر ہمہ نقشا ہے کہ آخر قاروں
عمر بھر ہوشِ نیک جا ہوئے میرے کہ اسد

بدم چسپند گرفتارِ غم چسپند رہا
کوچہ یار جو مجھ سے قدم چسپند رہا
لا جرم، توڑ کے، عاجز، قلم چسپند رہا
زیرِ بارِ غم دام و درم چسپند رہا
یہاں پر ستندہ روئے صنیم چسپند رہا

۶۱۸۱۶

جگر سے ٹوٹے ہوئے ہو، اپنا، پیدا
برائے سبزہ رگِ خواب ہے نہ، ایجاد
صفا و شوق و آوازِ سخنِ پایہ رکاب
نہیں ہے آہ کو ایچہ، اے تیرے باریدوں
نسیبِ تیرہ، بلا گردشِ آفریں ہے، اسد

دائیں زخمی، آں، ہوا، زباں پیدا
اے ہے ناشتی احوال، بیدار پیدا
نہیں سیہ سے ہے گزرتا، دریاں پیدا
وگر نہ ہے غم، لہجہ سے کماں پیدا
زیر سے ہوتے ہیں، صد دامن آسمان پیدا

۶۱۸۱۶

دل مرا سوزِ نہل سے بے محابا جیل گیا م بہ تشنہ خاموش کے مانند، گویا جیل گیا

دل میں ذوق وصل و یادِ پیار تک باقی نہیں م
میں عدم سے بھی پرے ہوں اور نہ غافل بارہا م
عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کھساں م
دل نہیں بچھہ کو دکھاتا، ورنہ داغوں کی ہل م
دود میرا، سنبھلتاں سے کرے ہے ہسری
شمع رویوں کی سدا انگشتِ حنائی دیکھ کر
خسانمان عاشقانِ دوکانِ آتش باز ہے
تا کجا افسوسِ گرمی ہائے محبت، اے خیال
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالب، کہ دل م

آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جوتھا جل گیا
میر می آہ آتشیں سے بالِ عتقا جل گیا
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحر ا جل گیا
اس چراغاں کا، کروں کیا، کار فرما جل گیا
بسکہ ذوقِ آتش گل سے سر پایا ہوا گیا
عجزِ گل، پر فشاں پروانہ آسا، جل گیا
شعلہ زب جو ہو گئے گرم تماشا، جل گیا
دل بہ سوزِ آتش داغِ ممتا، جل گیا
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ و نسیا، جل گیا

تہاں کیفیتِ مے میں ہے سامانِ حجاب اس کا
اگر اس شعلہ رو کو دوں پیامِ محاسنِ افروزی
عیاں کیفیتِ مینخانہ ہے جوئے گلستاں میں
اٹھائے ہیں جو میں افتادگی میں متقل صدے
بنا ہے پنہ سینا سے ساقی نے نقاب اس کا
زبانِ شمع خلوت خانہ دیتی ہے جواب اس کا
کہ مے عکسِ شفق ہے، اور مہاجر ہے کباب اس کا
کروں گا شک ہائے و اچکیدہ سے حساب اس کا
اسد کے واسطے رنگے بروئے کار ہو پیدا
غبار، آوارہ سرگشتہ ہے، یا بو تر آب، اس کا

زب بس ہے ناز بردارِ غم و ریشہ بھبا
در آبِ آئینہ از جوشِ عکسِ گیسوئے نسکس
کہاں ہے دیدہ روشن کہ دیکھ بے عبا با نہ
نہ دیکھ پاسِ ضبطِ آبرو، وقتِ خلقت بھی
رگِ بالیدہ گردن ہے موجِ بادہ در مینا
بہارِ سنبھلتاں جلوہ گر ہے آبی سوئے دریا
نقابِ یار ہے از پردہ ہائے چشمِ نابینا
تخلِ پیشہ تمکین رہے آئینہ آسا
اسد، طبعِ مہین سے گر نکالوں شعرِ بر جستہ
شر، ہو قطرہ خونِ فسرہ در رگِ خارا

۶۱۸۱۶ ●

ارتقا رہیں، خزاں خطِ تقدیر ہے پیدا
زمین کو صفحہ نگاشن بنایا خوشکافی نے
مگر وہ شوق ہے طوفاں طرازِ شوقِ خونریزی
نہیں ہے کفِ نازک پہ فرطِ نشہ سے
عروجِ ناامیدی، چشمِ زخمِ چرخ کیا جانے؟
اسد، جس شوق سے دڑتے پیش فرما ہوں لفظیں

۶۱۸۱۶ ●

سو گر باغ میں وہ حیرتِ گلستار ہو پیدا
بتاں، نہ رہا اب اس شدت سے دوپکانِ نازک کو
لگے گر رنگِ سر پہ، یار کے دستِ نگاری سے
کروں گر عرضِ سنگینی کہسار اپنی بیتابی
پہ سنگِ شیشہ توڑوں، ساتیا، پیانہ پمیاں
اسد، مایوس مت ہو اگرچہ رونے میں اثر کہ ہے

۶۱۸۱۶ ●

بس کہ ہے میخانہ ویراں، جوں بیابانِ خراب
تیرگی ظاہری ہے طبعِ آگِ کاشاں
یک نگاہِ صاف، صد آئینہ تاثیر ہے
ہے عرقِ افشاں کشی سے، ادہمِ مشکین یار

کہ طوقِ قیدی از ہر حلقہ نہ خیر ہے پیدا
چمن بالیدہ ہوا، از دمِ بختیر ہے پیدا
کہ در کسبِ کماں بالیدہ موجِ تیر ہے پیدا
لطافتِ ہائے جوشِ حسن کا سرشیر ہے پیدا
بہارِ بے خزاں، اند آو بے تاثیر ہے پیدا
جراحتِ ہائے دل سے، جوہرِ شمشیر ہے پیدا

اڑے رنگِ گل، اور آئینہ دیوار ہو پیدا
کہ خطِ سبزِ تابشتِ لبِ سوار ہو پیدا
بکائے زخمِ گلِ برگوشہ دستار ہو پیدا
رگِ ہر رنگ سے بنی دلِ بیمار ہو پیدا
اگر ابرسیہ مست از سوئے کہسار ہو پیدا
کہ غالب ہے کہ بعد از زاری لبسار ہو پیدا

عکسِ چشمِ آہوئے رنجور وہ ہے، داغِ شراب
غافلان، عکسِ سوادِ صفحہ ہے، اگر دیکتاب
ہے رگِ یاقوت، عکسِ خطِ جامِ آفتاب
وقتِ شبِ اختر گئے ہے چشمِ بیدار رکاب

ہے، شوق، سوز، جگر کی آگ، کیا الیہ گم،
بس کہ مشریم ماضی رنگیں سے حیرت جلوہ ہے
شب کہ تھا نظارگی روئے بتاں کا، اے افسردہ

۶۱۸۱۶ ●

ہر ایک اختر ہے فلک پر قطرہ اشک کباب
ہے شکستِ رنگِ گل، آئینہ پردانہ نقاب
گر گیا بامِ فلک سے بھی طشتِ ماہتاب

رنگِ گل آتشکدہ ہے زیرِ بالِ عندِ لیب
مصرعِ سر و چین ہے حسبِ حالِ عندِ لیب
بسمِ ذوقِ پریدن ہے ببالِ عندِ لیب
گردِ شبِ رنگِ سن ہے ماہ و سالِ عندِ لیب
بادِ نظارہ گلشن، حلالِ عندِ لیب
اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندِ لیب

ہے بہاراں میں خزاںِ حاصل، خیالِ عندِ لیب
عشق کو ہر رنگِ شانِ حسن ہے مہرِ تظاہر
حیرتِ حسنِ چین پیرا سے تیرے، رنگِ گل
عمرِ میری ہو گئی صرف بہارِ حسنِ یار
منعِ مت کر حسن کی، ہم کو، پرستش سے کہ ہے
ہے مگر موقوفِ بروقتِ دگر کارِ ات

۶۱۸۱۶ ●

دو دشمن کشتہ تھا شاید، خطِ رخسارِ دوست
کون لا سکتا ہے تابِ جلوہ دیدارِ دوست
صورتِ نقشِ قدم، ہوں رشتہ رقتِ دوست
کشتہ دشمن ہوں آخر، اگرچہ تھا یارِ دوست
دیدہ پندخوں ہمارا، ساعِ سرشارِ دوست
بے تکلفِ دوست ہو جیسے کوئی، مخوارِ دوست
مجھ کو دیتا ہے پیام و وعدہ دیدارِ دوست
سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبرِ دوست
ہنس کے، کرتا ہے بیانِ شوخی گھٹا، دوست
یا بیاں کیجے بیاں لذتِ آزارِ دوست

آمدِ خط سے ہوا ہے سر و جو بازارِ دوست
اے دلِ ناعاقبت اندیش، ضبطِ شوق کر
خانہ و بیاں سازیِ حیرت متا شا کیجیے
عشق میں پیدا در شکِ عجز نے سارا مجھے
چشمِ مار و شنِ باکر اس بیدرد کا دل شاد ہے
عجز، یوں کرتا ہے میری پرستش اُس کے بحر میں
تا کہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی و اننگ
جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ صغف و ساع
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
مہرِ بانہاں سے دشمن کی شکایت کیجیے

یہ عزت اپنی مجھے جیسے پسند آتی ہے آپ م ہے روایت شعر میں غالب، زلیں سحر دوست
چشم بند خلق، غیر از نقش خود بینی نہیں
برق خرمین زار گوہر ہے، نگاہ تیز، یاں
ہے سواہر سے یہ، افس کے قامت نوخیز سے
لغزش مستند و خوش تماشا ہے، اسد

۶۱۸۱۶ ●

جاتا ہوں جدھر سب کی اٹھے ہے ادھر انگشت
میں، اہت بزرگاں میں جو انگشت منسا ہوں
ہر غنچہ، صورت یک قطعہ خوں ہے
گرمی ہے زباں کی، سبب سوختن جساں
خوں دل میں جو میرے نہیں باقی، تو پیرا سکی
شوخی تری کہہ دیتی ہے احوال ہمارا
کس رتبے میں یاری کی و تری ہے کہ جوں گل
افسوس، کہ دیداں کا کب ازرق فلک نے م
کاٹی ہے نشانی، ترا پھلے کا نہ دیتا م
کھتا ہوں، اسد، سوزش دل سے سخی گرم م

۶۱۸۱۶ ●

دو دھج کشتہ گل، بزم سامانی عبث
ہے، ہوس، محل بدوش شوخی ساتی مست
باز ماند ہنارے بزرگاں، ہے یک آغوش و داغ
جز غبار کردہ سیر، آہنگی پرواز کو ؟
سر نوشت خلق، ہے طغرائے عجز اختیار
یک شبہ اشقہ ناز سبستانی عبث
نشہ کے تصور میں نگہبانی عبث
عید، درحیرت سواد چشم قہر بانی عبث
بسیل تصویر و دعوائے پرائشانی عبث
آرزو خوار خوار چین پیشانی عبث

وادی حسرت میں پھر آشفۃ جولانی عبث
اے دل از کف دادہ غفلت، پشیمانی عبث

جب کہ نقشِ مدعا ہوئے نہ جز موجِ سراب
دستِ برہم سودہ ہے، شرکانِ خوابیدہ، اسد

● ۶۱۸۱۶ ●

رنگ ہے سنگِ محک، دھولے مینائی عبث
پاسبانیِ طلسم گنج تنہائی عبث
دعویٰ دریا کشی و نشہ پیمائی عبث
دل کو، اے بیداد خو، تسلیم خارا ئی عبث
بہر از خود رفتگاں، رنج خود آرا ئی عبث
بن گیا تعلید سے میری، یہ سودا ئی عبث
عالمِ تسلیم میں یہ دعویٰ آرا ئی عبث

نازِ لطفِ عشق، باوسفِ توانائی، عبث
ناخنِ دخلِ عزیزاں، یک قلم ہے نقبِ زن
عملِ پیمانہٗ فرصت ہے بردوشِ حباب
جانِ عاشقِ حاصلِ صد غلبہٗ تاثیر ہے
یک نگاہِ گرم ہے، اجوں شمع، سرتا پاگداز
قلیں بجا کا شہر سے شہر مندہ ہو کر ہوئے دشت
اے اسد، بجا ہے نازِ سجدهٗ حضورِ نیاز

● ۶۱۸۱۶ ●

قریٰ کا طوق، حلقہٗ بیرونِ دہے آج
تارِ نفس، کندہٗ شکارِ اثر ہے آج
سیلابِ گریہ، دریائے دیوار و در ہے آج
چشمِ کشودہ، حلقہٗ بیرونِ دہے آج
ہر رشتہٗ چاکِ جیب کا، تارِ نظر ہے آج
نورِ سپداغِ بزم سے جوشِ سحر ہے آج
پیراہنِ خشک میں غبارِ شمر ہے آج
دودِ چسپاغِ خانہٗ غبارِ سفر ہے آج
مرغِ خیال، بلبلِ بے بال و پر ہے آج

گاشن میں بند و بستِ بزرگِ دگر ہے آج م
آتا ہے ایک پارہٗ دل ہر فغاں کے ساتھ م
اے عافیت، کنارہ کر، اے انتظام، چل م
معزولیِ تپش ہوئی، افراطِ انتظار م
حیرتِ فروشِ مدِ نگرانی ہے، اضطراب م
ہوں داغِ نیمِ رنگیِ شام وصالِ یار م
کرتی ہے سا جزئی، سفرِ سونقن، تمام م
تا صبح ہے بہ منزلِ مقصدِ رسیدنی م
دورِ اوفتادہٗ چمنِ فشر ہے، اسد

● ۶۱۸۱۶ ●

حُبِ شبنم سے صبا ہر صبح کرتی ہے علاج
 طفلِ شوخِ غنچہ لگی، بسکہ ہے وحشی ناز
 چشمِ ست یار سے، ہے گردنِ مینا پر بات
 قہرمانِ عشق میں، حسرت سے لیتے ہیں خراج
 خرقہ، مستی نکالے برنگِ احتیاج
 حسرتِ فرصت جہاں دیکھتے حیرت کو رواج
 پہنچے ہر گاہ بخود بالیدنی رکھتا ہے آج

جنش ہر برگ سے، ہے گل کے لب کو اختلاج
 شاخِ کمالِ جنش میں ہے، گہوارہ آسا، ہر نفس
 سیر ملکِ حسن کر، مینخانہ ہا تذرِ محسار
 گرہ ہائے بیدلاں، گنجِ شرور در آستین
 رنگِ بزمِ جسم و جہاں نے از خمستانِ عدم
 ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالمِ مقیم
 اسے اسد ہے مستعدِ شانہ گیسو شدن

● ۶۱۸۱۶

جوں بوسے غنچہ ایک نفسِ آرمیدہ کھینچ
 دردِ طب بہ آبلہ نادِ میدہ کھینچ
 پائے نظر پہ دامنِ شوقِ دویدہ کھینچ
 اے غارِ دشت، دامنِ شوقِ رمیدہ کھینچ
 یک داغِ حسرتِ نفسِ ناکشیدہ کھینچ
 فرشِ طرب پہ گلشنِ نا آفریدہ کھینچ
 ساغرِ بارِ گوارِ مسایغِ رسیدہ کھینچ

بیدل نہ ناز و دشتِ عجیب و غریب کھینچ
 یک دشتِ خوں ہے، پر تو خور سے تمام دشت
 پیچیدگی، ہے سالِ طومارِ انفجار
 برقِ بہار سے ہوں میں پادِ حسنا متوز
 بخود پہ لطفِ چشمکِ عبرت ہے چشمِ صید
 بزمِ نظر میں بیفتہ طاؤسِ خلوتوں
 دریا بساطِ دعوتِ سیلاب ہے، آمد

● ۶۱۸۱۶

رفتار نہیں بیشترازِ لغزشِ پا، یسج
 ہستی نہیں جز بستیِ بیانِ وفا، یسج
 نظارہِ عتیر، چمنستانِ بقا، یسج
 فرصتِ تپش، و حوصلہ نشو و نما، یسج

قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ قفا، یسج
 حیرت، ہمسرا سراز پہ مجبورِ خموشی
 تمثالِ گدازِ آئینہ، ہے عبرتِ پیش
 گلزارِ دمیدن، اشورستانِ رمیدن

ہستی میں نہیں شوخی ایجاد صدا، تیغ
سامان دعا و حشت، اوتار رعا، تیغ
”عالم ہمہ افسانہ“ مسادارد و ما یوح

آہنگ عدم نالہ بہ کسسا رگزد ہے
کس بات پہ مغرور ہے، اے عجز تمنا؟
آہنگ اسد میں ہمیں جبر نغمہ بیدل

۶۱۸۱۶ ●

ہیں رقیبانہ ہم دست و گریباں گل و صبح
جامہ زیبوں کے اسدا ہیں، نہ داناں گل و صبح
ہیں دعا ہائے سحر گاہ سے خواہاں گل و صبح
بسکہ ہیں بے خود و وارفتہ و حیراں گل و صبح
غفلت آرامی یاراں پہ میں خنداں گل و صبح

دعویٰ عشق بتاں سے بہ گستاخاں گل و صبح
ساقی گل رنگ سے اور آہکتہ زانو سے
وصل آئینہ رخاں، ہم نفس یکہ دیگر
آئینہ خسانہ ہے صحن چمن تاں یکسر
زندگانی نہیں بیش از نفس چند، اسد

۶۱۸۱۶ ●

ہے غلاف، دُفخہ رخسہ شیدا، ہر یک رگ و باد
ہے سر مراغ صاف تیغ، فخر مستزاد
کیوں بنو دے آج کے دن، مکی کی روح شاد؟
مشکہ ہے تہذیب تہان زان، میں، سگر و سوار
گل ہوا ہے ایک زخم سینہ پر نواہان دار
آستر ہے خسر قہر تہاد کا، صوف میداد
مژدہ باد، اے آرزو سے مرکب خواب، مژدہ باد

بسکہ وہ پا کو بیاں در پردہ وشت میں یاد
طرز موزنی ہے صرف جنگ جو ٹہاے یاد
اتھ آیا زخم تیغ یار سا پہلو نشیں
کیجے آہوئے صحن کو فخر صداے طلب
ہم نے سوز زخم جنگ پر بھی زباں پیدا نہ کی
بسکہ ہیں در پردہ مصروف سیہ کاری تمام
تیغ و رکھ، کف بلب آتا ہے قاتل اس طرف

۶۱۸۱۶ ●

تو بہت فطرت اور خیال بہا بلند اے طفلِ خود معاملہ، قد سے عصا بلند

ویرانی سے، جز آمد و رفت نفس ہیں
رکھا ہے انتظارِ متا شاے حسنِ دوست
موقوف کیجیے یہ تکلف نگاریاں
قرآنِ اوجِ ریزی چشمِ حیا پرست
ہے، دہری، کھینگرِ ایجادِ یک نگاہ
بالیدگی نیازِ تہِ جانِ غزا، اسد

ہے کوچہ ہائے نئے میں، غبارِ صدا بلند
مشرکانِ بازماندہ سے، دستِ دعا بلند
ہوتا ہے، ورت، شعلہ رنگِ عوا، بلند
یک آساں ہے، مرتبہ پشتِ پا، بلند
کا پریشان جوئی چشمِ حیا بلند
درِ ہر نفس بقدرِ نفس ہے، قہر بلند

● ۱۸۱۶

حسرتِ دستگردِ پائے تختِ تاج چند؟
ہے بگیم سیرِ بختِ پریشاں، کاکل
کو کب بختِ بختِ روزِ پیرِ دودنہاں
چشمِ بے خونِ دل، و دل تہی از جوشِ نگاہ
بزمِ داغِ طرب، و باغِ کشادِ پرِ رنگ
نالہ و اہمِ بوس، و دورِ اسیری معلوم
جو ہر آئینہ شکرِ سخنِ سوئے و مارِ غ
سادگی ہے عدمِ قدرتِ ایجادِ غنا
استدینستہ، گر قمارِ دو عالم اوام

رگ گردن، خطِ پیانہ بے گل تاج چند؟
موشنِ اشنِ ریشہ سنبلِ تاج چند؟
عینکِ چشمِ جنوں، طعنے کاکل تاج چند؟
بہ زباں عرضِ فنونِ ہوسِ گل تاج چند؟
سمیعِ دگل تاکے؟ و پروانہ و بلبل تاج چند؟
شرحِ بر خودِ غلطیائے عمل تاج چند؟
عرضِ حسرت، پس زانوئے تامل تاج چند؟
تاکسی، آئینہ نازِ توکل تاج چند؟
مشکل آساں کن یک خلقِ توافل تاج چند؟

● ۱۸۱۶

پہ کامِ دل کریں، کس طرح گمراہی، فریاد؟
کھساں بستگی گل ہے رانِ آزادی
نوازشِ نفسِ آشنا کھساں؟ ورنہ

ہوئی ہے، لغزشِ پا، کھتِ زباں فریاد؟
نودستِ مشتِ پرو خوارِ آشتیاں فریاد
برنگِ نے ہے نہاں در ہر استخوانِ فریاد

ہوئی ہے محو بتقسیمِ استحاں فریاد
جہانِ دہلی جہاں سے جہاں جہاں فریاد
نزدستِ شیشہ دلی ہاے دوستانِ فریاد
خدا کے واسطے، اے شاہِ بکیاں فریاد

تغافلِ آئندہ دارِ خموشیِ دل ہے
ہلاکِ بینبری، نفسِ وجودِ عدم
جوابِ سنگِ دلی ہاے دشمنانِ ہمت
ہزار آفت و یک جانِ بے لوائے اسد

عشق از خطِ چکیدہ، ردِ فنِ مور
مردِ مکس سے ہے خالِ بر لبِ گور
بڑھ، ہے ریشہٴ رزِ انگور
نہیں شاہانِ حسن کا دستور
دشمنی ہے، وصال کا دستور
ہے کہاں قیصر اور کہاں معذور؟
اے اسد ہے، مہنوز دلی دور

شیشہٴ آتش، رخِ پر نور
بسکہ ہوں بعدِ مرگ بھی نگراں
بار لائی ہے دانہ ہاے سبرِ شک
ظلم کرنا گداے عاشق پر
دوستو، مجھ ستم رسیدہ سے
زندگانی پہ اعتمادِ غلط
کیجیے، جوں اشک، اور تظوڑتی

۶۱۸۱۶

ہے نفسِ تارِ شعاعِ آفتاب آئینے پر
غافلان، غشِ جان کر، چھڑکے ہیں آبِ آئینے پر
بیدلوں کو ہے براتِ اضطراب آئینے پر
جو ہر شمشیر کو ہے تیغِ تاب آئینے پر
مفتِ واگستر دنی ہے، فرشِ خواب آئینے پر
ہے تماشا، دشتِ رویوں کا عتاب آئینے پر
گر کرے رویوں امر، نہی بو تراب، آئینے پر
رکھ دیا پہلو بوقتِ اضطراب آئینے پر

بسکہ مائل ہے وہ رشکِ ماہتاب آئینے پر
پازگشتِ جادہِ پیماے رہِ حیرت کہاں؟
بدگماں کرتی ہے عاشق کو نود آرائی تری
نازِ خود بینی کے باعث، مجرمِ صد بیگناہ
تا تو انی نے نہ چھوڑا بسکہ بیش از عکسِ جسم
مدھی، میری صفائے دل سے ہوتا ہے نخل
سندِ اسکندر نے بسکہ نگاہِ گلِ رخاں
دل کو توڑا جوشِ بیاہی سے، فالت، کیا کیا؟

● ۱۸۱۶ ●

دنداں کا خیال، چشم تر، کر
آتی نہیں نیند، اے شب تار
اے دل، بخیال عارضِ یار
ہر چند اُمید دور تر ہو
میں آپ سے جوا چکا ہوں، اب بھی
افسانہ، اسد، بایں درازی
ہر دانہ اشک کو گہر کر
افسانہ زلفِ یار سر کر
یہ شامِ غم آپ پر سحر کر
اے غمِ سہل، سہی بیشتر کر
اے بے نصبری، اے خبر کر
اے غمزدہ، قصہ مخمر کر

● ۱۸۱۶ ●

بیش، یہ سہی ضبطِ جنوں، نو بہار تر
قاتل بہ غمِ ناز، و دل از زخمِ درگداز
ہے کسوتِ عروجِ تعافل، کمالِ حسن
سہی خرام، کاوشِ ایجادِ جملہ ہے
ہر بگردِ باد، علقہٴ خراکِ بندودی
اے چرخ، خاکِ بر سرِ تعمیرِ کائنات
بگھا ہوا ہوں عشق میں نقصاں کو فائدہ
آئینہ دارِ غمِ سیرت، و حیرتِ مشکِ یاس

دل، درگدازِ نالِ نگہِ آبِ تیار تر
شمشیرِ آبدار، و نگہِ آبِ دار تر
چشمِ سیر، بمبرگِ نگہِ سوگوار تر
جوشِ چکیدنِ عرق، آئینہ کار تر
مجنونِ دشتِ عشق، خیرِ شکار تر
لیکن بنائے عہدِ وفا استوار تر
جستِ کرنا اُمید تر، امیدوار تر
سیلابِ میقتدار، و استوار تر

● ۱۸۱۶ ●

فسونِ یک دلی ہے لذتِ بیدادِ دشمن پر
مختلف، خارِ قاربِ التماسِ بے تساری ہے
یہ کیا وحشت ہے اے دیوانے پیشِ از مرگِ وادیا
جنوں کی دستگیری کس سے ہو، اگر جو نہ عسریانی؟ م

کہ وجہِ برق، جوں پروانہ، بالِ افشاں ہے غمِ یار پر
کہ رشتہ باندھتا ہے پیرِ من انگشتِ سوزن پر
رکھی بے جا بتائے خانہٴ زنجیرِ شیون پر
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

م یونگ کا غنہ آتش زدہ، نیزنگ بیتابی
م فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
م ہم اور وہ بے سبب رنج، آشناؤں کو رکھتا ہے
م فنا کو سوتلے اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
م اسد بسمل ہے کس انداز کا؟ قاتل سے کہتا تھا

ہزار آئینہ دل باندھے سے بال یک پلیدن پر
مناجی بردہ کو سمجھے ہوئے میں قرض بہ نرنا پر
م شعاع بہرت، تہمت نگ کی چشم مسزن پر
م فروغ طالع خاشاک ہے مولود گلشن پر
م کہ "مشق ناز کر، غون رو عالم میری گردن پر"

● ۶۱۸۱۶

م صفائے حیرت آئینہ، ہے سامان رنگ آخر
م نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
خطِ نوخیز، نیل چشم زخم صافی عارض
م ہلال آہ سناہتی رہا، گر لٹاؤ نہاے دل چاہے
م تڑپ کر گیا وہ صید ہال انساں کو مضطر تھا
م لکھی یاروں کی بدستی نے متحانے کی پامالی
اسد، پیری میں بھی آہنگ شوق یار قائم ہے

تغیر آبِ برجاماندہ کا، اپنا سپ رنگ آخر
ہوا جام زمر و بھی، مجھے، داعِ پلنگ آخر
لیا آئینے حیرت پر طوطی بھنگ، آخر
ہوا مر، کثرت سرمایہ اندون کے تنگ آخر
ہوا اسور چشم تغیرت، زخم خدنگ، آخر
ہوئی قطرہ فشانے ہائے بے باران سنگ آخر
نہیں ہے نغمے سے خالی، خمید نہاے چنگ آخر

● ۶۱۸۱۶

دیا یاروں نے بے ہوشی میں درماں کا زہر آخر
م رگِ گل، جادہ تارِ نگر سے حد موافق ہے
م غرور ضبط، وقتِ نزع ٹوٹا بے قراری سے
م ستم کش صحت سے ہوں مکر خباں تہ پہ عشق میں
اسد کی طرح میری بھی، بغیر از صبح رخصتوں

ہوا تکتے میں آئینہ دوستِ طیب، آخر
م طیس گے منزلِ افتد میں ہم اور غنہ لب، آخر
م نیازِ پرفشانی ہو گیا صبر و شکیب، آخر
م تکلف بر طرے، مل جائے گا تجھ سارِ قیب، آخر
ہوئی شامِ جوانی، اے دلِ حسرتِ نصیب، آخر

۱۸۱۶ء

ہے انبِ مشاطہ میں آئینہ گلِ ہنوز
حیرتِ آئینہ ہے جیسے آئینِ ہنوز
یادِ گئے شمشاد سے شائے سبیلِ ہنوز
نہیں آتے وہ ساقی بے گلِ ہنوز
شاخِ گلِ نغمہ ہے، تارِ بلبِلِ ہنوز
شیشہ بے یارہ سے چاہت ہے قفلِ ہنوز

حسنِ خود آرا کو ہے شوقِ تفلِ ہنوز
سارگِ یک خیال، شوخِ صد رنگِ نقش
سارو، و پیرکارِ تر، نصال و ہشیارِ تر
ساقِ رُفعلیمِ رن، محفل و تمکیمِ گراں
شغلِ ہوس، درِ نظر، یک حیا بے خبر
دل کی سداے شکست سنانِ لڑ، ہے اسد

۱۸۱۶ء

غنجے میں دل تنگ ہے، حوصلہ گلِ ہنوز
ہے مژدہ خوانِ ناک ریشہ سبیلِ ہنوز
ہے تہِ بالِ پری بیضی بلبِلِ ہنوز
دامِ تہِ سبزہ ہے، حلقہ کاکلِ ہنوز
جو ہر انسان ہے عرضِ بختِ ہنوز
شش بہت اسباب ہے بزمِ نکلِ ہنوز

چاکِ گریب، کر ہے ربطِ آئینِ ہنوز
دل میں ہے، سوداے زلف، سب تغافلِ ہنوز
پرورشِ نالہ ہے وحشتِ پرواز سے
عشقِ گمیں نگاہِ درد، وحشتِ رن، دور گرد
لذتِ تفسیرِ عشق، پر دگی گوشِ دل
آئینہ امتی، تدبیرِ تغافل، اسد

۱۸۱۶ء

وہ سبزہ سنگ پر نہ آگ، کو بچن، ہنوز
ہے داغِ عشقِ ازنتِ جیبِ کفنِ ہنوز
ہوں گلِ فروغِ شوقِ داغِ کہنِ ہنوز
خیازہ کہنے ہے بت بے دارِ فنِ ہنوز
ہے ربطِ شک و داغِ سوادِ عینِ ہنوز

لے گا نہ دُعا ہے ہوائے چمنِ ہنوز
خامِ بچے نہ جان کر مانندِ صبح و ہوسِ م
ہے نازِ مخلصاں زیرِ از دستِ رفتہ پر م
نے خانہِ جگر میں یہاں خاکِ جی نہیں م
یارِ بے ادب و مست ہے کس کا، جگہ کا:

جوں جاوہ، سر پہ کوئے تنائے بیدلی
میں دور گھر دق سرب بساط نگاہ تھا
تھا مجھ کو خار خار جنوں و غم اسد

● ۶۱۸۱۶

میں ہوں سراب یک پیش آنسو خشن ہنوز
اے شعلہ، فرستے کہ سو یادے دل سے ہوں
فانوس شمع ہے کفن کشتگان شوق
بختوں، صنوں شعلہ خرامی فغان ہے
گو یک شر بہر سارہ چہر اٹاں کروں، اسد

● ۶۱۸۱۶

داغ اطفال ہے دیوانہ بکھار ہنوز
خانہ ہے، سیل سے، خو کردہ دیدار ہنوز
آئی یک عمر سے معذرت متاثر گس
کیوں ہوا تھا طرف آبلہ پا، یارب؟
وسعت سعی کرم دیکھ، کہ سرتا سر خاک م
یک قلم کاغذ آتش زدہ ہے، مظلومت م
ہوں خموشی چمن حسرت دیدار اسد

مہ بندھا تھا بوم نقش دل مور ہنوز
سبزہ ہے لوک زبان دہن گور ہنوز
صد عبتی کدہ ہے صرف جبین غربت

زنجیر پا ہے رشتہ سخت الوطن ہنوز
بیسرون دل نہ تھی پیش انجمن ہنوز
سوزن میں تھا نہفتہ گل پیر من ہنوز

زخم جگر بے تشنہ لب دو خشن ہنوز
کشت سپندہ صد بگر اندھن ہنوز
در پردہ ہے معامد سو خشن ہنوز
ہے شمع جادہ ادایغ یفر و خلق ہنوز
یزم طسرب ہے سپردگی سو خشن ہنوز

خلوت سنگ میں ہے نالہ طلبکار ہنوز
دور میں در زدہ ہے رخنہ دیوار ہنوز
چشم شبنم میں نہ ٹوٹا شرہ خسار ہنوز
جادہ ہے داشتن پیش طومار ہنوز
گزرے ہے آبلہ پا، ابر بگر بار ہنوز م
نقش پامیں ہے تب گرمی رفتار ہنوز م
شرہ ہے شانہ کش طرہ گفتار ہنوز

تب سے ہے یاں دہن یار کا مسد کور ہنوز
حسرت عرض تمنا میں ہوں رنجور ہنوز
پیر من میں ہے غبار کشتہ طور ہنوز

زخمِ دل میں ہے نہاں چھہ پیکانِ شمار
پاپڑاں از آبلہ راہِ طلبِ سے میں ہوا
گل کھلے، غنچے چکھنے لگے اور صبح ہوئی
اے اسد، تیرگیِ بختِ سیدِ ظاہر ہے
۶۱۸۱۶ ●

جس لوہے باغ ہے درپردہ ز سوراہہ
ہاتھ آیا نہیں یک دانہ، جگور ہنوز
سرخوشِ خواب ہے وہ نرگس مخمور ہنوز
نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیکور ہنوز

کو بیابانِ تنہا و کجا جولانِ عجز؟
ہو قبولِ کم نگاہی، تھنہ اہلِ نیاز
بوسہ پا، انتخابِ بدگمانی ہاے حسن
حسن کو غنچوں سے ہے پوشیدہ چٹھی ہاے آزار
اضطرابِ تار سائی، مسایہ شرمندگی
وہ جہاں مسند نشین بارگاہِ ناز ہو
بسکہ بے پایاں ہے محلِ محبت، اے اسد
۶۱۸۱۶ ●

آبلے پاکے، میں یاں رفتار کو دندانِ عجز
اے دل لائے جانِ ناز، لے دین والے ایمانِ عجز
یاں مجھ کو عجز سے تا سجدہ ہے جولانِ عجز
عشق نے واکی ہے ہر یک خار سے شکرگانِ عجز
ہے عرقِ ریزیِ فحلت، جوشِ طوفانِ عجز
قامتِ فیاں، ہو محرابِ نیازستانِ عجز
گرد باد اس راہ کا، ہے عقدہ پیمانِ عجز

حاصلِ دستگی ہے عسیر کوثر اور بس
کیوں نہ طوطیِ طبیعتِ نغمہ پیرائی کرے
اے ادا فہماں، عدا ہے تنگیِ فرستہ نول
تیز تر ہوتا ہے شرمِ تندخو یاں عجز سے
سنتی راہِ محبت، منہجِ وحلِ غیر ہے
اے اسد، ہم خود اسیں رنگ و بوے باغ ہیں

وقفِ عرضِ عقدہ ہاے متصل تارِ نفس
باندھتا ہے، رنگِ گل، آئینہ تاپاکِ قفس
بے بہ محرابِ تیر، چشمِ ستر بانی، جس
ہے رگِ سنگِ فسانِ تیغِ شعلہ، خارِ حس
تیغِ تابِ جاہ ہے ریاں جو ہر تیغِ عسوس
ظاہر، صیادِ نادان ہے گرفتارِ ہوس

دشتِ الفت میں ہے خاکِ کشتگاںِ محوس
۶۱۸۱۶ ●

تیغِ تابِ جاہ، ہے خطِ کفِ افسوس و بس

نیم رنگیائے شمع محفلِ خروباں سے ہے
ہے نقور میں نہاں سرمایہ صد گستاں
کفر ہے، غیر از دُفِ رشوق، پریر ڈھونڈ دینا
یک جہل گلی، تختہ مشقِ شگفتن ہے اعد

پچکب مدد صرف چاک پرہہ فانوسِ دہس
کاسم زانو، ہے مجھ کو بیضہ طاقوں دہس
راہِ محرابِ تم نے ہے، جو میں بنا قوس دہس
غیرِ خاطر رہا، انسر دگی مانوس دہس

● ۱۸۱۶ ●

کرتا ہے، میا دیت رنگیں، دلِ مایوس
تھا خوابِ میر، کیا جلوہ پرستارِ زلیخا؟
حیرت سے تھے جلے کی، از لیکہ میں بے کار
دریا فتنِ صحبتِ اغیار غرق ہے
ہے مشق، اسد، دستگیرِ وصل کی منظور

رنگ ز نظر رفتہ، رخائے کعبِ انوس
ہے بالمش دل سوختہ سجاں میں، پر طاقوں
خور، قطرہِ بکشم میں ہے، جوں شمعِ بلاقوں
اے نامہ سماں، نامہ رسا چاہیے جاسوس
ہوں خاک نشیں از پے ادراکِ قدوس

● ۱۸۱۶ ●

ہوئی ہے لیکہ صرفِ مشقِ تمکین بہار، آنش
شرابِ رنگ، بعد اظہارِ تابِ جلوہ تمکین
گناہِ موم ہے انسونِ ربطِ پیکرِ آرائی
نہ بیوس گئی، جس جو ہر طراوت، سبزہ خط سے م
فردِ غ حسن سے ہوئی ہے مسلّا مشکلِ عاشق م
خیالِ دردِ تھا، سرِ جوشِ سوراخِ غلط، ہمیں
ہوائے پر نشانی، برقِ فرخِ ہلے خاطر سے
نہیں، برق و شر، جزوِ حشتِ درِ غلط پیدا
دہویں سے آگے، اک ابر دریا بارِ پید

بہ اندازِ حسن، ہے رونی دستِ چنارِ آنش
کے ہے رنگ پر، خورشید، آبِ بدائے کارِ آنش
مکاتے کب، نہاں شمع ابے، تخمِ شرارِ آنش
لگا دے خانہ آئینہ میں، روئے ہنگارِ آنش
نہ بکلی شمع کے پاس سے نکلتے گھر نہ تھا، آنش
انکر کھنی نہ خاکِ تر نشینی کا غبار، آنش
بہاں شعلہ ہے تاب ہے پروانہ زارِ آنش
بلا گریبان ہے پردا، خرا میہائے یار، آنش
اسد، دیدہ پرستوں سے اگر ہو دے دربارِ آنش

● ۱۸۱۶ ●

باقلم سخن ہے جلوہ گرد سوار، آتش
اگر مضمون خاکستر کرے دیباچہ آرائی
کرے ہے لطف انداز برہنہ گوئیِ خواباں
دیادارِ جگر کو آہ نے سداں شگفتن کا
اسد، توت سے حیدر کی، ہوئی ہر گرد و ترسا کو

۶۱۸۱۶

کہ ہے، دردِ پاغاں سے، بیکسہ مبداءِ آتش
نہ باندھے شعلہ بھولہ غیر از گردِ باد، آتش
بتقریب ز شہاے سطرِ شعلہ یار، آتش
ہو یا لیدہ، غیسرا ز جفتن و اماں بار، آتش
شرارِ سنگ بت بہرِ بائے اعتقاد، آتش

جادہ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
شعاع سے ہے، بزم، انگشتِ تیز دردِ ہن
جوں پیرِ طاووس و جوہرِ تختہ مشقِ رنگ ہے
رخشنِ بھرت سسرشتاں، سینہ صافیِ شکش
چار سوے دہر میں باز پر غفت گرم ہے
آشنا، غالب، نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا

۶۱۸۱۶

چرخ واکر تاب، ماہِ نو سے آغوشِ وداع
شعلہ آوازِ خواباں پر ہنگامِ سماج
بکہ ہے وہ قبلہ آئینہ عوِ اختراع
جو ہر آئینہ ہے یاں، گردِ میدانِ نزارِ
عقل کے نقصاں سے اخصا ہے خیالِ ارتفاع
ورنہ کس کو میرے انسانے کی تابِ استماع؟

رخِ جگر سے ہے سوزِ جسادانیِ شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ، خاموشی
کرے ہے، ہرٹ با یساے شعلہ، قصہ تمام
غم اس کو حسرتِ پروانہ کلے، اے شعلہ
تسہ خیال سے روحِ احسرا ز کرتی ہے
نشاطِ دارغ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
بیلے، دیگو کے باہن یار پر بھسکو

ہوئی ہے، آتشِ گل، آبِ زندگانیِ شمع
باتِ بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع
بطرِ ز اہلِ فنا ہے، فسانہ خوانیِ شمع
تمہے لڑنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع
بجلوہ ریزیِ باد، و بپیرِ نشانیِ شمع
شگفتگی، ہے شہیدِ گلِ خزانہِ شمع
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

۶۱۸۱۶

عشاق، اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ
جوں چشم، باز ماندہ ہے ہر یک لبوے دل
بے لالہ عارضوں مجھے گلگشتِ باغ میں
جوں اعتماد نامہ و خط کا ہو مہر سے
ہوتے ہیں محوِ جلوہ خورشید، ستارگان
وقتِ خنیاں خیلوہ حسنِ بتاں، اسد

دیتا ہے اور، جوں گل و شبنم، بہارِ داغ
رکھتا ہے داغِ تازہ کایاں انتظار، داغ
دیتی ہے، گرمی گل و بلبل، ہزار داغ
یوں عاشقوں میں ہے سب اعتبارِ داغ
دیکھ اس کو دل سے مٹ گئے بے اختیارِ داغ
دکھلانے ہے مجھے دو جہاں لالہ زارِ داغ

۶۱۸۱۶

لبیلوں کو دور سے کرتا ہے منہ بازِ باغ
کون آیا جو چین بیتابِ استقبال ہے؟
میں ہمہ حیرت، جنوں بیتابِ دورانِ خسار
آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشنے ہے فروغ
کون گل سے منع و خاموشی بلبل کہہ سکے؟
جوشِ گل، کرتا ہے استقبالِ تحریرِ اسد

ہے، زبانِ پاسباں، خارِ سر و دیوارِ باغ
جنشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ
مردمِ چشمِ متانت، نقطہ پر کارِ باغ
ہے دلِ سر و صبا سے، گرمیِ بازارِ باغ
نئے زبانِ غنچہ گویا، نے زبانِ خسارِ باغ
زیرِ مشقِ شعر، ہے نقشِ از پئے احضارِ باغ

۶۱۸۱۶

نامہ بھی لکھتے ہو، تو بجز غبار، حیف!
میش از نفسِ بتاں کے کرم نے وفائے کی
تھی میرے ہی جلانے کو، اے آہِ شعلہ ریزہ
گل، پیرہ ہے کسو خفقیانی زاج کا

رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت، ہزار حیف!
تھا مسلسل نگاہ بدوشِ شہزادِ حیف!
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شہزادِ حیف!
گھر اری ہے بیمِ خزاں سے بہارِ حیف!

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے م اے ناتمامی نفس شعلہ بار، حیث
 بیم رقیب سے نہیں کرتے و ذاع ہوش
 ہیں میری مشت خاک سے اس کو گدو تیں
 بتا، اسد، میں سمرقند چشم رکاب یار
 مجبور یاں تاک ہوئے، اے اختیار، حیف!
 پانی جگہ بھی دل میں، تو ہو کر غبار، حیف!
 آیا نہ میری خاک پہ وہ شہ سوار، حیف!

● ۶۱۸۱۶ ●

عسّی مہرباں ہے شفا ریزیک طرف
 سنجیدگی ہے ایک طرف رنج کو بہن
 خرمین بباد دادہ دعویٰ میں ہو، سو ہو
 مفت دل و جگر، فلش غمزہ ہائے ناز
 ہمسر متوا بدن پر شہپر پرواز ہے سبھے
 یک جانب، اے اسد، شبِ فرقت کا بیم ہے

● ۶۱۸۱۶ ●

درد آفرین ہے طبع الم خیریک طرف
 خواب گرانِ خیر و بد ویزیک طرف
 ہم یک طرف میں، برقِ شہر و بیت، یک طرف
 کاوش و سر و شہر، شرّہ و تیزیک طرف
 بے تابی دل تپش انگیزیک طرف
 دام ہو س ہے، زلفِ دلاویز، یک طرف

اے آرزو! شہیدِ وفا! خوں پہا نہ مانگ
 گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت، دعا نہ مانگ م
 آتا ہے، داغِ حسرتِ دل کا شمار، یاد م
 گستاخی وصال ہے مشاطہ نیاز
 ہم ہم ہے، بزمِ غنیمت، بیک جنبشِ نشاط
 عیسیٰ، طبرسم حسنِ تغافل ہے، زمینہار
 میں دور گردِ عسکری رسومِ نیاز ہوں
 نظارہ دیگر، و دلِ نغمیں نفسِ دگر
 یک بخت اوج، تدریکِ باری، اسد
 جزیرِ دست و بازو سے قاتل، دعا نہ مانگ
 یعنی، بغیریک دل بے مدعا نہ مانگ
 مجھ سے مرے گنہ کا حساب، اے خدا نہ مانگ
 یعنی، دعا بجز خشمِ زلفِ دو تانہ مانگ
 کاشا نہ بسکہ تنگ ہے تغافل، ہوا نہ مانگ
 جز پشتِ چشم، نسخہ عرضِ روا نہ مانگ
 دشمن سمجھ، و لے جگہ آشنا نہ مانگ
 آئینہ دیکھ جو، سرِ برگِ بخت نہ مانگ
 سر پر، و بالِ سایہ بالِ ہمانہ مانگ

۶۱۸۱۶

غافلان، نقہ سال سے پیدا ہے کمال
روزِ روشن، شام آں سوئے تخیال
ہے نہالِ شکوہ، زحمانِ بے حال
عکسِ داغِ مدہ، ہوا عارض پہ خال
ورنہ تھا خسرِ شدیدِ دستِ سوال
سایہ آسا ہو گیا ہے پامیال
چغنے، منتقارِ گل ہو زیرِ پال

بدر، ہے آئینہ طاقِ ہلال
ہے بیادِ زلفِ مشکیں سال و ماہ
لہکے ہے اصل، دیندہا، عباہ
صافی رخ سے ترے، ہنگامِ شب
نور سے ترے ہے اس کی روشنی
شورِ خسرِ آں فتنہ قامت کے حضور
ہو جو بے بل پیر و فکرِ اسد

۶۱۸۱۶

اک سفیدی مارتی ہے دور سے چشمِ غزال
طوقِ قمری میں ہے سروِ باغ، زحمانِ بے حال
آخر اس پر دے میں تو، تھی اے نگر وصال
جلوہ خسرِ شدید سے ہے گرم، پہلوئے ہلال
نوں پہاے یک جہاں امید ہے، تیرا تخیال
نوں ہوا دل تا جگر، یارب، زبانِ شکوہ لال
مالِ تنہی کو مباح اور خونِ صوفی کو حلال

ہوں، بوشت، انتظارِ آوارہ دشتِ خیال
ہے نفسِ پروردہ، گلشنِ کس ہولے بام کا؟
ہم غلط سمجھے تھے، لیکن زخمِ دل پر جسمِ کر
بیکسی افسردہ ہوں، اے ناتوانی، کیا کروں؟
شکوہ دردِ دردِ دل، اے یوفا، معذور رکھ
عرضِ دردِ یوفائی، بوشتِ اندیشہ ہے
اُس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے، اسد

۶۱۸۱۶

جوں زلفِ یار، ہوں میں سراپا شکستہ دل
ہوں، جوں غلطِ شکستہ بہرِ جا شکستہ دل
ہے چشمِ اشکِ ریز سے، دریا، شکستہ دل
صہبا فسادہ، خاطر، و مینا شکستہ دل

ہر عضو، غم سے ہے شکن آں شکستہ دل
ہے سرِ نوشت میں رقم و اشکِ تنگی
امواج کی جو یہ شکنیں آشکار ہیں
نامازیِ نعیب، درشتیِ غم سے ہے

ہے سنگِ ظلمِ چرخ سے مینا میں، اسد
امید نا امید و ثنا شکتہ دل

● ۶۱۸۱۶ ●

بہرِ عرضِ حالِ شبِ نیم سے رقمِ ایسا دھل
گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد، گل
گر یہ بزمِ بارغ، کھینچے نقشِ رندے یار کو
دستِ زنجیں سے جو رخ پر واکرے زلفِ رما
سعی عاشق ہے دروغِ انراے آبِ رندے کار
ہے قصور، صافی قطعِ نظر از غیبرِ یار
گھٹنِ آبادِ دلِ مجبورِ حرم میں ہو جائے ہے
برقِ سامانِ نظر ہے، جلہٴ بیباکِ حسن
خاک ہے عرشِ بہارِ صدِ گھاہِ ستاں، اسد

● ۶۱۸۱۶ ●

گرچہ ہے یکِ بیضہٴ طاووسِ آسانگ، دل
بیدلوں سے ہے تپش، بوں خواہش، آبِ زہرِ آب
رشتہٴ فہیدِ مسک ہے پر بندِ کودتہ
ہوں زیاۃٴ اندازِ یادِ حسنِ سبز
شوقِ بے پروا کے ہاتھوں، گلِ سازِ نارِ ست
اے اسد، فاش ہے طوطیِ شکرِ گستاخِ طبع

● ۶۱۸۱۶ ●

اثرِ کمندیِ فسیادِ نارِ معلوم
بقدرِ حوصلہٴ عشقِ حبسِ دینِ کا ہے
بہارِ درگروِ غنچہٴ شہرِ جولاں ہے
بنال، حاصلِ دلبستگیِ فتراہم کر

ظاہر ہے اس چمنِ میلادِ سادرِ زاد، گل
غنچے سے متعارفِ بسیلِ وارِ ہوشیار، گل
شہسازِ ہو جائے قضا خانہٴ بہرِ آزاد، گل
شاخِ گل میں نہاں، بوں شانہٴ درشماں، گل
ہے شہزادِ میسر، بہرِ تربتِ فرہاد، گل
محبتِ دل سے لارے ہے، شمعِ خیالِ آباد، گل
غنچہٴ پیساںِ شاخِ ناوکِ صیاد، گل
شمعِ خلوتِ خانہٴ کیمے ہرچہ بارِ آباد، گل
حسرتیں کرتی ہے، میری خاطرِ آزاد، گل

ہے چمنِ سرمایہٴ بالیدنِ صدِ رنگ، دل
ہے شرِ مودِ دم، اگر رکھتا نہ ہوئے رنگِ دل
عقدہٴ سال ہے کیسہٴ زہرِ پتیاںِ تنگِ دل
کس قدر ہے نشہٴ فرسائے غمِ رنگ، دل
کھینچتا ہے آج نلکے خارجِ از آہنگِ دل
ظاہر رکھتا ہے آئینہٴ اسیرِ رنگِ دل

غبارِ تال، کہیں صفا و مہرِ معلوم
وگر نہ خاندانِ آئینہٴ کی فنا معلوم
ہریمِ ناز، عجزِ تنگیِ قبا معلوم
مناجِ خاندانِ زنجیر، مجزِ صدِ معلوم

بسرگ، تکیہ آسائش فنا معلوم
سراغ پیکر قہر آشنا معلوم
وگر نہ دلبری وعدہ وفا معلوم

طہر خاک، کہیں گاہ یک جہاں سودا
تکلف، آئینہ دو جہاں مدار ہے
اسد فریفتہ انتخاب طرز بحثا

۶۱۸۱۶

رقیب تمنائے دیدار ہیں ہم
عبث عمل آراءے رفتار ہیں ہم
کہ ضبط تپش سے شرکار ہیں ہم
بگمبان دلسائے اغیار ہیں ہم
بہار آفرینا، گنہگار ہیں ہم
نگہ آشنائے گل و غار ہیں ہم
بحوم تمنائے لاچار ہیں ہم

از اغباء کسرت کش یار ہیں ہم
رمیدن، گل باغ و امساندگی ہے
نقش ہو نہ معزول شعلہ درودن
تفاقل، کہیں گاہ، وحشت شناسی
تساوائے گلشن، تمنائے چیدن
نہ ذوقِ گریباں، نہ پرواے داماں
اسد، شکوہ کفر و دعانا سپاسی

۶۱۸۱۶

حسرت کدہ عشق کی ہے آب و ہوا گرم
پھولوں کو ہوئی باد بہاری وہ ہوا گرم
جوں برق ہے پچیدگی بندِ قبا گرم
جوں پنجرہ شریذ ہوا اے دستِ دعا، گرم
کی ہے دل سوزاں نے مرے پہلو میں جا گرم
میں رشک سے ہوں آتشِ خاموش، رہا گرم

یاں اشک جدا گرم ہے، اور آہ جدا گرم
اُس شعلے نے گلگوں کو جو گلشن میں کیا گرم
واکر سکے یاں کون بجز کاوشِ شوخی
گر ہے سرِ در یوزگی جلوہ دیدار
یہ آتش ہمایہ کہیں گھر نہ جلا دے
غیروں سے اُسے گرم سخن دیکھ کے، غالب

موئے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیما نہ ہم
پنجرہ شریذ کو سمجھے ہیں دستِ شانہ ہم
نیل سے، فرشِ کتاں کرتے ہیں تاویرا نہ ہم
آشنا تعبیرِ خوابِ سبزہ بے گانہ ہم
ہوں زبانِ شمع، داغِ گرمی افسانہ ہم

بسکہ ہیں بدستِ بکن بکن مینخانہ ہم
بسکہ ہر یک موئے زلف، آتش سے ہے تارِ شعاع
ہے فروغِ ماہ سے، ہر موج، اک تصویرِ چاک
مشقِ از نورِ فتنگی سے ہیں گلزارِ خیال
فرطِ بے نوابی سے ہیں شبِ ہائے ہجر یار میں

جانتے ہیں، بوششِ سوداے زلفِ یار میں
بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
شامِ غم میں، سوزِ عشقِ آتشِ رخسار سے
غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو شیشِ ازیکِ نفس
مخفیوں پر ہم کرے ہے، گنہگارِ بازِ خیال
باوجودیکہ جہاں ہنگامہ، پیدائی نہیں
ضعف سے ہے، نئے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
دامِ المجلس اس میں ہیں لاکھوں تنائیں کاسد

سنبُلِ بالیدہ کو موئے سیرِ دیوانہ ہم
چپکے چپکے جلتے ہیں، جوں شمعِ غلوخانہ ہم
پر نشانِ سوختن ہیں، صورتِ پروانہ ہم
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم
میں درق گردانی نیرنگِ یک بختانہ ہم
میں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم
میں وہاں کچھ صفا، ہمتِ مردانہ ہم
جانتے ہیں سینہ پر بخوں کو زنداں خانہ ہم

● ۶۱۸۱۶

جس دم کہ جاہِ وار ہوتا رہِ نفسِ تمام
کیا ہے صدا؟ کہ گفتِ گم گشتگان سے آہ
ڈرتا ہوں کو چہ گردی بازارِ عشق سے
اے بالِ اضطراب، کہاں تک فسر دگی؟
گزرنا جو آشیایں کا نقوڑ بوقتِ بند
کرنے نہ پائے ضعف سے شورِ جنوں، اسد

پیمائشِ زمینِ رہِ عمر بس تمام
ہے سرمہ، گردِ درہ، بگولے جرمِ تمام
ہیں، نمازِ راہ، جو ہر تیغِ عکسِ تمام
یک پر زدن پیش میں ہے بہارِ نفسِ تمام
جز گمانِ چشمِ دام ہوئے باغِ وحشِ تمام
اب کے بہارِ کالیو میں گزرا برسِ تمام

● ۶۱۸۱۶

خوش و خوشی کہ عرصِ جنون فنا کروں
گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا نگہ کروں
آئے بہارِ تازہ، کرتیسرے خرام سے
خوش او فتادگی! کہ بہ محرابِ انتظار
صبر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیرِ چاک
وہ بے دماغِ منتِ اقبال ہوں کر میں

جوں گردِ راہ، جسامتِ ہستی قبا کروں
موجِ غبار سے پر یک دشتِ دا کروں
دستارِ گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں
جوں جاہ، گردِ درہ سے نگہ سرمہ سا کروں
درد اور یہ کہیں کہ رہِ نالہ وا کروں
وحشت بہ داغِ سایہ بالِ ہما کروں

وہ اتماس لذت بیداد ہوں کہ میں
وہ رازِ نالہ ہوں کہ بشرِ نگاہِ عجز
لوں وام بختِ حققتہ سے یک خوابِ خوش، لے م
قینِ ستم کو پشتِ تہم العجا کروں
افشاں، غنبا پر سے فردِ صدا کروں
غالب، یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

۶۱۸۱۶

کسو کو زِ خود رستہ کم دیکھتے ہیں
خطِ لختِ دل یک قسم دیکھتے ہیں
سرابِ یقین میں پریشاں نگاہاں
کہ ہم بیہوشِ طوطی ہند، غافل
کہ آہو کو پا بسندِ رم دیکھتے ہیں
ہرزہ کو جوا، سرِ رستم دیکھتے ہیں
اسد کو گرازِ چشمِ کم دیکھتے ہیں
تہِ بالِ شمعِ حرم دیکھتے ہیں

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں م
دلِ آشتِ گناہِ خالِ کجِ دہن کے م
ترے سروِ قامت سے، یک قدمِ آدم م
متا شا کہ، اے محوِ آئینہ داری م
سُراغِ لُفِ نالہ لے داغِ دل سے م
بنا کر فقیروں کا، ہم بھیس، غالب م
خیاں خیاں خیاں، ارم دیکھتے ہیں
سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
قیامت کے نقشے کو کم دیکھتے ہیں
تجھے کس متناس سے ہم دیکھتے ہیں
کہ شبِ رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
متا شا اے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

۶۱۸۱۶

مُتِ مُردِ یک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں م
جوں مُردِ یک چشم میں ہوں جمع، نگاہیں
پھر حلقہ کاکل میں پٹریں دیدہ کی راہیں
پایا سیرِ ہر ذرہ، جگر گوشہ و حشت
ہیں جمع، سویدا سے دلِ چشم میں آہیں م
خوابِ سیدہ بکرت کدہ داغِ نایں آہیں
جوں دودِ فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں
ہیں داغ سے مسور، شقایق کی نگاہیں

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ ہرگانِ خود آراء
دیروِ محرم، آئینہٴ سحرِ ارمنا
یہ مطلع، اسد، جو ہر افسونِ سخن ہو
سرت کش یک جلوہٴ معنی ہیں نگاہیں

آئینے کے پایاب سے اتری ہیں سپاہیں
وامسا ندگی شوق تراشے ہے بیاہیں
گر عسریٰ تپاکِ نفس سوختہ چاہیں
کھینچوں ہوں سویدارے دلِ چشم سے آہیں

۶۱۸۱۶

بس جا کہ پائے نیل بلا درمہاں نہیں
س جرم سے ہے چشمِ بختیے حسرتِ قبول
ہر رنگ گردش، آئینہٴ ایجاوِ درد ہے
جز عجز کیا کر رہے تمنا ہے بخوریا؟
عبرت سے پوچھ درد پریشانی نگاہ
گل، جھلکی میں غرقہٴ دریاے رنگ ہے
برقی عیان جو مسد آتشِ فگن، اسد

دیوانگیاں کو واں ہو سنا فناں نہیں
برگِ جن مگر بڑھِ غوں فناں نہیں
اشکِ سحاب، جز بو و ابرِ خسراں نہیں
طاقت، حریفِ سختیِ خوابِ گراں نہیں
یہ گرد و ہم جز بسرا امتحاں نہیں
اے آگہی، فسریبِ تماشا کہاں نہیں
اے دلِ فسرہ، طاقتِ ضبطِ فناں نہیں

۶۱۸۱۶

مرگِ شیریں ہو گئی تھی کوہن کی منکر میں
فرست یک چشمِ حیرت، شش دہت آغوش ہے
وہ غریبِ وحشت آباد قسلی ہوں منجھ
سایہٴ گل داغ، و جوشِ نکتِ گل موجِ دو د
خالی استی، خارِ خارِ وحشتِ اندیشہ ہے
غفلتِ دیوانہ، جز تہسیدِ آگاہی نہیں
مجھ میں اور محبوں میں، وحشت سازِ دعا ہے، اسد

تھا، حریرِ سنگ سے قطعِ کفن کی منکر میں
ہوں پسند آسا، و دارِ ابنِ منکر میں
کو چہ دے ہے زخمِ دل، صبحِ وطن کی منکر میں
رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی منکر میں
شوخی سوزن ہے تاراجِ چمن کی منکر میں
مغزِ سرِ خوابِ پریشد ہے سخن کی منکر میں
برگِ برگِ بید ہے ناخنِ زدن کی منکر میں

۶۱۸۱۶

اشکِ چشمِ دام ہے، ہر دانہ صیاد، یاں
نیشِ زنبورِ عمل، ہے نیشِ قفسار، یاں
ہے، زبرِ گل بھی، نظر میں جو ہر فولاد، یاں
کمترینِ مزدورِ سنگیں دست ہے، فنا، یاں
ہے تماشا کرنی گلچینی جلا، یاں

ہے ترخسِ آفریں، آرایشِ بیدار، یاں
ہے، گدازِ موم، اندازِ چکیدن ہائے خوں
ناگوار ہے میں، احسانِ صاحبِ دولتوں
جنشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کاروا
قطرہ ہائے خونِ بسملِ زیبِ دامن ہیں، اسد

● ۶۱۸۱۶

یک طرف جلتا ہے دل، اور یک طرف جلتا ہوں میں
مدعا گم کردہ، ہر سو، ہر طرف جلتا ہوں میں
بے تکلف آپ پیدا کر کے تھ جلتا ہوں میں
جوں چمرِ افغانِ دِوآئی، صفِ بھفہ جلتا ہوں میں
بے محل، اے مجلسِ آراءِ نجف، جلتا ہوں میں

اے نواسا نہ تماشا، سرکف جلتا ہوں میں
شمع ہوں، لیکن پیادہ رفتہ خارِ جستجو
ہے، مساسِ دستِ افسوس، آتشِ ایگزٹیشن
ہے تماشا گاہِ سوزِ ناز، ہر یک عضو تن
شمع ہوں، تو بزم میں جلا پاؤں غالب کی طرح

● ۶۱۸۱۶

برنگِ جامہ، سر کوئے یار رکھتے ہیں
جنونِ مسرتِ یک جامہ وار رکھتے ہیں
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں
یہ ایک پیرہنِ زرخار رکھتے ہیں
گزشتگان، اثرِ انتظار رکھتے ہیں
ہزار دل پہ ہم ایک اختیار رکھتے ہیں
ہزار دل پہ وواعِ قرار رکھتے ہیں
سرابِ خلوتِ شب ہائے تار رکھتے ہیں
بسانِ دشت، دل پر غبار رکھتے ہیں

فتادگی میں قدمِ استوار رکھتے ہیں
برہنہ مستی صبحِ بہار رکھتے ہیں
ظاہرِ مستی دل اس سوئے، نجومِ سیرِ شک
ہمیں، حریرِ شررِ باغِ رنگِ خلعت ہے
نگاہِ دیدہ نقشِ قدم ہے، جادوِ راہ
ہوا ہے، گر یہ بیباک اضلاع سے تسبیح
بساطِ بیچ کسی میں، برنگِ ریگِ دہاں
برنگِ سایہ سر و کارِ انتظار نہ ہو پھ
جنونِ مسرتِ یارانِ رفتہ ہے، غالب

۶۱۸۱۶

تن پہ بند بوس در نداده رکھتے ہیں
تیسری پشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں
بزرگ سایہ ہیں بندگی میں ہے تسلیم
بزا ہواں، رگ گردن، ہے رشتہ زناں
معاف ہمیدہ گوئی ہیں تا صحن عزیز
بزرگ سبز، عزیزان بد زباں یکدست
ادب نے سوئی ہیں سرمہ سالی حیرت
زمانہ سخت کم آزار ہے بجاں اسد م

دل ز کایہاں اوفتادہ رکھتے ہیں
پنکس آئینہ، یک فرد سادہ رکھتے ہیں
کہ داغ دل بہ چین کشادہ رکھتے ہیں
سہ پیائے بے ناہارہ رکھتے ہیں
دل بدست نگارے نداده رکھتے ہیں
ہزار تیغ بزم ہراب دادہ رکھتے ہیں
زبان بستہ چشم کشادہ رکھتے ہیں
وگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

بعثت عطر گل، ہم آگئی مخورہ ملتے ہیں
رہا کس جسم سے میں، بے قرار دماغ ہم طرچی؟
چمن نامعلوم آگاہی دیدارِ خوباں ہے
کجا جو ہر؟ چہ عکسِ خط؟ بتاں وقتِ خود آرائی
تماشا بہار، آئینہ پردازِ تسلی ہے
گراں بجائی شجک سارا و تماشا بیدار آیا
اسد حسرت کش یک دایہ شک اندوہ ہے یارب

پیراغان تماشا چشم حد ناسخ ملتے ہیں
سند کو پر پروانہ سے کافور ملتے ہیں
محرک ہمارے زرخس چند چشم کور ملتے ہیں
دل آئینہ ذہب پائے خلیل سور ملتے ہیں
کفِ شکرگ سے ہائے دل رنجور ملتے ہیں
کفِ افروزِ فرمت، شگ کوہِ طور ملتے ہیں
لباسِ شمع پر عطر شبِ زنجور ملتے ہیں

۶۱۸۱۶

بزرگب آشفہ سر تھا قطرہ زین مرگال سے جلتے ہیں
ہجومِ مژدہ دیدار، و پروازِ تماشا
ہوئی یہ بخودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے

رہے یاں، شوخی رفتار سے، پا آستانے میں
گلِ اقبالِ محسوس ہے، چشمِ بیل، آئینہ میں
کہ طوطی قفلِ رنگ آلود ہے آئینہ خانے میں

پر پرواز زلف ناز ہے ہر دم کے شانے میں
تندر آب ہے، لے سادہ پرکار اس پہلے میں
کریاں گم کر جبین سجدہ فرسا آستلے میں

ترے کوچے میں ہے، مشتاقہ و اماں زنگی، قاصد
کچا مسنرونی آئینہ؟ کو ترک خود آرائی؟
بحسب عجز، ابرو سے میر تو حیرت ایما ہے

۶۱۸۱۶

ہوئے ہیں، بنیہ ہائے زخم جو ہر تیغ دشمن میں
سواد داغ مرہم، مرد کسے چشم سوزن میں
ہوا ہے، جو ہر آئینہ، خفیل مورخ دشمن میں
ہوا ہے، تار اشک بیاں، رشتہ چشم سوزن میں
کفس سیلاب باقی ہے، بزرگ نیپہ یزن میں
یگین نام شاہد ہے مرے ہر قطرہ خون، تن میں
شب مرہم، جو رکھ دوں، بنیہ دیاروں کے روزن میں
ہوا ہے، غنبدہ احباب، بنیہ حیب و دامن میں
پراقشاں جو ہر آئینے میں، نکل ذرہ روزن میں
جو گل ہو، تو ہوں گلشن میں، خوش ہوں، تو ہوں گلشن میں
سیہ ہو کر سو گیا ہو گیا، ہر قطرہ خون، تن میں
خسرم دست نوازش، ہو گیا ہے طوق گردن میں

فردوں کی دوستوں نے حرص قاتل ذوق کشتن میں
تسار کر دنی ہے لطف زخم انتظار، اے دل
دل و دین و عروہ، تاراج ناز جلوہ پیراؤ،
نہیں ہے زخم کوئی، بخیلے کے درخور مرے تن میں
ہوئی ہے مسابغ ذوق تماشا، ناز ویرانی
ورعبت خانہ بیدار کاوشماں ہر گاہ ہوں
بیاں کس سے ہو ظلمت گسری میرے شبتاں کی؟
کلوہش، مانع ہے رطی شور جنوں آئی
ہوئے اس بہر دوش کے جلوہ تمناں کے آگے
بخانوں نیک ہوں یا بد ہوں، پر صحبت مخالف سیٹھ
بزاروں دل دیے جوش جنوں عشق نے مجھ کو
است، زندانی تاثیر الفت ہائے خواں ہوں

۶۱۸۱۶

خود آشیان طائر رنگ پریدہ ہوں
پاے بوس بدامن ہر گاہ کشیدہ ہوں
لیکن عبث کہ شبنم خورشید دیدہ ہوں
اے بنیہ، میں نغمہ چنگ خمیدہ ہوں

خوں در بگر ہفتہ، بزر دی رمیدہ ہوں
ہے دست، دبیر ہماں، بستن نظر
میں چشم واکشادہ، و کشن نظر فریب
تسلیم سے یہ نالہ موزوں ہوا حصول

ساند موج آب، زبانِ بریدہ ہوں
یارب، میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں
پائے نگاہِ خلق میں خسارِ خلیدہ ہوں
یعنی کہ بندہٴ بدورم ناخریدہ ہوں

شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں
خمنی زہ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں
صبحِ اشکِ ہائے زہرِ گاہِ چکیدہ ہوں
خسارِ المہ سے، پشتِ بندوں گزیدہ ہوں
میں سدا یبِ گمشدن تا آفریدہ ہوں
مضربِ تارِ ہائے گلوے بریدہ ہوں
خونابہٴ بلاہلِ حسرتِ چشیدہ ہوں
لیکن، اسدا، بوقتِ گزشتنِ جریدہ ہوں

پیدا نہیں ہے اصلِ رنگ و تازہ جس جو
سر پر مرے وبالِ ہزار آرزو رہا
میں بے ہنسر کہ جو ہر آئینہ تھا، عبث
میرا نیاز و غلبہٴ مفتِ بتاں اسدا

سوداے عشق سے دمِ سرِ دُکشیہ ہوں
دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متعین
کی متصل ستارہ شماری میں عمرِ صرف
ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشان
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہٴ سنج
دیتا ہوں کشتگاہ کو سخن سے سرِ پیش
ہے جنبشِ زباں بدھنِ سختِ ناگوار
ہوں بولے گل، ہوں گرچہ گراں بارِ پشتِ ند

۶۱۸۱۶ ●

عرقِ ریزِ تپش ہیں، موج کے مانند، زنجیریں
پُر علقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچی ہیں تصویریں
کرے ہیں غنچہٴ منقارِ طوطیِ نقش، گلِ گریں
غبارِ آلودہ ہیں، ہوں دو دُشِ کشتہ، تقریریں
وگر نہ خواب کی، مضمحل ہیں افسانے میں، تجریریں
بیاضِ دیدہٴ پُغیر پر کھینچے ہے تصویریں
سمکھا ہوں تپش کو الفتِ قاتل کی تاثیریں

ہوئی ہیں آب، شرمِ گمشدن، بجائے، تدبیریں
خیالِ سادگی ہائے تصور، نقشِ حیرت ہے
ز بس ہر شمعِ یاں آئینہٴ حیرت پرستی ہے
بہند آہنگیِ مستی، وسیعِ نالہٴ فرسائی
ہجومِ سادہ جوی، پنبہٴ گوشِ سرِ خیال ہے
بتانِ شوخ کی تکیوں بعد از قتل کی حیرت
اسدا، طرزِ عروجِ اضطرابِ دل کو کیا کہیے

۶۱۸۱۶ ●

ورنہ کیا موجِ نفس، زِ غیر رسوائی نہیں
 حلقہ زِ غیر، جز چشمِ تَشائی نہیں
 جز حیا، پر کارِ سی بے سرو پائی نہیں
 فرصتِ نشوونما، سازِ شکیبائی نہیں
 آمد و رفتِ نفس، جز شعلہ پائی نہیں
 پیونگی کے پر، سرو و برگِ خود آرائی نہیں
 جوں صنوبر، دل سراپا قامت آرائی نہیں

بے دماغی، حمیلہ جوئے ترکِ تنہائی نہیں
 وحشی خود کردہ نظارہ ہے، حیرت، جسے
 قطرے کو جوشِ عرق کرتا ہے دریا دستگاہ
 چشمِ نرگس میں نمک بھرتی ہے شبنم سے بہار
 کس کو دلوں، یارب، حساب سوزِ ناکہاے دل؟
 مت رکھ، اے انجامِ غافل، سازِ ہستی پر غمِ دور
 سایہ افتادگی بالین و بستر ہوں، اسد

۶۱۸۱۶ ●

ورنہ کیا حسرت کش دامنِ نقشِ پا نہیں
 ہے زمیں از لیک سنگیں، جادہ بھی پیدا نہیں
 زینتِ یکسرِ بہن، ہوں دامنِ محسوس، نہیں
 اشک، بعدِ ضبط، غیر از پنبہ مینا نہیں
 گردِ ساعل، سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں
 آگہی غافل، کہ ایک امروز بے سروا نہیں
 عاقبتِ بزار، ذوقِ کعبتین اچھا نہیں

ظاہرِ صریح، افتازِ گوں گیسرا نہیں
 آنکھیں پھرتی ہیں، نا عکس ہے تارِ بنگاہ
 ہو چکے ہم جادہ ساں صد بار قطع، اور پھر ہنوز
 ہو سکے ہے پردہ جوشیدنِ خونِ جگر
 ہو سکے کب کلفتِ دل، مانعِ سیلانِ اشک؟
 ہے طلسمِ دہریں، صد حشرِ پاداشِ عمل
 بھل اس تیغِ دورستی کا نہیں پتا، اسد

۶۱۸۱۶ ●

دامنِ تمثال، آبِ آئینہ سے تر نہیں
 عزتِ آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں
 لختِ لختِ شیشہ، بلکتے، جز نشتر نہیں
 مہ، حریفِ نازش، ہم چشمی ساغر نہیں
 سا جزئی سے، ظاہر از تہ کوئی، برتر نہیں
 یاں صریحِ خامہ، غیر از اصطکاکِ درہ نہیں
 تابِ عرضِ تشنگی، لے ساقی کو کتر، نہیں

ضبط سے مطلب، بحرِ وارستگی، دیگر نہیں
 ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
 باعثِ ایذا ہے، ہم ہم خوردنِ بزمِ سروہ
 والِ سیاہی مر و مک ہے، اوریاں داغِ شراب
 ہے فلکِ بالائین فیضِ قحسِ گردِ دیدنی
 دل کو اظہارِ سخن، اندازِ فتحِ الباب ہے
 کب تلک پھرے اسد لب ہائے تفتہ پر زباں؟

۶۱۸۱۶

ضمآنِ بادِ روبرو اندن ہے خطِ جام سے نوشاں
نہیں ہے، ضبطِ جزمِ مشاغلِ ہائے غم آرائی
یہ ہنسی ہم تصورِ ساغرِ زانو سے پتیاہوں
نشانِ روشنیِ دلِ نہاں ہے تیسرے بختوں کا
پریشانی، اسد، درپردہ ہے سامانِ جمعیت

۶۱۸۱۶

وگر نہ منزلِ حیرت سے کیا وقف ہیں مدہوشاں؟
کہ میں سرِ چشمِ داغِ میر ہے، آہِ خاموشاں
نئے کیفیتِ خمیازہ ہائے صبحِ آغوشاں
نہیں محسوس، دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں
کہ ہے آبادیِ محرابِ ہجومِ خانہ بر دوشاں

نہیں ہے بے سبب قطرے کو، شکی گوہر، افردن
میرِ نو سے ہے ارہزن وار، غلّی واژگوں باز صفا
خمارِ ضبط سے بھی نشہ اظہار پیدا ہے
خراب آبادِ غربت میں عبث، افسوس ویرانی
فغان و آہ سے حاصلِ بجز درِ یسریاراں
دریغِ بستانِ رختِ سفر سے ہو کے میں غافل
اسد ہے طبعِ بجزورتِ آفرینی صفا

۶۱۸۱۶

گرہ ہے حسرتِ آہے برو سے کارِ آوردن
نہیں ممکن بھولاں ہائے گردوں و غلّی پہ بردن
تراوشِ شیرۂ انگور کی ہے مفتِ افشردن
گلّی از شاخِ دور افتادہ ہے نزدیک پتہ بردن
نوشاں اے غفلتِ آگاہی، لغزشِ لذتِ و بردن
رہا پامالِ حسرتِ ہائے فرشِ بزمِ گستردن
فعالِ اہلِ اختیار کی اور فریبِ آرزو خوردن

دیکھتے مت، چشمِ کم سے سوئے ضبطِ افردگان
گر متِ تکلیفِ دلِ رنجیدہ ہے از لیکِ چرخ
رنجشِ دلِ یک جہاں ویراں کرے گی لے ٹھک
ہاتھ پر ہو ہاتھ، تو در سب تا سب ہی سہی
نار سے گلی سینہ افکارِ جفا ہے، اے اسد

جوں صدف پر دیں، دنداں در جگر افشردگان
قرصِ کافوری ہے، بہر از بہر سرما خوردگان
دشتِ سماں ہے، غبارِ خاطرِ آرزو دگان
شوقِ مفتِ زندگی ہے، اے بغفلتِ مردگان
برگِ ریزی ہے پر افشانیِ تاؤں خوردگان

۶۱۸۱۶

سازش صلح بتاں میں ہے نہاں جنگیدن
بسکہ شرمندہ بوے خوش گل رویاں ہے
ہے فروغ رخ افروختہ خواباں سے
گلشنِ زخم کھلتا ہے جگر میں، پیکاں
چمن دہر میں ہوں سبزہ بیگانہ، اسد

۶۱۸۱۶

صاف ہے از بسکہ عکس گل سے، گلزارِ چمن
ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معیارِ چمن
برخِ نکال گریہ عاشق ہے، دیکھا چاہیے
الفت گل سے، غلط ہے، دعویٰ وارستگی
تیری آرایش کا استقبال کرتی ہے بہار
بسکہ پائی یار کی رنگیں ادائی سے شکست
وقت ہے، گر بسل مسکین زنجائی کرے
دشت افزا گریہ ہا موقوفِ فصلِ گل، اسد

۶۱۸۱۶

منقار سے رکھتا ہوں بہم چاکِ فقس کو
بیباک ہوں از بسکہ ببازا بہ محبت
رہنے دو گرفتار بہ زندانِ نموشی

نغمہ و چنگ، ہیں جوں تیسرے کہاں فہمیدن
نکبت گل کو ہے غنچے میں نفسِ دزدیدن
شعلہ شمع، پر افشان بخود لرزیدن
گرہ غنچہ، ہے، سامانِ چمن بالمیدن
وایے! وایے! بے خودی و ہمت آرمیدن

جانشین جو ہر آئینہ ہے، خسارِ چمن
قابِ گل میں دھلے ہے نشتِ دیوارِ چمن
کھل گئی، ماتند گل سو جا سے دیوارِ چمن
م سرو ہے، ہا وصفِ آزادی، گرفتارِ چمن
جو ہر آئینہ ہے یاں نقشِ احتیاجِ چمن
ہے، کلاہِ نازِ گل، بر طاقِ دیوارِ چمن
یوسفِ گل جلوہ فرما ہے ببازا چمن
چشمِ دریا بار ہے میر آبِ سرکارِ چمن

تاہن ز جگر زخم میں ہے راہِ نفس کو
سمکھا ہوں زہ جو ہر شمشیرِ عس کو
چھیڑو نہ مجھ انسردہ و زویدہ نفس کو

فرسودنِ پائے طلب و دستِ ہوس کو
کہتے ہیں کہ تاثیر ہے فریادِ جبرِ سوس کو

پیدا ہوئے ہیں ہم الم آبادِ جہاں میں
تالاں ہو، اسد، تو بھی سرِ راہ گزر پر

۶۱۸۱۶

بلاں، خاک دیدہ پائے اختر ہو
ہر ایک داغِ چگرا آفتابِ محشر ہو
اب اگلے سے ربط کروں، جو بہت شکر ہو
بروئے آبِ جو، ہر موج، نقشِ مِطر ہو
کہ قندِ بوسے شیریں لبانِ مکر ہو
سرخِ لبِ چشمِ اسد، کیوں نہ اس میں گوہر ہو

اگر وہ آفتِ نظارہ بسا، گستر ہو
بسا، قامت، گئے ہو بلند آتشِ غم
سجتمِ خشکی کا، کیا دل نے، حوصلہ پیدا
عجب نہیں، پئے عتسیرِ حالِ گریہِ چشم
امیدوار ہوں، تاثیرِ تلخِ کای سے
صدف کی، ہے ترے نقشِ قدم میں، کیفیت

۶۱۸۱۶

جوں شمع، غوطہ داغ میں کھا، گردِ ضو نہ ہو
آئینہ ایسے طاق پہ گرم کر کہ تو نہ ہو
یارب، بیانِ شانِ کس گفتگو نہ ہو
ہستیِ عدم ہے، آئینہ گمراہ نہ ہو
نشرِ بے نذر، پنبہ مینا فرو نہ ہو
یارب کہ خسارِ سپرِ ہن آرزو نہ ہو
صبحِ بہار بھی، قفسِ رنگ و بو نہ ہو

بے دردِ سرِ بسجودِ الفتِ فرو نہ ہو
دل لے کفِ تغافلِ ابرو سے یار میں
زلفِ خیالِ ازک و اظہار بے قرار
مثالِ ناز، حیلوہِ نیرنگِ اعتبار
مشرکانِ حلیہِ رگِ لہرِ بہار ہے
عرضِ نشاطِ ریدے، مشرکانِ انتظار
واں پر نشانِ دہمِ نظر ہوں جہاں، امد

کہ چشمِ تنگ، شاید کثرتِ نظارہ سے دا ہو
بھروں ایک گوشتِ دامن، گر آبِ ہفتِ دیا ہو
کفِ ہر خاکِ گلشن، شکلی تری، انالہ فرسا ہو

حد سے دل اگر افسردہ ہے، گرم تماشا ہو م
بقدرِ حسرتِ دل چاہیے، ذوقِ معاصی بھی م
اگر وہ سرو قد، گرمِ غرامِ ناز آجا دے م

کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زنا نہ مینا ہو
کہ مٹی غنچہ سازِ یک گلستاں دل مہیا ہو
مرا حاصل وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو
جسے سوے دماغِ بخودی، خوابِ زلیخا ہو
ننگہ لبریزِ اشک و سینہ مہو بہ تنہا ہو
خدا یا، اس قدر بزمِ اسد گرم نہا شاہو

ہم بالیدن سنگ و گلِ محراب چاہے ہے
حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشقِ جب آؤں
بجائے دانہِ خرمن، یک بیاباں بیضہ قمری
کرے کیا سازِ بنیش وہ شہیدِ دردِ آگاہی؟
وہ دل، جوں شمع، بہرِ دعوتِ نظارہ لاجس
نہ دیکھیں روئے یک دل سرِ دغیر از شمعِ کافوری

۶۱۸۱۶

مگر طوفانِ مے میں پیشِ موجِ صبا گم ہو
اثرِ سرے سے اور لبِ ہائے عاشق سے جدا گم ہو
کہ موجِ گریہ میں صد خذوہ دندانِ نسا گم ہو
فرد ہوتا ہے سرِ بیدے میں اے دستِ دعا گم ہو
مبارا بے پتیا، طبعِ نقشِ مدعا گم ہو
عرقِ بھیجن کے عارضِ پرِ بکلیفِ حیا گم ہو
کہ جس کے ہاتھ میں، مانندِ نوں، رنگِ حنا گم ہو
دمِ صبحِ قیامت، درِ گریبانِ نسا گم ہو

مبارا! بے تکلفِ فصلِ کاہرگ و نوا گم ہو
سبب، وارِ رنگاں کو ننگِ بہت ہے، خداوند
نہیں جز دردِ تسکینِ نگوہِ ششِ ہائے بیدرداں
ہوئی ہے ناتوانی، بیدِ صابِ شوقِ مطلب
تجھے ہم مفت دیوں یک جہاںِ حلینِ جلیں، لیکن
ہلا گردانِ تیکسِ بے تاں، صد موسمِ گوہر
اکٹھا ہے کب وہ جانِ شرمِ بہت قتلِ عاشق کی
کریں خوابِ جو سیرِ حسن، اسد، یک پردہ ازکِ نر

۶۱۸۱۶

کاشم درِ یوزہ ہے، پیسا نہ دستِ سہو
وام لیتے ہیں، پیرِ پروانہ، پیرِ مہن کی بو
گر نہ اندھے قلزمِ الفت میں سرا جاتے کد
خافلاں، آئینہِ دالِ ہنرِ نقشِ آسے بسجھو
ہے پیرِ پروانہ رنگِ رفتہ نوں، گلستگو،

خشکی نے اندھ کی سیکھ کے کی آبرو
بہرِ جاں پروردنِ یعقوب، بالِ خال سے
گردِ ساحل ہے بزمِ شرمِ جلیںِ آشتا
گری شوقِ طلب، ہے یمنِ تا پاک وصال
دہنِ خاموشی یہ ہے، آرایشِ بزمِ وصال

ایک رگ خواب، و سر اسر خوشن خواب آرزو
ہے، امداد نقم الیٰ میں مفت اور مہذب سرمایہ تو

سہ تماشا، حیرت آباد تغافل ہائے شوق
خوئے شرم سر د بزاری، کئے سبیل خانماں

۶۱۸۱۶ ●

ہر طرح ہوا ہے، از خود رسیدہ
لیکن لبان ورد کثیدہ
ساخند نبض دست پریدہ
ہے شانہ یکسر دست گزیدہ
ہے داغ لالہ درخول پتیدہ
سرتاب پیا ہوا، جیب دریدہ
بیدل، نقیر آفت رسیدہ

اشک چکبدہ، نگر پریدہ
گو، یاد مجھ کو کرتے ہیں خواباں
ہے رشتہ جہاں فرط کشش سے
ٹوٹا ہے، انہوں ہموے خم زلف
غالب یہاں رنگیں رخاں سے
بوش جنوں سے ہوں کسوٹ گل
یاد، اسد کا نام و نشاں کیا؟

نہاں در زیر بال آئینہ خانہ
اٹھایاں سے نہ میرا آب و دانہ
زباں ہر چہند ہو جاوے زمانہ
نواے بربط و چنگ و چغانہ
گرفتار الم ہاے زمانہ
نہ پھر لے مہر و ساں خانہ، تخانہ

خوشا بطوطا و گنج آشیانہ
شرک بر نہیں افتادہ آسا
حریف عرص سوز دل نہیں ہے
دل، لالہ سے ہے بے پردہ پیدا
کرے کیا دعویٰ آزادی عشق
اسد، اندیشہ شد شدن ہے

۶۱۸۱۶ ●

اے آب، محل پئے محبہ اے عدم اندھ
گر خاک ہو، نگہ ستہ صد نقش قدم باندھ

رخت سے شیرازہ اجڑاے قدم باندھ
بیکاری تسلیم، بہر رنگ چمن ہے

اے جامے، بسر رشتہ یک ریشہ دیدن
حیرتِ احدِ اقلیم تنہا ہے پری ہے
پامردیک انداز نہیں قامتِ ہستی
ریساچہ وحشت ہے اسدِ شکرہ خوبار

شیرازہ صد آبلہ جوں سجد، بہم باندھ
آئینے پہ آئین گنگستانِ ارم باندھ
طاقت اگر انجاز کرے نہتِ خم باندھ
خوں کر دل اندیشہ، رمنونِ ستم باندھ

۱۸۱۶ء

خلق ہے صفحہ عبرت سے سبق ناخواندہ
دیکھ کر بارہ پرستوں کی دل افسردگیاں
خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہمدیگر سے
حیف ابی صلی اہلِ ریا پر، غالب

ورنہ ہے چرخِ دزمیں یک ورقِ گردانہ
موجِ حے مثلِ خطِ جام ہے برجامانہ
ہے سخن، گردِ زرد امانِ ضمیر افشانہ
ہے ہر اک فرد، چہاں میں ورقِ ناخواندہ
یعنی ہیں ماندہ ازاں سووازیں سو راندہ

۱۸۱۶ء

بسکے پیتے ہیں، اربابِ فنا پوشیدہ
بفسر و رطوبتِ قامت و رعنائیِ سرو
کی ہے والہل چہاں نے بگشتنِ جہاں
اے درینا اگر نہیں طبعِ نزاکتِ سامان
یاس آئینہ پیدائی استغنا ہے
واسطے شکرِ مضامینِ مین کے، غالب

خطِ پیانہ ہے نفسِ دزدیدہ
طوق ہے گردنِ متری میں رگِ بالیدہ
چشمِ غفلت نظرِ شبنمِ غورِ نادیدہ
ورنہ کانٹے میں تھے ہے سخنِ سنجیدہ
ناامیدی ہے پرستارِ دلِ رنجیدہ
چاہیے خاطرِ جمع و دلِ آرامیدہ

۱۸۱۶ء

انہر ۳ بہ ذرہ دل، و دل ہے آئینہ م طوطی کو، شش جہت سے، مقابل ہے آئینہ

حسرت، محویم لذت غلطی تپش
غفلت، ببال جو ہر شمشیر پر فشاں
میرت نکاہ برق، متا شاہا رخ
یاں رہ گئے ہیں افق تدبیر ٹوٹ کر
ہم زانوے تامل، وہم جلوہ گاہ گل
دل کا گاہ لیکر، واسد بنوے دل

● ۱۸۱۶ ع

سیاہ بالش، و کمر دل ہے آئینہ
یاں پشت چشم شوخی و تال ہے آئینہ
در پردہ ہوا پر بسمل ہے آئینہ
جو سر جلیسم عقدہ مشکل ہے آئینہ
آئینہ بند خلوت و محفل ہے آئینہ
یاں سنگ آستانہ بیدل ہے آئینہ

جوش دل ہے، مجھ سے حسن فطرت بیدل ہو چھ
پہن گشتہ تارے دل، بزم نشہ گر و باد
آبلہ، پیما نہ اندازہ تشویش تھا
کے صبا بال پری، نے شعلہ سامان جنوں
یک شرہ بر ہم زدن، حشر دو عالم فتنہ ہے
بزم ہے یک پنبہ مینا، گدازہ ربط سے
تا قلعہ جہانہ شکر فی ارزانی، اسد

● ۱۸۱۶ ع

آئینہ عسریں کر، خط و خال بیاں ہو چھ
جاہ و جلال عہد وصال بستاں ہو چھ
گرمی نبض خسار و خس آشیاں ہو چھ
میتابی تمبلی آتش بجاں ہو چھ
یارب احباب سختی خواب گمراں ہو چھ
عرض فضلے سینہ درد امتحاں ہو چھ

جز، دل سراغ درد بدل خفتگان ہو چھ
بند وستان سایہ گل پائے تحت تھا
پرداز، یک تپ عظم تسخیر تال ہے
تو مشق ناز کر، دل پروانہ ہے بہار
غفلت متاع کفہ میسران عدل ہوں
ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے

در و حبدانی اسد اللہ خاں بنو چھ

کہتا تھا کمال وہ عزم راز اپنے سے کہ آہ

۶۱۸۱۶



بحرِ بزمِ فسوں، دیدہ و پختیر ہے
یاں پر پر رازِ رنگِ رفتہ، بالِ تیسر ہے
ماہِ تابِ ہالہ پیرا، گردہ تصویر ہے
ہر نہالِ شمع میں اک غمچہ گل گیر ہے
لختِ لختِ دل، نگینِ خانہ ز فیر ہے
یاں گلوں شیشہ سے، قبضہ شمشیر ہے
وصل میں وہ سوزِ شمع مجلسِ تقریب ہے

ضبط سے، جوں مرومک، بارِ پند اقامت گیر ہے
آشیاں بند بہارِ عیشِ ہوں ہنگامِ قتل
ہے جہاں نکر کشید نہاے نقشِ روئے یار
وقتِ حسنِ افروزی زینتِ طرازاں، جلے گل
گریے سے بندِ محبت میں ہوئی نام آوری
ریزِ شِخونِ وفا ہے، جرعه نوشِ پہلے یار
جو بشارِ غم چرخِ خلوتِ دل تھا، اسد

ہوا ہے موجِ رنگِ رواں شمشیرِ فولادی
شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں عیادی
غبارِ خط سے تعمیر بنائے خانہ بریادی
تہی آغوشی دستِ تماشا کا ہوں فسرادی
اسد از بسکہ فوٹِ در و غم سرِ گم جولالہ
غبارِ راہ ویرانی ہے ملکِ دل کی آبادی

کرے رہے رہا والے سے غمِ راہِ عشقِ حبلِ اونی
تھر بندہ تصور ہے نفس میں لطفِ آزادی
کرے ہے حسنِ دیراں کا رومے سارہ لہیاں پر
چار آساغدم سے بادل پر آتش آہیا ہوں

۶۱۸۱۶



کہ موجِ آب ہے، ہر ایک پینِ پشانی
دکھ ہے کوٹِ طارِس میں پھر انسانی
بہ گری، سکندر ہے محوِ حیرانی
کہ عیدِ خلق پہ حیراں ہے چشمِ قربانی

یہ مرنوشت میں میری ہے، اشکِ انسانی
جنونِ وحشتِ ہستی یہ عام ہے کہ بہار
لبِ نگار میں آئینہ دیکھو آبِ حیات
نظر بہ غفلتِ اہل جہاں ہوا غلامِ ہر

کہوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں
کہ سرد ہونے کے اس کا مصرعِ ثانی
اس نے کثرتِ دل ہائے خلق سے جانا
کہ نہ لفظِ یاد ہے مجموعہ پریشانی

۶۱۸۱۶

ہے آرمیدگی میں کوششِ بجا بکھے م
ڈھونڈتے ہے اس معنی آتشِ نفس کو، جی م
مستانے کروں ہوں رہ وادیِ خیال م
کرتا ہے، بسکہ بارغ میں تو، بے حجابیاں م
کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ؟ م
ہے پیتا ب رشتہ شمعِ سحر گئی
واں رنگا بہ پردہ تدبیر میں نمود
پرواز ہا، نیا بہتاشائے حسنِ دست
از خود گزشتگی میں خوشی پہ حسرت ہے
تا چند پست فطرتی طبعِ آرزو؟
یاں آب و دانہ، موسم گل میں، نسوام ہے
بکبار استخوانِ ہوس بھی ضرور ہے
میں نے جنوں سے کی جو، اسدا، التماسِ رنگ

صبحِ وطن ہے خندہ دندانِ منامے
جس کی صدا، ہو جلوہ برقِ فضا بکھے
تا باز گشتِ بے زہر ہے مدِ نسا بکھے
آنے لگی ہے نکبتِ گل سے حیا بکھے
شعروں کے آفتاب نے رسوا کیا بکھے
نخلتِ گدازیِ نفسِ نارسا بکھے
یاں شعورِ پیراغا ہے، برگِ خواب بکھے
بالِ کشادہ ہے، نگہِ آشنا بکھے
موجِ قبا یہ سرمہ ہوئی بے صدا بکھے
یارِ بے ملے بلندی دستِ دعا بکھے
زمارِ واگستہ ہے، موجِ صبا بکھے
اے جوشِ عشق، ابدہ مردِ آزا بکھے
خونِ بگریں ایک ہی غوطہ دیا بکھے

۶۱۸۱۶

ہر رنگِ سوزِ پردہ یک ساز ہے بکھے
طاووسِ خاک، حسنِ نظر باز ہے بکھے
آغوشِ گل ہے آمنہ ذنہ ذنہ خاک
بالِ سمندر، آمنہ ناز ہے بکھے
ہر ذرہ، چشمکِ نگر ناز ہے بکھے
عصرِ بہار، جو ہر پردہ ہے بکھے

ہے بولے گل غریب تسلی گر وطن
ہے جلوہ خیال، سویدائے مردک
وشت بہار نشتر، وگل ساغر شراب
فکر سخن، ہسانہ پردازِ خاموشی
ہے خامہ فیض بیعت بیدل بکف، اسد

● ۱۸۱۶ ع

ہر جزو آشتیاں پر پہ واز ہے مجھے
جوں داغ، شعلہ سرخط آغاز ہے مجھے
چشم پری، شفقندہ راز ہے مجھے
رو چرخ داغ، سرمہ آواز ہے مجھے
یک نیستاقلم و راجحاز ہے مجھے

کہوں کیا گر جوشی یکشی میں شعلہ رویاں کی
بزلہ مہ وصال، رتی ہے اشب بیدار، ظاہر ہے
ہمیشہ مجھ کو طفلی میں بھی مشتق تیرہ روزی تھی
دریغ! آہ سحر گر کار باد صبح کرتی ہے
مجھ اپنے جنوں کی بے کف پردہ داری تھی
ہنر پر کیا ہے میں نے، حیرت آزمائی میں
خدایا، کس قدر اہل نظر نے خاک پھائی ہے!
ہوا شرم بتیدستی سے وہ بھی سترنگوں آخر
بیاد گری محبت، بزرگ شعلہ دیکے ہے

● ۱۸۱۶ ع

نمک پاش خسراش دل ہے، لذت زندگی کی
ہوئی زنجیر، موج آب کو، فرصت روانی کی
شراب سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی
پریشاں تر ہے موئے خامہ سے تدبیر مائی کی
دیکھو، طاقتِ خمیازہ، ہمت ناتوانی کی

جنوں، ہمت کش لکھیں ہو، گر شادمانی کی م
کش کش ہائے کستی سے کرے کیا سعی آزادی م
پس از مردن بھی، دیوانہ، زیارت گاہِ طفلان ہے م
دیکھو، اے دستِ سعی نارسا، زلفِ تمنا کو
کہاں ہم بھی رگ و پے رکھتے ہیں، انصاف بہتر ہے

تکلف برطرف، فریاد اور اتنی سبک دستی
خیال آساں تھا، لیکن خوابِ خسرو نے گرانی کی
اسد کو بوریے میں دھر کے چوںکا موجِ استی نے
فقیری میں بھی باقی ہے، شرارتِ نوجوانی کی

● ۱۸۱۶

نچو ہش، ہے سزا فریادی بیدارِ دلبر کی م
مبارا! غمخندہ دندانِ نہا ہو، صبحِ محشر کی
رگِ سیلی کو، خاکِ دشتِ بختِ رشکِ بختے م
اگر بوریے بھلے دانہ، دیہقاں، نوکِ نشتر کی
پر پروانہ، شاید، بارِ بانِ کشتی نے تھا م
ہوئی مجلس کی گرمی سے، روانی دورِ ساعز کی
کوں بیدارِ زوقِ پرفشانی عرض، کیا قدرت! م
کے طاقتِ اڑ گئی اڑنے سے پہلے، میرے شہر کی
کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے؟ قیامت ہے! م
مری قسمت میں یارب، کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی
تھکا جب قطرہ بے دست و پا بالا دریدن سے
زہرِ یادگاری باگرہ دیتلے گوہر کی
بجز دیوانگی ہوتا نہ انجامِ خود آرائی
اگر پیدا نہ کرتا آئینہ زنجیرِ جوہر کی
مرادل مانگتے ہیں عاریتِ اہلِ ہوس، شاید
یہ جایا چاہتے ہیں آج دعوت میں سمندر کی
عسروہ لطفِ ساقی نشہِ میا کی مستاں
نیمِ دامانِ عصیاں ہے، طراوت موجِ کوثر کی
اسد، جز آبِ غمشید نہ دیا خضر کو کیا تھا
ڈبوتا چشمہ حیراں میں، اگر، کشتی سکندہ کی

آتا ہے آ، وگرنہ یہ پادری کا بے
خط صفحہ عذار پہ گردِ کتاب ہے
رنگ سیاہ نیل، غبارِ سحاب ہے
تائیرِ جستنِ اشک سے نقشِ برآب ہے
جو دانہ دام میں ہے، سوائے کباب ہے
یعنی یہ ہر ورق، ورقِ انتخاب ہے
ہر ایک ذرہ غرتِ صد آفتاب ہے

آنکھوں میں انتظار سے جاں پرستاب ہے
میراں ہوں، دامنِ رثرہ کیوں بھاڑتا نہیں
جوں غلّی ماتم، ابر سے مطلب نہیں مجھے
ممکن نہیں کہ ہو دلِ خواباں میں کارگر
ظاہر ہے، طرزِ قید سے، صیاد کی غرض
بے چشمِ دل نہ کر ہو سسِ سیرِ لالہ زار
دیکھ، اے اسد، دیدہ باطن کہ ظاہر

۱۸۱۶ء

مژگانِ باز مساندہ، رگِ خواب ہو گئی
میرے لیے تو تیغِ سیاہ تاب ہو گئی
زلفِ سیاہ بھی، شبِ مہتاب ہو گئی
اے جانِ بر لبِ آمدہ، بیتاب ہو گئی
آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی

بے خود، زبکہ نسا طرِ بیتاب ہو گئی
موجِ تبسم لبِ آوردہ بسی
رخسارِ یار کی جو کھلِ جلوہ گسری
بیدارِ انتظار کی طاقت نہ لاسکی
غالب، زبکہ سوکھ گئے چشم میں ہر شک

۱۸۱۶ء

کتابِ دامن و تارِ نظر میں فرقِ تمسک ہے
تکلفِ بر طعن، آئینہٴ تمیزِ عالم ہے
غرقِ بحرِ جویاے رخس و خاسکِ ساحل ہے
کہ چشمِ تریں، ہر یک پارہٴ دلِ پائے در گل ہے
غرض اب تک خیالِ گرمیِ رقتا بہ قاتی ہے
سمیموت کہ پاسِ در سے دیوادہ خافل ہے
چمکنا غنچہٴ گل کا، صدائے خندہٴ دل ہے

ہجومِ غم سے یاں تک ستر گونی بھکو حال ہے
ہوا ہے مانعِ عاشقِ نوازی، نازِ خود بینی
یہ سبیلِ اشک، لختِ دل ہے دایہٴ مژگان کا
بہا ہے یاں تک اشکوں میں، غبارِ کلفتِ خاطر
نکتی ہے پیش میں بسملوں کی، برقی کی شوقی
رفوے زخم سے مطلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی
وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب

۶۱۸۱۶

بقدرِ مصلحت دل بستگی، تدبیر بہتر ہے
بدینِ عجز اگر بدنامی تقدیر بہتر ہے
تکلف بر طرف، تھکے سے تری تصویر بہتر ہے
نفس، آئینہ وارِ آہ بے تاثیر بہتر ہے
نگہ، حیرت سوا: خواب بے تعبیر بہتر ہے
جہاں، نقشِ خود آرائی، جیا قرعہ بہتر ہے
دعاے دل، محرابِ غم شمشیر بہتر ہے

جنوں رسوائی و راستگی، زنجیر بہتر ہے
خوش باخوردینی، و تدبیرِ غفلت نقد اندیشہ
حماں حسن اگر موقوف اندازِ تغافل ہو
دل آگاہ تسکین خیر بیدری ہو، یا رب!
خلایا، چشمِ نادل درد ہے، افون آگاہی!
درون جو پر آئینہ، جوں برگِ خا، خوں ہے
تمنا ہے، اسد، قتلِ رقیب اور شکر کا سجدہ

۶۱۸۱۶

ہوا وہ شعلہ داغ، اور شوقِ خاک باقی ہے
عدم میں، بہرِ فرقِ سرو، شتِ خاک باقی ہے
سراپا شبنم آئیں، یک نگہ پاک باقی ہے
ہنوز آفتِ لب یک خندہ، یعنی پاک باقی ہے
بہسارِ غم رنگِ آہِ حیرت خاک باقی ہے

بڑھ، پہلوئے چشم، اے جلوۂ ادراک باقی ہے
چمن میں کچھ نہ چھوڑا تو نے غیر از بیفتہ قری
گدازِ سحرِ پیش، شت و شوئے نقشِ خود کا می
ہوا ترکِ لباسِ زعفرانی دکھنا، لیکن
چمنِ زارِ منت ہو گئی صرفِ غزاں، لیکن

نہ حیرت چشمِ ساقی کی، نہ صحبتِ دو رسا غز کی
مری محفل میں، غالب، گردشِ افلاک باقی ہے

۶۱۸۱۶

ننگا، دل سے ترے سرو سا نکلتی ہے م
فشارِ تنگیِ خلوت سے، بیتی ہے شبنم م
صبا، جو غنچے کے پردے میں جانا نکلتی ہے م
نچوچہ سینہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ م
کر زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے م

نسیم، باغ سے پاؤں چٹا نکلتی ہے
دہان ماسارے گویا صبا نکلتی ہے
کبھی پری مری خلوت میں آن نکلتی ہے
ہنوز ایک سمن بے صدا نکلتی ہے

بہار شوخ، وچن تنگ، ورنگ گل د پھپ
مخلقم فخم گیسو ہے راستی آموز
برنگ شیشہ ہوں یک گوشہ دل خالی
اسد کو حسرتِ عرصہ نیاز تھی دم قتل

۶۱۸۱۶

کشادولیت بڑھ، سیلی ندامت ہے
تجھے کہ آئندہ بھی ورطہ ملامت ہے
نگاہ عجز، سرِ رشتہ سلامت ہے
جنونِ ساختہ و فصلِ گل، قیامت ہے
وصالِ لالہ عذرانِ سر و قامت ہے

زبکہ، مشقِ تماشا، جنوں علامت ہے م
بخانوں، کیونکہ مٹے داغِ طعن بد عہدی م
ہتیج و تاب ہوں، سلکِ عافیت توڑ م
وفا مقابل، و دعوائے عشق بے بنیاد م
اسد، بہارِ تماشا، گلستانِ حیات

۶۱۸۱۶

سوج گردابِ حیا ہے، چینِ پیشانی بچھے
ہے شعاعِ ہسر، زُتارِ سلیمانی بچھے
جنشِ نالِ مستم، جوشِ پر افشانی بچھے
داغ ہے تہر دہن، بھوں چشمِ قربانی بچھے
ہے گریاں گیرِ فرصت، ذوقِ عریانی بچھے
ناخنِ بڑیدہ ہے تیغِ صفائی بچھے
فکرے سوئی، خموشی کی گریبانی بچھے

ترجیں رکھتی ہے، شرمِ قطرہ سامانی بچھے
شبنم آسا کو مجالِ سبوح گردانی بچھے؟
یابل تصویر ہوں بیتابِ اظہارِ تپش
ضبطِ سوز دل ہے وجہِ حیرتِ اظہارِ حال
شوخ، ہے مثلِ حجابِ از خویش بیرون آمدن
وا کیا ہرگز نہ سیرِ عقدہ تارِ نفس
ہوں، مہولائے دو عالم، صورتِ تقریر، اسد

۶۱۸۱۶

باعث واما ندگی ہے عمر فرصت جو مجھے
ہم زبان آیا نظر فکر سخن میں تو مجھے
خاک فرصت بر سرِ ذوق فنا اے انتظار
یادِ بزرگاں میں، پشتِ زارِ سودے خیال
کثرتِ جوئے ستم سے، ہو گیا ہوں بے دماغ
اضطرابِ عمر بے مطلب نہیں آخر، کہ ہے
چاہیے دربانِ ریشِ دل بھی تیغِ ناز سے
پا بدامن ہو رہا ہوں، بسکہ میں صحرانورد
دیکھنا حالتِ مرے دل کی، ہم آغوشی کے وقت
ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایتِ کچھ نہ پوچھ
فرصتِ آرامِ غشِ مستی ہے، فراقِ عدم
سازِ ایماے فنا ہے عمامِ پیری، اسد

کر دیا ہے پا بہ زنجیرِ رم اہو مجھے
مردمک، ہے طوطی آئینہ زانو مجھے
ہے، غبارِ شیشہ ساعت، رم اہو مجھے
چاہیے، وقتِ تپش، یکدم صدمہ پلو مجھے
خوب رویوں نے بنایا عاقبت بدخوب مجھے
جستجوے فرصتِ ربطِ سرِ زانو مجھے
مرہم زنگار ہے وہ وسمہ ابرو مجھے
خسارِ پار ہے جوہرِ آئینہ زانو مجھے
ہے نگاہِ آشنائے ترسِ ہر مو، مجھے
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں چھپنے تو مجھے
ہے شکستِ رنگِ امکاں، گردِ گلِ پہلو مجھے
قامتِ خم سے ہے حاصِ شوخی ابرو مجھے

۶۱۸۱۶

یاد ہے، شادی میں بھی، ہنگامہ "یارب" مجھے
ہے کشادِ رخِ طبر و البستہ، درِ زمین سخن
یارب اس آفتنگی کی وار کس سے چاہیے؟
طبع ہے مشتاقِ لذتِ ہائے حسرت، کیا کروں؟
صبحِ انا پیدا ہے گفتِ خانہ اِدبار میں
شوخیِ طالع سے ہوں ذوقِ مع می میں اسیر
دردِ نا پیدا، و عجبِ تہمتِ وارستگی
دل نکا کر آپ بھی، غالب، مجھی سے ہو گئے

میں جو راہِ ہوا ہے، خندہ زیر لب مجھے
تھا طلسمِ قفلِ ابجد، خسانہ مکتب مجھے
شکِ آسائش پہ ہے زندانیوں کی اسب مجھے
آرزو سے ہے شکستِ آرزو، مطلب مجھے
توڑنا ہوتا ہے رنگِ یک نفس، ہر شب مجھے
نامہ اعمال ہے، تاریکی کو کب مجھے
پردہ دارِ یادگی ہے، وسعتِ مشرب مجھے
عشق سے آتے تھے مائع، میرزا صاحب مجھے

۶۱۸۱۶

کاوشِ وزرِ حنا پوشیدہ انہوں ہے مجھے
ریشہ شہرتِ روانہ تلبے، رفتنِ زیرِ خاک
ساقیا! دے ایک ہی ساغریں سب کوئے، کہ آج
ہو گئے باہم دگر، بوستس پریشانی سے، جمع
دیکھ لی جوشِ جوانی کی ترقی بھی کہ اب
غنجی ہے، بر نفسِ پیمیدنِ فکر، اے اسد

۶۱۸۱۶

دیکھ تری خوئے گرم، دل بہ پیشِ رام ہے
شوخیِ چشمِ حبیب، فتنہِ ایام ہے
جلوہِ پیشِ پناہ، بخت ہے ذوقِ نگاہ
گو نفس؟ وچہ غبار؟ جراتِ گلزار
غفلتِ اندر دگی، بہمتِ مشکیں ہو
بزمِ وادعِ نظر، یاسِ طرب نامہ بر
گریہ طوہاں بہکاب، نالہِ محشرِ عنان

۶۱۸۱۶

بسکہ سوراخِ خیالِ زلفِ وحشتِ ناک ہے
یاں، فلاخنِ باز، کس کا نالہِ بیباک ہے؟
ہے دو عالم صیدِ اندازِ شہِ دلدار
نلوٹ ہاں رہے قمری میں واکرِ راہِ شوق

ناخنِ انگشتِ خواباں، غلِ واڑوں ہے مجھے
خبرِ جلاد، برگِ بیدِ محنوں، ہے مجھے
آرزوئے بوسہ لبہاں، میگوں ہے مجھے
گردشِ جامِ تمنا، دوہِ گروں ہے مجھے
بدر کے مانند، کاشِ روزِ افزوں ہے مجھے
واشگفتہاں دل در رہنِ بھنوں ہے مجھے

طاہرِ سیما کو، شعلہ، رگِ دام ہے
قنتِ بختِ رقیب، گردشِ صدِ جام ہے
لعبہِ پوششِ سیاہ، مردِ مکِ احرام ہے
درپیشِ آبادِ شوق، سرمہ، صدِ نام ہے
اے ہمہ خوابِ بگراں، حوصلہ بد نام ہے
فرصتِ رقصِ شر، بوسہ پیغام ہے
بے سرو سامان اسد، فتنہ سر انجام ہے

آدلی شب، آہو سی شانہ آسا، چاک ہے
جادہ، تاکِ سار، سوئے چینی، افلاک ہے
یاں، خطِ پر کاہِ بستی، حلقہ فتراک ہے
جادہ گلشن، برگِ ریشہ، زربہ خاک ہے

عیش گرم اضطراب، دہلِ غفلت سرد مہر
عسوسِ وحشت پر ہے، نازِ ناتوانی ہائے دل
ہے کند موجِ جھل، فتر اک بے تابی، اسد

۱۸۱۶ء

دو بساغر، یک گستاں برگریز تاک ہے
شعلہ بے پردہ، چسپینِ دامنِ خاشاک ہے
رنگ، یاں بُوے، سوارِ توہن چالاک ہے

چشمِ خواب، فاشی میں بھی نوا پرداز ہے م
ہے، صبرِ خسامہ، ریزِ شہائے استقبال ناز
پیکرِ عشاق، سادِ طالع ناساز ہے م
دستگاہِ دیدہ خونبار، بجنوں دیکھنا م
سرنوشتِ اضطراب، انجمی الفت نہ پوچھ
نغمہ ہے کانوں میں اُس کے، نالہ سرِ غر اسیر
شرم ہے طرزِ تلاشِ انتخابِ یک نگاہ
نقشِ سطرِ صندِ بستم ہے بر آبِ زیدِ گاہ
شوخیِ اظہارِ غیراز وحشت بجنوں نہیں

۱۸۱۶ء

نافیہ انگشت، تنخال لبِ بیدار ہے
درتہ، صد عشرِ برہنِ جندہ، رخسار ہے
صدرِ گرجاں، جاہِ آسا، وقفِ شترزار ہے
گردِ حمرائے حرم تا کو چہ زَنار ہے
جوشِ سواکبِ حریفِ مینتِ دستار ہے
نقشہ، تاراجِ تناسکے لیے درکار ہے
سایہ دیوار، سیلابِ درو دیوار ہے

بکہ حیرت سے تو پا افتادہ زہن سار ہے
زلف سے شبِ درمیاں دارن نہیں مکن، دریغ
دریاں آبادِ سوداے سرِ بزرگانِ دوست
بکہ دیرانی سے کفر و دیں ہوئے زیرِ وزیر
اے سرِ شوریدہ، ذوقِ عشق و پاسِ آبِ روا
وصل میں دل انتظارِ طرہ رکھتا ہے، مگر
خانہاں ہا، پائسِ شوقی و عوی، اسد

۶۱۸۱۶

ناخنِ انگشتِ خواباں، نعلِ واڑوں ہے مجھے
خنجرِ جلاد، برگِ بیدِ مینوں، ہے مجھے
آرزوئے بوسہ لبہاں، میگوں ہے مجھے
گردشِ جامِ تنہا، دودِ گروں ہے مجھے
بدر کے مانند، کامشِ روزا، فزون ہے مجھے
واشگفتہاں، دل در رہنِ مینوں ہے مجھے

کاوشِ وز رہنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے
ریشہ شہرِ دوانید، رقتنِ زیرِ خاک
ساقیا، دے ایک ہی ساغریں سب کو، کہ آج
ہو گئے باہم دگر، جوستس پریشانی سے، جمع
دیکھ لی جوشِ جوانی کی ترقی بھی کہ اب
غچی ہے، بر نفسِ پیمیدنِ نکر، اے اسد

۶۱۸۱۶

ظاہرِ سیما، کو، شعلہ، رگِ دام ہے
فتمتِ بختِ رقیب، گردشِ صدِ جام ہے
کعبہ پوششِ سیاہ، مردِ مکِ احرام ہے
درتپشِ آبادِ شوق، سرمہ، صدِ نام ہے
اے ہمِ خوابِ بگراں، حوصلہ، بدِ نام ہے
فرصتِ رقصِ شر، بوسہ، پیغام ہے
بے سرو ساماں اسد، فتنہ، سرا، انجام ہے

دیکھ تری نوے گرم، دل بہ پیشِ رام ہے
شوقِ چشمِ حبیب، فتنہ، ایام ہے
جلوہِ پیشِ پناہ، بخت ہے ذوقِ نگاہ
کو نفس؟ وجہِ غبار؟ جراتِ عجزِ آشکار
غفلتِ انسِ رگی، بہتِ مشکیں ہنو
بزمِ و داغِ نظر، یاسِ طربِ نامہ بر
گریہ طوفاںِ بہکاب، نالہ، محشرِ عشاں

۶۱۸۱۶

آدلِ شب، آبنوسی شاد، آسا، چاک ہے
جادہ، آکاہسار، سوے چینی، انلاک ہے
یاں، غلطِ پرکار، سستی، حلقہ، فتراک ہے
جادہ، گمشدن، برگِ ریشہ، زیرِ خاک ہے

بسکِ سوراخِ خیالِ زاف، وحشتِ ناک ہے
یاں، فلاخنِ باز، کس کا نالہ، بیباک ہے؟
بے دو عالم صیدِ اندازِ شہرِ دلدلِ سوار
نلوٹِ ہاں و پہرِ قمری میں، واکرِ راہِ شوق

دو برس غزا، یک گمستاں برگزینہ تاک ہے
شعلہ بے پردہ، چیمین رسن خٹاک ہے
رنگ دیل بوسے، سوارِ تومن چولاک ہے

عیشِ گرمِ اضطراب، دہلِ غفلتِ سرد مہر
عسوسِ وحشت پر ہے، ازیں ناتوانی ہائے دل
ہے لہندہ موجِ گل، فتراک بے تاباں، اسد

۱۸۱۶ء

سرمہ تو کہوے کہ دو در شعلہ آواز ہے
نامہ خود پیغام کو بال و پر پرواز ہے
تار، گویا، گردشِ سیارہ کی آواز ہے
یک باباں جلو، گئی، فرش پا انداز ہے
نالِ خامہ، خارِ خارِ خاطر آغاز ہے
رشتہ پایاں نوا سامانِ بندہ ساز ہے
اضطرابِ چشم، برپا دوختہ، غمناں ہے
حسن کا غط پر ہاں خندِ بدنی انداز ہے
لیلیٰ معنی، اسد، محفلِ شبنمِ راز ہے

چشمِ غمباز، فاشی میں بھی نوا پر داز ہے
ہے، میرِ بیکِ خامہ، ریز شہاے استقبالِ تاز
پیکرِ عشاق، سازِ طراحِ ماساز ہے
دستگاہِ دیدہ خونبارِ مجنوں دیکھنا
سرِ نوشتِ اضطرابِ انجاسی الفت نہ پوچھ
نغمہ ہے کانوں میں اُس کے، نالہ مرغِ اسیر
شرم ہے طرزِ تلاشِ انتخابِ یک نگاہ
نقشِ سطرِ سندِ شبنم ہے بر آبِ زہدِ گاہ
شوخیِ اظہارِ عزیزِ وحشتِ مجنوں نہیں

۱۸۱۶ء

نائین انگشت، بختِ لبِ بیاہ ہے
ورنہ، صد عمرِ برہنِ عبودہ رخسار ہے
صد رگِ جوں، جاہِ آسا، وقفِ شترزار ہے
گردِ محرابِ حرمِ تاکو چہ زناں ہے
جوشِ سداکبِ حریفِ مینتِ دستار ہے
نقشہ، تارِ راجِ تمنا کے لیے رکاوٹ ہے
سایہ دیوار، سیلابِ در دیوار ہے

بسکہ حیرت سے زپا افتادہ زہد رہے
زلف سے شبِ درمیاں دارن نہیں مکن، دریغ
در خیالِ آبادِ سوداے سیرِ بزرگانِ دوست
بسکہ ویرانہ سے کفر و دیں ہوئے زیرِ وزیر
اے سیرِ شوریدہ، ذوقِ عشق و پاسِ آبرو
وصل میں دلِ انتظارِ طرہ رکھتا ہے، مگر
خانماں ہا، پائے سالِ شوخیِ دعویٰ، اسد

۶۱۸۱۶

کوہ کے ہوں بارِ خاطر اگر صدا ہو جائیے م
از دل ہر درد مندے جوشِ بیتیابی زدن
بیضہ آسا، تنگ بال و پر پہ کچھ قفس م
یاد رکھیے ناز ہائے التفاتِ اوٹیں
لطفِ عشقِ ہر یک اندازِ دگر دکھلاے گا
داد از دستِ حنائے سدمہ ضربِ المثل
وسعتِ مشرب، نیازِ کلفت و حش، اسد

بے تکلف، اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے؟
اے ہمہ بے مددغائی، یک دعا ہو جائیے
از سر نو زندگی ہو، گر رہا ہو جائیے؟
آہشیانِ صائرِ رنگِ صفا ہو جائیے؟
بے تکلف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے
گر ہمہ افتادگی، جوں نقشِ پا ہو جائیے
یک بیاں سایہ بالِ ہما ہو جائیے

۶۱۸۱۶

کوششِ ہمہ بیتابِ تردد شکنی ہے
گو حوصلہ پامردِ قفا فل نہیں، سیکن
دی لطف ہوانے بجنوں، طرفِ نزاکت
را مشگرِ اربابِ فنا، نالہ ز بغیر
از بسکہ ہے محوِ چمنِ تکیہ زدہ ہنسا
آئینہ و شانہ، ہمہ دست و ہمہ زانو
فریاد، اسد بے نگہی ہائے تماں سے

صد جنشِ دل، یک شرہ برہم زدہ ہے
خاموشیِ عاشق، گلا کم سخن ہے
تا آبلہ، دعوائے تنگ پیر، مٹی ہے
عیشِ ابد، از خویش بروں تا خفتی ہے
گل برگ، پیرِ بالشرِ سرو پھمتی ہے
اے حسن، مگر حسرتِ پیاں شکنی ہے
پس کہتے ہیں، واللہ، کہ اسد غنی ہے

۶۱۸۱۶

کا شانہ ہستی کہ بر انداختی ہے
ہے شعلہ شمشیرِ فنا، حوصلہ پرہیز
مبذ خاک بسر کردن بیفائدہ حاصل

یاں سوختی، اور وہاں ساختی ہے
اے داغِ تنہا، سپر انداختی ہے
ہر پختہ میدانِ ہوسِ خفتی ہے

گردن، بہ تماشائے گل، افسراختی ہے
جائے کر، اسد، رنگ چین باختی ہے

اے بے شبراں، حاصلِ حکیم و مہین
ہے سادگیِ ذہن، تسمائے تماشا

۶۱۸۱۶ ●

باوجودِ مشق و حشمت، رمیدن منع ہے
آبِ گردیدن روا، لیکن چکیدن منع ہے
زخمِ دوزیِ جرم، و پیراہنِ دریدن منع ہے
آج کی شب، چشمِ کوب تک پریدن منع ہے
ریشہ زیرِ زمین کو بھی دودن منع ہے
نالہ بلبلی جگوشِ محلِ شنیدن منع ہے
بے ولایے ساتی کوثر کشیدن منع ہے

حکمِ بیابانی نہیں، اور آرمیدن منع ہے
شرم، آئینہ تراشِ جہبہ طوفان ہے
بیخودی، فسرماں رواے حیرتِ آبادیوں
مردمِ دیدار سے رسوائیِ اظہار دور
بیمِ طبعِ نازکِ خواباں سے، وقتِ سیرِ باغ
یارِ معذورِ تغافل ہے، عزیزاں شفقے
مافیہِ بارہ کشیِ نادان ہے، لیکن، اسد

۶۱۸۱۶ ●

نقد ہے داریِ دل، اور آتشِ بانیِ مفت ہے
تندرستیِ فائدہ، اور ناتوانیِ مفت ہے
یعنی، اے پیرِ فلک، شہِ جوانیِ مفت ہے
بردِ پیکشورِ دل، پاسِ بانیِ مفت ہے
برہوسِ ہائے جہاں دامنِ فانیِ مفت ہے
حیف ہے آن کو جو سمجھیں زندگانیِ مفت ہے
پس بد لباسِ دگرِ راحتِ رسانیِ مفت ہے

چار سوے عشق میں صاحبِ دکانِ مفت ہے
زخمِ دل پر باندِ جیسے حلوائے مغزِ مستخوان
نقدِ اغم تا بکے از کیمہ بیروں ز تخن؟
گر نہیں پاتا درونِ خانہ، ہر بے گانہ، جا
چونکہ بالائے ہوس پر ہر قبا کوتاہ ہے
یک نقش، ہر یک نفس، جاتا ہے قسطِ عمر میں
مال و جاہ و دست و پا بے زرِ خریدہ میں، اسد

۶۱۸۱۶ ●

نافلِ آپشِ مجنوں، محلِ کشِ لیل ہے

بیابانی یا دو دوست، ہسرنگِ تبتی ہے

کلفت کشتی ہستی، بدنامِ دوب رنگی ہے
دیدن ہمہ بالیدن، کردن ہمہ افسردن
و ہم طرب ہستی، بجایِ سیہ مستی
زندانیِ تحمل میں مہمانِ توفل ہیں
ہووے نہ غبارِ دلِ تسلیمِ زمیں گراں
رکھ کر سخن میں تو معذور مجھے، غالب

● ۱۸۱۶ ع

یاں تیرگی اختر، خالی رخِ رنگی ہے
خوشتر ز محفل و غنچہ، چشم و دلِ ساقی ہے
تسکینِ دہِ صدہ محفل، یک ساغرِ خالی ہے
بے فائدہ یاروں کو فرقِ غم و تادی ہے
مفسر و رہو، ناداں، سرتا سرنگیتی ہے
یاں زورِ قی خود داری، طوفانیِ معنی ہے

مکمل کو تری صحبت، از بیکہ خوش آئی ہے
واں گنگرِ استغنا، ہر دم ہے بلندی پر
از بیکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
آئینہ، نفس سے بچا ہوتا ہے کدورت کش
ہنگامِ تصور ہوں در یوزہ گریہ بوسہ
وہ دیکھ کے حسنِ اپنا، مغرور ہوا، غالب

● ۱۸۱۶ ع

در یوزہ سماں ہا، اے بے سرو سامانی
تمثالِ متا شاہا، اقبالِ تمنا ہا
دعویٰ جنوں باطل، تسلیمِ عبث حاصل
بے گمانگیِ غول، موجِ ریم آہوہا
پروازِ پیشِ رنگی، گلزارِ ہمہ تنسلی
سنگِ آمدِ سخت آمد، دردِ سرِ خود داری
گلزارِ تمنا ہوں، گلچینِ متا شاہوں

م ہر غنچے کا گل ہونا، آغوشِ کشائی ہے
یاں نامے کو اور اٹا دعوایِ رسائی ہے
م جو داغِ نظر آیا، اک چشمِ نمائی ہے
م عاشق کو غبارِ دل، اک وجہِ صفائی ہے
یہ کاسہ زانو بھی اک جامِ گدائی ہے
صدِ جلوہ آئینہ، ایک صبحِ جدائی ہے

ایجادِ گریہاں ہا، در پردہِ عمریانی
عجزِ عشقِ شرعے، اے آئینہ حیرانی
پروازِ فنا مشکل، میں عجزِ تنِ آسانی
دامِ گلہ الفت، زنجیرِ پشیمانی
خوں ہوں قفسِ دل میں، اے ذوقِ پیرائشی
معذورِ سبک ساری، محبوبِ گراں بجانی
صدِ نالہ اسدا، بسیل در بندِ زباں وانی

نظر یہ نقص گدایاں، کمال بے ادبی ہے
ہوا وصال سے شوقِ دلِ حسیں زیادہ
نوشاۂ وہ دل کہ سراپا طلبم بے خبری ہو
چمن میں کس کی، یہ برہم ہوئی ہے بزمِ تماشا؟
امامِ ظاہر و باطن، امیرِ صورت و معنی

۶۱۸۱۶ ●

دلا، عیث ہے تنہاے خاطرِ اندروزی
طلبم آئندہ، زانوئے فشر ہے، غافل
ہوئی ہے سوزشِ دل، بسکہ، داغ بے اثری
پہ پرفشانی پروانہ چسپاں مزار!
تپش تو کیا، ہوئی مشقِ پرفشانی بھی
اسد، ہمیشہ پئے کفشِ پائے سیمِ تناس

۶۱۸۱۶ ●

خبر نگ کو نگ چشم کو عذو جانے
نفس بہ نالہ رقیب، ونگ با شک عذو
پہ کسوتِ عرقِ شرم قطرہ زن ہے تخیال
جنوں فردہ تکیں دے، کاش! عہد وفا
نہ ہووے کیونکہ آسے فسخِ قتلِ اہل وفا
زباں سے عرضِ متناے خامشی معلوم
سیح کشہ الفت بیر علی نعال ہے

کہ غبارِ خشک کو بھی دلوئی چمن نسبی ہے
لبِ قدم پہ کعبہ بادہ، جوشِ تشنہ لہی ہے
جنونِ یاس و الم، رزقِ مدعا طلبی ہے
کہ برگِ برگِ سمن، شیشہ ریزہ طلبی ہے
علی، ولی، اسد اللہ، جانشینِ نبیؐ ہے

کہ بوسہ لبِ شیریں ہے اور گلو سوزی
ہنوز حسن کو ہے، سحرِ جلوہ اندوزی
اُگی ہے دودِ جگر سے شبِ سیدِ روزی
کہ بعدِ مرگ بھی ہے لذتِ جگر سوزی
رہا میں ضعف سے شرمندہ نو آموزی
شعاعِ بہر سے کرتا ہے چرخِ زردوزی

وہ جلوہ کرکڑ میں جالوں اور نہ تو جانے
زیادہ اس سے گرفتار ہوں کہ تو جانے
مبادہ حوصلہ معذور جستجو جانے
گدازِ حوصلہ کو پاس آبرو جانے
لہو میں ہاتھ کے جھرنے کو جو وضو جانے
مگر وہ خانہ بر اندازِ گفتگو جانے
کہ جو، اسد، تپشِ نبضِ آندو جانے

۱۸۱۶ء

پر بلبل کے انسر دن کو دامن چیدنی جلنے
بہار اُس کی کفِ مشالہ میں بالیدنی جانے
بیکِ بزرگانِ خواباں، صد چمن خوابیدنی جانے
مِرہ پیک میں مہ کی سوزن آسا، چیدنی جانے
نگہ، شمشیر میں جوں جوہر، آرا میدنی جانے
نفس، در قابِ عشقِ لحدِ زدیدنی جانے
متا شاہے کہ رنگِ رفتہ برگردیدنی جانے
زبانِ ہر سرِ مو، حالِ دل پر سیدنی جانے

اگر گل حسن و الفت کی بہم پوشیدنی جلنے
فنونِ حسن سے ہے، شوخیِ گلگونہ آرائی
نوائے بلبل و گل، پاسِ بانِ بید ماغی ہے
زہے! شبِ زندہ دارِ انتظارِ ستاں، کہ دشت سے
خوشا! مستی، کہ خوشِ حیرت اندازِ قاتل سے
جفا شوخ، وہوسِ گستاخِ مطلب ہے، مگر عاشق
نوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ہے
اسد، جاں نذرِ اطماعی کہ ہنگامِ ہم آغوشی

۱۸۱۶ء

بو تو باندھے کفِ پا پر حنا، آئینہ موزوں ہے
ہجومِ برق سے چرخِ زمیں، یک قطرہ خوں ہے
برا نگشتِ حسابِ اشک، نخلِ نعل و اثر وں ہے
دماغِ دو جہاں پر، بخل و گل، یک شبنم ہے
سویدا مردمِ چشمِ پری، نظارہ انصاف ہے
سمو از بہرِ شست و شوئے داغِ ماہِ عبالہ ہے
چہرا غالی نگاہ، و شوخیِ اشکِ ہلکوں ہے

گلستاں، بے کفِ پیشِ پا افتادہ مضمون ہے
بہارِ گلِ دماغِ نشہ ایجاوِ مجنون ہے
ہجومِ گریہ سوئے دلِ خوشا! سراپہ طوفان
عدمِ دشتِ سراغ، و ہستیِ آئینِ بندِ رنگینی
متا شاہے علاجِ بید ماغی ہلے دل، غافل
فنا، کرتی ہے زائلِ سر توشتِ کلفتِ ہستی
اسد، ہے آج بزرگانِ متا شاکی مہابندی

۱۸۱۶ء

غافلان، آفتابِ کار، آئینہ انجام ہے
جادو، سرِ سبز، بزرگانِ چشمِ دام ہے

صبحِ معلوم، آثارِ قلمِ بر شام، ہے
لکھتے صیادِ راہِ عشقِ میں محوِ کمیں

بسکہ تیرے جلوہ دیدار کا ہے اشتیاق
مستعدِ قتلِ یک عالم ہے، ہلاؤ فلک
کیا کمالِ عشقِ نقص آبادِ گیتی میں سے ملے
ہو جہاں، وہ ساتی خسرت بدرو، مجلسِ فروز

۶۱۸۱۶

ہر جہت خسرتِ شید طلوت، تقابہ ہام ہے
ککشاں، موجِ شفق میں تیغِ خونِ آسمان ہے
پختگی ہائے تصور، یاں خیالِ خام ہے
واں، اسدا، تارِ شعاعِ مہرِ خطِ حرام ہے

دکھتا ہوں وحشتِ شوقِ خسروِ شامانہ سے
دامِ گرِ سبزے میں پنہاں کیجیے، طاؤس ہو
خیمہ لیلی سیاہ، و خانہ مجنوںِ خسراب
آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے م
بزمِ مے، وحشتِ کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا؟ م
بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم، اسدا

۶۱۸۱۶

پختگی ہائے کبابِ دل ہوئی غامی تری
ہے نزاکتِ جلوہ، اے ظالم، سیہ نامی تری
باج لیتی ہے گلستاں سے گل (ندامی تری)
میرے کام آئی، دلِ مایوسِ ناکامی تری
لیکن اس سے ناگوار تر ہے بدنامی تری
یاں ننگِ آلودہ ہے دستارِ بادامی تری
اے اسدا، بجائیں ہے غفلتِ آرامی تری

اے خیالِ وصل، نادر ہے مے آشی تری
رج گیا جوشِ صفا سے زلف کا، اعضائیں نکس
برگِ ریزی ہائے گل ہے وضعِ زرافشا ندنی
بسکہ ہے غبتِ ادیبِ یادِ گہما ہے ہوس
ہم نشینیِ رقیبِ اگرچہ، اے سامانِ رشک
بخجہ کو، اے غفلتِ نسب، پروا ہے مشتاقاں کہاں
سربز الوے کرم رکھتی ہے شرمِ ناکسی

۶۱۸۱۶

بچشم گریاں، بسمل شوق بہار دید ہے
دامن گردوں میں رہ جاتا ہے ہنگام و داغ
رتبہ تسلیم غلت مشرباں، عالی سمجھ
کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش
کثرت اندوہ سے حیران و مضطرب ہے، اسد

۶۱۸۱۶

دل سراپا وقف سوداے نگاہ تیز ہے
ہو کے کیا خاک دست بازوے فریاد سے؟
ان ستم کیشوں کے کھائے ہیں، زبیں، تیرنگاہ
خوں چکاں ہے جادہ، مانند رگ سودا سیاں
ہے بہار تیز رو، مٹکوں حکمت پر سوار
کیوں ہو بچشم تباں، عمو قافل کیوں نہ ہو؟
مرتے تہے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
عارضہ گل دیکھ اوروں پر یاد آیا، اسد

۶۱۸۱۶

نظر پرستی و بیکاری خود آری
ز خود گزشتن دل، کاروان حیرت ہے
نہیں ہے، اوصد، پار و کثرت تکلیف
بچشم ریشہ شرکاں ہے جو ہر رگ خواب
خدا ب نالہ ببل، شہید خندہ گل
شکست ساز خیال، آنسوے گر لوہ غم

اشک ریزی، عرض بال افشانی امید ہے
گو ہر شب تاب، اشک دیدہ خوشید ہے
بچشم قربانی، گل شاخ ہلال عید ہے
اے خوشبارندے کہ مرغ گلشن تجرید ہے
یا قلی، وقت غلیات و دم تائید ہے

یہ زمیں، مثل نیستان، سخت ناوک تیز ہے
بیتوں، خواب گران خسرو پرور ہے
پردہ بادام، یک غروبِ حسرت بیز ہے
سبزہ صحرائے الفت، نشتر خوں ریز ہے
یک شکست رنگ گل، صد مجلسِ رمیز ہے
یعنی، اُس بیار کو نظارے سے پرہیز ہے
ولے بنا کامی کہ اُس کا ذکر کا خیر تیز ہے
جوششِ فصل بہاری، اشتیاقِ ایگزیز ہے

رتیب آئندہ ہے، حیرت تماشاں
نگہ، غبارِ ادب گامِ جلوہ فرماں
جنوںِ حسناختہ، حسرتِ فسون دانائی
نہ پوچھ تازگی و حشرِ شکیبائی
ہنوز دعویٰ شکست و بیم رسوائی
ہنوز نالہ پراقتشایِ ذوقِ رعنائی

ہنوز محسوس حسرت بدوشِ خود رانی
اسدِ ہنوز، گمانِ سرورِ دانی

ہزارِ قافلہ آرزو، سیاہاں مرگ
وداعِ حوصلہ، توفیقِ شکوہ، عجزِ وفا

● ۱۸۱۶ ●

کہ خاموشی کو ہے پیرایہِ سیاہی
چسپاںِ صبح، ونگلِ موسمِ خزاں
حنائے پائے اہلِ خونِ کشنگاں
نگاہِ حسرتِ مشاطہ، نواں
بہارِ نالہ و رنگینیِ نفاں
امیدِ محبتِ شادِ گلستاں
جبینِ سجدہ نشاں
وفاے حوصلہ، و رنجِ امتحان
خرامِ تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں

گدائے طاقتِ تفسیر ہے، زباں
فسردگی میں ہے، فسیلِ بیدلاں
بہارِ حسرتِ نظارہ، سختِ جہان
پیری بہ شیشہ، و عکسِ رخِ اندر آئینہ
طسراوتِ محسوسِ ایجادِ اثر یک سو
چمنِ چمنِ گلِ آئینہ در کنارِ ہوس
نیازِ پردہ، اظہارِ خود پرستی ہے
بہانہ جوئیِ رحمت، کہیں گریہِ تقریب
اسدِ طلسمِ قفس میں رہے، قیامت ہے!

● ۱۸۱۶ ●

ہوں وہ گلامِ کسبِ میں پھپھایا ہے مجھے
ایک دل تھا کہ بعدِ رنگ دکھایا ہے مجھے
آئینہ، بیضہ طوطی نظر آ یا ہے مجھے
موکشاںِ خانہ زنجیر میں لایا ہے مجھے
یک سیاہاں دل بیتاب اٹھایا ہے مجھے
ترِ خاکِ سرِ صد آئینہ پایا ہے مجھے
ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں کا پایا ہے مجھے
ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں سے بٹلایا ہے مجھے

سکِ طاووس، گرفتار بنایا ہے مجھے
پیرِ طاووس، متاشا نظر آ یا ہے مجھے
عکسِ خط، تاسخنِ ناصحِ دانا سر سبز
سنبھلتاں جنوں ہوں، ستمِ نسبتِ زلف
گردباد، آئینہ محشرِ خاکِ مجنوں
حیرتِ کافرِ آتشزدہ ہے، جلوہ عر
لار و گلِ ہسم آئینہ اخلاقِ ہمار
درِ اظہارِ پیشِ کسوتی گلِ معلوم

بے دماغ تپش، و عسرضِ دو عالم فریاد
جامِ ہر ذرہ ہے سرشارِ تمنا مجھ سے
بوشِ فریاد سے لوتگا دیتِ خواب، اسد

۶۱۸۱۶

ہوں میں وہ خاکِ کرم میں اڑایا ہے مجھے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے نکایا ہے مجھے
شوخیِ نفسِ بیدل نے جگایا ہے مجھے

باغِ تھنہ بن گلِ زکس سے ڈراتا ہے مجھے
باغِ پاکِ خفّانی، یہ ڈراتا ہے مجھے
ماہِ نوا ہوں کہ فلکِ عجز سکھاتا ہے مجھے
جو ہر تیغِ بسرِ چشمہ دیگر معلوم
مدّعا، محوِ تماشاے شکستِ دل ہے
نالہ، سرمایہ یک عالم و عالمِ کفِ خاک
زندگی میں تروہ محفل سے اٹھادیتے تھے
شورِ تمناں ہے کس رنکِ من کا یارب؟
عبرتِ آئینہ انجامِ جنوں ہوں جوں شمع
میں ہوں اور حیرتِ جاوید، مگر ذوقِ خیال
حیرتِ منکرِ سخن اسانہ سلامت ہے اسد

۱۸۱۶

چاہوں گر سیرِ حین، آنکھ دکھاتا ہے مجھے
سایہ شباخِ گل، افعیٰ نظر آتا ہے مجھے
عمر بھر ایک سی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہرِ آب آگاتا ہے مجھے
آنکھ خانے میں کوئی لے جاتا ہے مجھے
آسمان، بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
دیکھوں، اب سرگئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
آنکھ، بیضہ بلب نظر آتا ہے مجھے
کس قدر داغِ جگر شعلہ اٹھاتا ہے مجھے
بفسونِ سحرِ ناز سناٹا ہے مجھے
دل پسِ زانوے آئینہ بٹھاتا ہے مجھے

قتلِ عشاق ز غفلتِ کشِ تدبیر آوے
بالِ طلاس ہے رعنائیِ ضعیفِ پرواز
عسرضِ حیرانیِ بیابِ محبت معلوم
ذوقِ راحت اگر احرامِ تپش ہو جوں شمع
اس بیاباں میں گرفتِ رنجوں ہوں کہ جہاں

یارب، آئینہ بہ طاقِ خیمِ شمشیر آوے
کون ہے داغِ کہ شعلے کا عشاں گیر آوے
عیسیٰ، آخر کب آئینہ تصویر آوے
پائے خوابیدہ، بدجوئیِ شبگیر آوے
مویہ رنگ سے دل، پائے یہ زنجیر آوے

وہ گرفتارِ خسرابی ہوں کہ فداۃً مُسط
سہرِ معنی بجزِ بیانِ عشقِ خامہ، اسد

سُیل، میاؤں تھیں خانہٴ تعمیرِ آوے
چاکِ دل، شانہٴ کشِ طرۃٴ تحریرِ آوے

۶۱۸۱۶

تشنہٴ خونِ متا شا جو وہ پانی مانگے
نقشِ تازِ بیتِ طرازِ باغوشِ رقیب م
تو وہ بدخو کہ قنیر کو متا شا جانے م
وہ تب عشقِ متا ہے کہ پھر صویتِ شمع م
رنگ سے گل نے دمِ سرِ من پریشانی بزم
زلفِ تحریر پریشانِ تقاضا ہے، مگر
آمدِ خط ہے، اندکِ خندہٴ شیریں کہ، سیاد
ہوں گرفتارِ کھیں گاہِ تغافل کہ جہاں
چشمِ پرواز و نفسِ خفتہ، مگر ضعفِ امید
وحشتِ شورِ متا شا ہے کہ جوں نکبتِ گل
گر ملے حضرتِ سیدں کا خطِ لوحِ مزار

آئینہ، رخصتِ اندازِ روانی مانگے
پائے طاکس، پئے خامہٴ مانی مانگے
غم وہ افسانہ کہ آشفتمہ بیانی مانگے
شعلہٴ تابضِ جگرِ ریشہٴ روانی مانگے
برگِ گل، ریزہٴ مینا کی نشانی مانگے
شانہٴ سماں، موہِ زباں خامہٴ مانی مانگے
چشمِ مور، آئینہٴ دلِ نگرانی مانگے
خوابِ عیاد سے، پرواز، گرافی مانگے
شہپر کاہِ پئے مژدہٴ رسانی مانگے
نمکِ زخمِ جگرِ بالِ فشانِ مانگے
اسد، آئینہٴ پردازِ معانی مانگے

۶۱۸۱۶

ہر قدمِ دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے م
دریں عنوانِ تماشا، بغافلِ خوشتر م
وحشتِ ہتھ دل سے، شبِ تنہائی میں م
عزمِ عشاقانہ ہو سادگیِ آموزِ بتاں م
اثرِ آبلہ سے، مبادہٴ صحرے جنوں م
بیخودی، بسترِ تہیدِ سراغت ہو جو! م

میری رفتار سے، بھاگے ہے بیاں مجھ سے
چہ مانگے، رشتہٴ شیرازہٴ ہر گاہ مجھ سے
صورتِ رود، رہا سایہٴ گریزاں مجھ سے
کس قدر خانہٴ آئینہ ہے دیراں مجھ سے
صورتِ رشتہٴ گوہر ہے چراغاں مجھ سے
پڑ ہے سلسلے کی طرح، میرا شبتاں مجھ سے

مشتوق دیدار میں، اگر تو مجھے گردن مارے م ہونگا، مثل گل شمع پر لیشاں مجھ سے
بے کسی ہائے شبِ بچر کی وحشت ہے ہے م سایہ آخر شد قیامتیں ہے پنہاں مجھ سے
گردش ساعز صد جھوٹے رنگیں، تجھ سے م آئینہ داری یک دیدہ حسیراں مجھ سے
فکِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے، اسد م ہے چراغاں، نفس و خاشاک گستاں مجھ سے

خوابِ محبتِ محفل ہے پر لیشاں مجھ سے کچھ تاریک و کجیں گیسری اختر شمشیری
اے تسلی، ہوس وعدہ فریب افوں ہے بستنِ عہدِ محبت ہمہ نادانی تھا
آتشِ افروزی یک شعلہ ایما مجھ سے اے اسد، دسترس وصلِ تمنا معلوم
رگِ بستر کو رملِ شوقیِ مستزگاں مجھ سے عینکِ چشمِ بنا روزِ نازاں مجھ سے
ورنہ کیا ہونہ سکے نالہ بے ساماں مجھ سے؟ چشمِ نکشودہ رہا عقدہ پیراں مجھ سے
چشمکِ آرائی صد شہرِ چراغاں مجھ سے کاش! ہو قدرتِ برچیدنِ داماں مجھ سے

● ۱۸۱۶ ●

فرقت، آئینہ صد رنگِ خود آرائی ہے وحشتِ زخمِ وفادیکھ کہ سرتاسر دل
شمع آسا، چہ سرِ دعویٰ؟ و کوپاے ثبات؟ نالہ خونیں ورق، و دل گلِ معنوںِ شفق
بوی گلِ فتنہ بیدار، و مینِ جامہ خواب شرم، طوفانی خنداں رنگِ طرب گاہ بہار
باغِ خاموشیِ دل سے سخنِ عشق، اسد فرصت، ایک کفِ افسوسِ تماشائی ہے
بخیم، جوں جو ہر تیغ، آفتِ گیرائی ہے گلِ صد شعلہ، بیکِ تحیبِ شکیبائی ہے
ہمین آرائے نفسِ او وحشتِ تہنائی ہے وصلِ ہر رنگِ جنوں کسوتِ رسوائی ہے
مہتابی کفِ چشمِ تماشائی ہے نفسِ سوختہ رمزِ چمنِ ایمائی ہے

● ۱۸۱۶ع

کارگاہ ہستی میں رل، داغ سماں ہے م
 غنچہ تازہ نگفتہ نا، برگِ عافیت معلوم ! م
 ہم سے رخِ بے تاب کی کس طرح اٹھایا جائے؟ م
 جویرِ زلف کی تقریرِ پیچیدہ، خاموشی
 حیرتِ پدید ہوا، حوٹ پہاے دیدہ ہوا
 عشق کے تغافل سے، ہر ذہ گرد ہے عالم
 وحشتِ انجمن ہے گل، دیکھ لالے کا عالم
 اے کرم، نہ ہو غافل، اور نہ ہے اسد بیدل

برقِ خسرینِ رات، خونِ گرم دہتا ہے
 باوجودِ دلِ جمعی، خوابِ گل، پریشاں ہے
 داغ، پشتِ دستِ بحر، شعلہ، غمِ بندہاں ہے
 ہند میں اسدِ نالان، نامہ درِ صفایاں ہے
 رنگِ گل کے پردے میں آئینہ پر افشاں ہے
 روئے شش بہت آفاق، پشتِ چشمِ بنداں ہے
 مثلِ دو درِ بحر کے، داغِ بال، افشاں ہے
 بے گھر صدق گویا، پشتِ چشمِ نیساں ہے

● ۱۸۱۶ع

گریہ، سرشاریِ شوقِ بہ پایاں زدہ ہے
 گریہ بے لذت کا دُش نہ کرے حیراتِ شوق
 بے متشا نہیں جمعیتِ چشمِ بسمل
 فرصتِ آئینہ، و پروازِ عدمِ تاہستی
 نقشِ رنگینیِ سعیِ تسلیمِ مآتی ہے
 دریاں نیزنگ ہے کس موجِ نگہ کا یارب؟
 سازِ وحشتِ رقیبہا، کہ بانگِ بار اسد

قطرہ خونِ بگر، چشکِ طوفاں زدہ ہے
 قطرہ اشک، دلِ بر صغیرِ بزرگاں زدہ ہے
 بڑھ فالِ دو جہاں خوابِ پریشاں زدہ ہے
 یک شرِ بالِ دل، او دیدہ چراغاں زدہ ہے
 بگردِ امنِ صدرِ رنگِ گلستاں زدہ ہے
 غنچہ، صد آئینہ زانوئے گلستاں زدہ ہے
 دشتِ درگاہِ آئینہ صغیرِ افشاں زدہ ہے

● ۱۸۱۶ع

خوابِ غفلت، کہیں گاہ و نظرِ پنہاں ہے
 دو جہاں، گردشِ یک سببِ اسرارِ پنہاں ہے

شام، سارے میں بتاراجِ سحرِ پنہاں ہے
 نقدِ صد دلِ بگرِ میانِ سحرِ پنہاں ہے

آستاراں میں اصفیٰ آئینہ در پہنیاں ہے
اشک، جوں بیفنہ، شرہ سے تر پہنیاں ہے
نالہ، در گردِ تنہا لے اتر پہنیاں ہے
ورنہ، ہر رنگ کے باطن میں شر پہنیاں ہے
خندہ گل، بلبلِ زخمِ جسگر پہنیاں ہے

خلوتِ دل میں ذکرِ دغ، بجزِ سجدہ شوق
فکرِ پروا و جنوں ہے، سببِ ضبط نہ پوچھ
ہوش، اے ہرزہ در اہمیتِ بیدردی چستہ
وہمِ غفلت، مگر، احسرامِ فسرِ دن باندہ
وحشتِ طالع، اسدِ عالمِ یسگرِ نشاط

۶۱۸۱۶ ●

اے سدا، تجاوتِ عیبانہ کھینچے
نازِ بہارِ جزبہ تقاضا نہ کھینچے
پاے نظر بہ دامنِ محروانہ کھینچے
دردِ طلب بہ آبلہ پا نہ کھینچے
کیا فائدہ کہ منتِ بیگانہ کھینچے
بجزِ خطِ عجز، نقشِ تنہا نہ کھینچے
صورت پہ کارخانہِ بریا نہ کھینچے
دستِ ہوس پہ گردنِ مینا نہ کھینچے

داناںِ دل بہ وہمِ متاشانہ کھینچے
گل، سرِ بسر، اشارہِ نجیبِ دریدہ ہے
حیرتِ حجابِ جوں، و وحشتِ عبا و حشم
واماندگی بہسانہ، و دبستگیِ فریب
گرتے ہوئے تصورِ یار آئے ہے عیا
گر صفحے کو نہ دیکھے پروازِ سادگی
دیدارِ دوستانِ بسا کی ہے ناگواری
ہے بے شمارِ نشہ خونِ جسگر، اسد

۶۱۸۱۶ ●

جوں شمع، دلِ خلوتِ جانانہ کھینچے
گر زلفِ یار کھینچ نہ سکے، شانہ کھینچے
پاے نظر بہ دامنِ افسانہ کھینچے
یک عمر، دامنِ دلِ دیوانہ کھینچے
خمیازہِ خسار سے پیانہ کھینچے
بالِ پری بہ وحشتِ عیبانہ کھینچے

تا چند نازِ مسجد و بت خانہ کھینچے
بہ سزار، نقشِ یکِ دلِ مدچاکِ عرفانہ
راحتِ کھین شوقیِ قنبرِ نالہ ہے
زلفِ پری، بہ سلسلہ آرزو رسا
یعنی دماغِ غفلتِ ساقیِ رسیدہ تر
پروازِ آشیانہِ عنقاے ناز ہے

دامن کو اُس کے آج حریفانہ کھینچے
رختِ جنونِ سبیل بہ ویرانہ کھینچے

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
ہے ذوقِ گریہ، عجزِ سفر کیجیے، اسد

● ۱۸۱۶

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تھہ سا کہیں جسے
مژگان کو بھن، رگبِ خدا کہیں جسے
زخیمِ نسراق، خندہِ بیا کہیں جسے
یہ محشرِ خیال کہ دنیا کہیں جسے
گلدستہٴ نگاہ، شہویدا کہیں جسے
افسونِ انتظار، تمنا کہیں جسے
وہ ایک مَشتِ خاک کہ کھڑا کہیں جسے
شوقِ عیناں گینہ، دریا کہیں جسے
صبحِ بہار، پنبہٴ مینا کہیں جسے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

آئینہ کیوں ندوں، کرتا شا کہیں جسے؟ م
ہے انتظار سے شہرِ آباد رُستخیز م
کس فرستِ وصال پہ ہے گل کو، عنذیب م
یارِ باہیں تو خواب میں بھی مت دکھایو م
حسرت نے لا رکھا تری بزمِ تحسین میں م
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں، اے خدا؟ م
سر پر، ہجومِ درِ عسری سے، ڈالے م
ہے چشمِ تریں، حسرتِ دیدار سے نہاں م
دیکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو م
غالب، بُرانہ مان، جو واعظِ بُرا کہے م

● ۱۸۱۶

نافہ، دماغِ آہوے رشتِ تار ہے
آئینہ، شرشِ شش جہتِ انتظار ہے
نظارے کا مقدمہ پھر رو بکار ہے
گردام ہے، دسحتِ صحرانِ شکار ہے
وہ آئے یا نہ آئے، پہیاں انتظار ہے
ہر درتے کے نقاب میں، دل بقرار ہے
طوفانِ آمد آمدِ فضلِ بہار ہے

جس جانیم شانِ کشِ زلفِ یار ہے م
کس کا سرِ باغِ جلوس ہے، جہت کو، اے خدا؟ م
دلِ مدعی، و دیدہ بنا مدعیِ علیہ م
ہے ذرہٴ ذرہ، تنگیِ جا سے، غبارِ شوق م
پچ آپڑی ہے وعدہٴ دلدار کی مجھے م
بلے پردہ، صوے وادیِ مجنوں گزرہ کر م
اے عنذیب، یک کفنِ تحسین بہرِ آشتیاں م

دلِ مت گنوا، خبر نہ سہی، سیرِ سی ہی م اے بے دماغ، آئینہ تمثالِ دار ہے
چھڑ کے ہے شبِ بنم، آئینہ برگِ گل پہ، آب م اے عندلیب، وقتِ وداع بہار ہے
غفلتِ کفیلِ عمر، واسد ضامنِ نشا ط م اے برگِ ناگہاں، تجھے کیا انتظار ہے

● ۶۱۸۱۶

منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے
بہرِ طلب ہے، محفلِ معنائے آہی
خجالت کشِ وفا کو شکایتِ چاہیہ
کیفیتِ محومِ تمنا رسا، اسد

وامانِ سدِ کفن، ترِ سنگِ مزار ہے
شبِ بنم، گدازِ آئینہ (اعتبار ہے
اے سدِ غمی، طلسمِ عرقِ بے غبار ہے
غمیازہ، ساغرِ رنجِ غبار ہے

● ۶۱۸۱۶

مستی، بذوقِ غفلتِ ساقی، ہلاک ہے
کلفت، طلسمِ جلوہ کیفیتِ دگر
ہے عرضِ جوہرِ خط و خالِ ہزارِ عکس
ہوں، خلوتِ فسرِ دگیِ انتظار میں
م جگرِ زخمِ تیغِ ناز، نہیں دل میں آرزو
م جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں، اسد

موجِ شراب، ایک مژدہ خواہناک ہے
زنگارِ خوردہ آئینہ، یک برگِ تاک ہے
لیکن ہنوز دامنِ آئینہ پاک ہے
وہ بیدارِ غم جس کو ہوں بھی تپاک ہے
م جیبِ خیال بھی، ترے ہاتھوں سے چاک ہے
م صحرا ہمارے آنکھ میں یک مٹتِ خاک ہے

م سن ہے پروا، خسریا پر متاعِ جلوہ ہے
م تاکج، اے آہی، رنگِ تماشا بافتن؟
م ہمسرِ دیدہ ساز، و ناتہ رفتہ ہا ہشمر

م آئینہ، زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے
م چشمِ داگردیدہ، آغوشِ وداعِ جلوہ ہے
م جادہٴ صحراے آگاہی، شعاعِ جلوہ ہے

صلح گل، گردِ لب گویہ، نزارِ مع جود ہے
آئندہ یک دست ردِ امتناعِ جود ہے

اختلافِ رنگ و بو، طرحِ ہسا بہ بخودی
حسنِ خواباں بسکہ بے قدر متا شاہے، آمد

۶۱۸۱۶ ●

دعویٰ جمیعتِ احباب، جاے خندہ ہے
ہر شکستِ قیمتِ دل میں صدے خندہ ہے
دو جہاں وسعت، بقدرِ یک قفلِ خندہ ہے
یک جہاں زانو تا قفل، در قفاے خندہ ہے
ورنہ دیراں در دل افشردنِ بے خندہ ہے
دل، محیطِ گریہ و لب، آشتابِ خندہ ہے
صبح و شبنم، فرمتِ نشو و نماے خندہ ہے

م عرضِ نازِ شوخیِ دندان، برائے خندہ ہے
م خود فروشیماے، ہستی بسکہ باے خندہ ہے
م نقشِ عبرت در نظر، یا نقدِ عشرت در لہاظ
م ہے عدم میں، فیضِ محوِ عبرتِ انجامِ گل
م گفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابیِ حسام
م شورشِ باطن کے ہیں احبابِ منکر، ورنہ یاں
م جاے استہزا ہے عشرت کو شہی ہستی، آمد

۶۱۸۱۶ ●

برگر یز ناخنِ مطرب، بہارِ نغمہ ہے
گوشہا سیمائی، و دل سمیترایِ نغمہ ہے
سیل، یاں کو کیدِ صدائے آبشارِ نغمہ ہے
تارِ زنجیرِ مجنوں، رشتہ دارِ نغمہ ہے
کسوتِ ایجادِ بلبل، خارِ غارِ نغمہ ہے
شیشہ رخ، سرو سبزِ جویاںِ نغمہ ہے
واں تو، میسے نالے کو بھی، اعتبارِ نغمہ ہے
پنبہ گوشِ حریفان، پود و تارِ نغمہ ہے

شوخیِ منظرِ جولال، آبِ ہیاںِ نغمہ ہے
کس سے، اے غفلتِ تجھے تعبیر آگاہی ملے؟
سازِ عیشِ بے دن ہے، خانہ ویرانی، بکھے
سنبلی خواں ہے، بذوقِ تارِ گیسوے دراز
شوخیِ فساد سے ہے پردہ زبور، گل
نشہ ہا، شادابِ رنگ، و سازِ ہا مستو طرب
ہم نشیں، متکلم کہ "برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست"
م غفلتِ استعدادِ ذوق، و مدعا غافلِ استد

۶۱۸۱۶ ●

م رجم کر، ظالم، کہ کیا بود چیراغ کشتہ ہے
نشتہ ہے، بے چین، دود چیراغ کشتہ ہے
داغ ربط ہم ہیں اہل باغ، اگر گل ہو شہید
شوہر ہے کس بزم کی عرض جرات خانہ کا؟
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے، ہمیں
نامراد جلوہ، ہر عالم میں حسرت گل کرے
ہو جہاں، تیرا دماغ ناز، مست بے نودی
ہے، دل افسردہ، داغ شوخی مطلب، اسد

م نہن بیمار وفا، دود چیراغ کشتہ ہے
جام، داغ شعلہ اندود چیراغ کشتہ ہے
لالہ چشم حسرت آلود چیراغ کشتہ ہے
صبح، نیک زخم نیک سود چیراغ کشتہ ہے
ورنیاں بے رونقی، سود چیراغ کشتہ ہے
لالہ، داغ شعلہ فرسود چیراغ کشتہ ہے
خواب ناز لگر خال، دود چیراغ کشتہ ہے
شعلہ، آخر فال مقصود چیراغ کشتہ ہے

۶۱۸۱۶ ●

م تپش سے میری وقف کشمکش، ہر تار بستر ہے
بہ ذوق شوخی اعضا تکلف بار بستر ہے
ممتا تکلف اسد ہر چشم پوشیدن
خرہ فرش رہ، و دل ناتوان، و آرزو مضطر
م سہاگ کب سہر بھرا دادہ، نور العین دامن ہے
م خوشا اقبال رنجوری، عیادت کو تم آئے ہو
م بہ طوفاں گاہ بوش اضطراب شام تنہائی
م ابھی آتی ہے گوباش سے اس کی زلف شکیں کی
م کہوں کیا، دل کی کیا حالت ہے مج پر ایسا غالب؟

م مرا سر رخ بالیں ہے، مراقن ہا بستر ہے
م معاف یہ تاج کشمکش، ہر تار بستر ہے
م گداز شمع محفل، پیش طومار بستر ہے
م سپاے خفتہ، سیر وادی پُر غار بستر ہے
م دل بیدست و پا افتادہ، پر غور داہ بستر ہے
م فروغ شمع بالیں، طالع بیدار بستر ہے
م شعاع آفتاب صبح محشر، تار بستر ہے
م ہماری دید کو، خواب زلیخا، عمار بستر ہے
م کہ بتیابی سے، ہر یک تار بستر، خاں بستر ہے

۶۱۸۱۶ ●

م خطر ہے، رشتہ الفت، رگ گردن نہ ہو جاوے
م غضب شرم آفریں ہے رنگریزی ہائے خورد بینی

م غرور دوستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو جاوے
م سپیدی آنکھ کی پنہاں روزن نہ ہو جاوے

بہاں شوقی، ہر گاہ اسیر ہر خار سوزن ہے
جرات دوزی عاشق ہے، جاے رحم، ترما ہوں
تبسمِ برگِ گل کو، بخیر، دامن نہ ہو جاوے
سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشوونما، غالب م

● ۶۱۸۱۶

نوائے خفتہ افست، اگر، بیتاب ہو جاوے
اگر وحشت عرق افشان ہے پر واخرامی ہو
پیر پر دانہ، تارِ شمع پر مہرِ اب ہو جاوے
ز بس طوفانِ آب و گل ہے غافل کیا تبت ہے
بیاضِ ریتِ آہو، کفِ سیلاب ہو جاوے
انہیں یاں تک، اے دستِ دعا، دخلِ تعارف کر
کہ ہر یک گردِ بادِ گلستاں گرداب ہو جاوے
کہ سجدہ قبضہ تیغِ خمِ محراب ہو جاوے
ہزار آفتنگی، مجموعہ یک تو اب ہو جاوے
سوادِ دیدہ آہو شبِ مہتاب ہو جاوے
برنگِ گل، اگر شیرازہ بند بے خودی رہے
غضب ہے اگر غبارِ محاسن احباب ہو جاوے
نمک بر داغِ شکِ آلودہ وحشت تا شاہے
اسد، بادِ صفِ مشق بے تکلف خاک گردیدن

● ۶۱۸۱۶

دلِ بہیار از خود رفتہ، تصویرِ نہالی ہے
سرورِ نشہ گردش، اگر کیفیت افزا ہو
کہ میز گاہ، ریشہ دارِ نیستانِ شیر قالی ہے
عروجِ نشہ ہے سرتاقِ قدمِ قدیمِ رویاں
نہاں ہر گردِ بادِ دشت میں جامِ سفل ہے
ہوا آئینہ، جامِ بادِ عکسِ روئے گلور ہے
بجائے خود، و گرد، سر و بھی میٹھے خلی ہے
پہاے خامہ موافق رہ و وصف کر کیجے
نشانِ خالی رخ، داغِ خرابِ پرتنگالی ہے
کتابِ جادہ سر منزلِ نازکِ خیالی ہے
اسد، اکھٹا قیامت قاصدوں کا وقتِ آرایش
لباسِ نظم میں با لیدنِ معنوںِ عالی ہے

شبنم، بگل لال، نہ خالی ز ادا ہے م
دل، غول شدہ کشمکشِ حسرت دیدار م
شعلے سے نہ ہوتی، ہوسِ شعلہ نے جو کچی م
تمثال میں تیسری ہے وہ شوخی کہ بعدِ ذوق م
قرع کعبِ خاکستر، و بیلِ قفسِ رنگ م
خونے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو م
مجبوری و دعوایِ گرفتاری الفت م
معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ م
اے پر تو خسرِ شیدہ جہانتابِ ماحرہ م
سرِ شبہ بیتابی دل، درِ گرہِ غم م
نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد م
بے گمانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو، غالب م

داغِ دل بے درد، نظرِ گاہِ حیا ہے
آئینہ، بدستِ بتِ بدستِ جنا ہے
جی، کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
آئینہ، یہ اندازِ گل، آغوشِ کشا ہے
اے تال، نشانِ جگر سوختہ کیا ہے
معشوقی و بے حوصلگی، طسوفہ بلا ہے
دستِ ترسنگِ آمدہ، پیمانِ وفا ہے
تیغِ ستم، آئینہ، تصویرِ منا ہے
سائے کی طرح، ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
پروازِ بہ غولِ نضت و فخر یاد رسا ہے
یارب، اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
کوئی نہیں تیرا، تو، مری جان خدا ہے

زلفِ سیہ، افغی نظرِ بد قلمی ہے
ہے مشقِ وفا، جانتے ہیں، نثرِ پانک
ہے عرصہ شکست، آئینہ، جراتِ عاشق
وامساندہ ذوقِ طرب و صل نہیں ہوں
وہ پردہ نشیں، اور اسد آئینہ اظہار

ہر چہ خطِ سبز و زردِ رقی ہے
اے شمع، تجھے دعویٰ ثابت قدمی ہے
جز آہ کہ سرِ لشکرِ وحشتِ علمی ہے
اے حسرتِ بسیار، تمنا کی کمی ہے
شہسرتِ چینِ فتنہ و عنقا اری ہے

اس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گزی ہے
شرمندہ الفت ہوں مداوا طلبی سے
سرِ پایہ وحشت ہے، دلا، سائبہ گلزار

تسیم و سروشی، روشِ کلبِ دری ہے
ہر قطرہ شربت مجھے اشکِ بکری ہے
ہر سبزہ نوخاستہ یوں بالِ پری ہے

روشن ہوئی یہ بات دم نزع کہ آخر فانوس، کفن بہر چسراغِ سحری ہے
ہم آئے ہیں، غالب، رہ اقلیمِ عدم سے
یہ تیسرگی حال لباسِ سفری ہے

۶۱۸۱۶ ●

تا چند نفس، غفلتِ ہستی سے برآوے
ہے طاقِ فسرِ اموشی سوداے دو عالم
درد، آئینہ کیفیتِ صد رنگ ہے، یارب
جمعیتِ آوارگی دید نہ پلو چھو
اے ہرزہ روی بہشتِ تمکین جنوں یکھنچ
زاد کہ جنوں سبوتہ تحقیق ہے، یارب
وہ تشنہ سدر شاہِ تمنا ہوں کہ جس کو
بمٹال بتاں گر نہ رکھے جنبہ مرہم
قاصدِ تپشِ نالہ ہے، یارب، خبر آوے
وہ سنگ کہ گلدستہ، جوشِ شر آوے
خسیازہ طرب، ساعز زخمِ جگر آوے
دل تا یثرہ، آغوشِ وداعِ نظر آوے
تا آبلہ محلِ کشِ موجِ گہر آوے
ز بخیری صد حلقہ بیرون در آوے
ہرزہ کیفیتِ ساعرِ نظر آوے
آئینہ بہ عسریانی زخمِ جگر آوے
ہر غنچہ، اسد، بارگو شوکتِ گل ہے
دل فسرِ شہِ روا تازہ ہے، بیتل اگر آوے

۶۱۸۱۶ ●

لگے اس چشم کی، افزوں کر ہے ناتوانائی
شکستِ قیمتِ دل، آں سوے عذرِ شناسائی
تختِ ہے گریباں گیرِ ذوقِ جلوہ پیرائی
ہر طادس ہے نیزنگِ داغِ حیرتِ انشائی
شرابِ سنگ سے پادرِ خاکِ گونِ شیریں ہے
غروبِ دستِ رنے شازِ توٹا فرقِ ہمدرد
پیرِ بالش ہے وقتِ دید، مژگانِ تماشائی
طلسمِ ناامیدی ہے، انجالتِ گاہِ پسندائی
ملی ہے جوہرِ آئینہ کو، جوں بنیہ گہرائی
دو عالم دیدہ، بسطِ چسراغاں جلوہ پیرائی
ہنوز، اے ہمیشہ فرہاد، عرضِ آتشِ پائی
سیمانی، ہے تنگ بسید مانعِ خود آرائی

گئی یک عمر خود داری با استقبالِ رهنائی
ہوا ہر تعلوت و بعلوت سے حاصلِ زوقِ تنہائی
جنوں کو سخت بیتابی ہے، تکلیفِ شکایتی
شرِ کیفیت ہے، سنگِ محوِ نازِ مینائی
بہ عشقِ ساقی کوثر، بہ سارِ بادہ پیمائی

جنوں افسردہ و جاں ناتواں اے جلوہ پشوفی کر
لگاہِ عبرتِ افسوں، لگاہِ برق و گاہِ مشعل ہے
غدا یا، نگوں ہو رنگِ امتیاز اور نالہ موزوں ہو
جنوں بیکس ساغز کشِ داغِ پلنگ آیا
خسراتِ جنوں میں ہے، اسد، وقتِ قدرِ نوشی

۱۸۱۶ع

دعا سے مدعا گم کردگاں، لبریز آئیں ہے
نفسِ تیری گلی میں نگوں ہو، اور بازارِ رنگیں ہے
مشرابِ آہ سے، موجِ صبا، دامنِ گلچیں ہے
شبِ ماتم، تر دامنِ دودِ شمعِ بالیں ہے
کشادہ عقدِ محوِ ناخنِ دستِ نگاریں ہے
جہیں پر میری آمدِ خامہ قندتِ خط چیں ہے
حنا سے دست، و خونِ کشکول سے تیغِ رنگیں ہے
قیامت، کشتہ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے
پسینہ تو حسنِ ہمت کا سیلِ خانہ زیں ہے

غم و عشرت، قدموں دلِ تسلیم آئیں ہے
تماشا ہے کہ ناموسِ وفا رسوائے آئیں ہے
ہمارا دیکھا گر ننگ ہے، اسیرِ گستاخ کر
پیامِ تعزیت پیدا ہے اندازِ عیادت سے
ز بس جز حسن، ہمت ناگوارا ہے طبیعت پر
نہیں ہے سرِ نوشتِ عشق، غیر از بیدار مٹا ہوا
بہارِ باغ، پامالِ خسراںِ جلوہ فرمایاں
لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
بیابانِ فنا ہے بعدِ صحرائے طلب، غالب

۱۸۱۶ع

چشم میں توڑے نمکداں، تاشکر خواہاں کرے
کیا کروں، گر سایہ دیوارِ سیلابی کرے
ناخنِ تیغِ بتاں، شاید کہ معذرا بی کرے
رنگِ رخسارِ گلِ خسراں، ہستابی کرے
اے خوشا! اگر آبِ تیغِ نازِ تیرابی کرے

عمرِ آرامیدگی، سامانِ بیتابی کرے
آرزوئے خانہ آبادی نے ویراں تر کیا
لفظِ ہا، والہ و یک عقیدہ تارِ نفس
مبہوم وہ جلوہ ریز ہے بقابی ہو اگر
زخمیائے کہنے دل رکھتے ہیں جوں مردگی

بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو، غالب، تو پھر کیوں زندگی میں ہر اک ناچیز نوابی کرے

● ۱۸۱۶ء

اے خوشا! وقتے کرسیاتی یک فستاد واکرے
گرتب آسودہ بزرگاں نقسوف واکرے
گردکھاؤں صفویہ نقش رنگ رفتہ کو
جو عزادار شہیدان نفس در دیدہ ہو
حلقہ گرداب جوہر کو بسا ڈاے تنور
یک در بر روئے رحمت لبہ دویش جہت
توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سب، پھر ہم کو کیا؟
نا توانی سے نہیں سرد در گریبان، اسد

تار و پود فرسش محفل، پندہ میں کرے
رشتہ پا، شوخی بال نفس پیدا کرے
دست زد، سطر تبسم یک قلم افش کرے
نوحہ مساتم باواز ہو عتقا کرے
عکس، اگر طوفانی آئینہ دریا کرے
ناامیدی ہے، خیال غارت ویراں کیا کرے
آسماں سے بارہ کلف نام گر برسا کرے
ہوں سراپا یک خم تسلیم، جو مولا کرے

● ۱۸۱۶ء

چاک کی خواہش، اگر وحشت، بر عریانی کرے
جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خمیاں
ہے شکستن سے بھی دل تو میڈیارب، کب تلک
میکدہ، گر چشم مست ناز سے پاوے شکست
خط عارض سے نکھارے، زلف کوافت نے، عہد
ہاتھ پر گر ہاتھ مارے یار وقت قہقہہ
وقت اس اتناہ کا خوش، جو قناعت سے، اسد

صبح کے ماتہ از خم دل، گریبان کرے
دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
آہگینہ، کوہ پر عرض گرا بخشانی کرے
موسے شیشہ، دیدہ ساغر کی بزرگانی کرے
یک قلم منظور ہے، جو کچھ پریشانی کرے
کر یک شب تاب آسا، پر افشانی کرے
نقش پایے مور کو تحت سلیمانی کرے

● ۱۸۱۶ء

پہ نقس ظاہری، رنگ کمال طبع، پنہاں ہے
خوشی، خزانہ زاید چشم بے پروا چھاں سے

کہ بہر مدعاے دل، زبان لال، زبناں ہے
غیب پر سر، یاں گرد سواد نرگستاں ہے

صفائے اشک میں دماغِ جگر جلوہ دکھاتے ہیں
چہ بولے زلفِ مشکیں یہ، دماغِ آشفۂ رُم ہیں
متکلف بر طرف ہے بانستاں تر لطف بدخویاں ! م
اسد، یہ فرطِ غم نے کی تلف کیفیتِ شادی م

پربِ طاووس، گریا، برقِ ابرِ چشمِ گریاں ہے
کُشاخِ آہواں، رودِ چہرِ اغِ اہدا پر لٹیاں ہے
نگاہِ بے حجابِ ناز، تیغِ تیسرِ عسریاں ہے
کرمِ جمیعِ غمیدہ کو بدتر از چاکِ گریاں ہے

91A14 

تمام اجزاء عالم صید دام چشم گریاں ہے
 نہیں ہے مردن صاحب دلاں جز کسب ہیقت
 غبارِ دشت و دشت، سرمہ سازِ انتظار آیا
 ز بس دوشِ رم آہو پہ ہے حملِ مت کا
 نقابِ یار ہے، غفلتِ نگاہی اہلِ بنیش کی
 اسد و بنو قبائے یار ہے منہ دوس کا غم

۱۔ شمش جہت، ایک حلقہ گرداب طوفاں ہے
 ۲۔ سوید میں نفس مانند نقطہ میں پابنہاں ہے
 ۳۔ پیشم آبد میں، طولِ میلِ راہِ بزرگاں ہے
 ۴۔ جنونِ قلیس سے بھی شونجی سیلی نمایاں ہے
 ۵۔ مژہ پوشیدنی ہا پردہ تصویرِ عریاں ہے
 ۶۔ اگر واہو، تو دکھلا دوں کہ یک عالم نکستاں ہے

91814

ہجومِ نالہِ اجرت عاجزِ عرضِ یکِ افعال ہے
دل و دینِ نقدِ لا، لعلِ قاتی سے گرسودا کیا جا ہے
غمِ اسخوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
کجائے باکِ عرق؟ سعیِ سروِ چِ نشہِ زنجیں تر
رہا بے قدرِ دل، مادرِ پردہِ جوشِ ظہورِ آنسو
تکلفِ سازِ رسوائی ہے، غافل، شرمِ رعنائی
تماشا، سرخوشِ غفلت ہے باوصفِ حضورِ دل
تکلفِ برطرف، ذوقِ زینِ جمع کر، ورنہ
اسد، جمعیتِ دل در کنا رہے خودیِ خوشتر

مخوشی ریشہ مذہبیتاں سے خوش ہندیاں ہے
کہ اس بازار میں ساعر، قتلع دستگرداں ہے
چراغ روشن اپنا، قلزم صرصر کا مرجاں ہے
خط زخماں مفاقی، تا خط ساعر چراغاں ہے
گل و رنگس بہم، ہیکنہ و اقلیم کوراں ہے
دل بخوں گشتہ، در دست جاناودہ عریاں ہے
ہنوز آئینہ خلوت کھار تاتہ ربطہ ہرگاں ہے
پریشاں خواب آغوش و دارع یوسف تاں ہے
رو عالم آہمی، اسلمان یک خواب پریشاں ہے

۶۱۸۱۶

تغافل مشربی سے، ناتما کی لکھ پیدا ہے
تصرف وحشیوں میں ہے تصور ہائے مہنوں کا
محبت، طرز پیوند نہ سال دوستی جانے
کیا یکسر گناہِ دل نیلہ جو ششِ حسرت
ہجوم ریشِ غنوں کے سبب رنگ نہ نہیں سکتا
اسد، گر نام دالائے علی تعویذ بازو ہو

۶۱۸۱۶

نگاہ تاز، چشم یار میں زتابِ مینا ہے
سوادِ چشم آہو، عکسِ خالِ روئے لیلہ ہے
دویدن، ریشہ سال، مفتِ رگِ خوابِ زنجار ہے
سجود، لستہ تہبندی داغِ منت ہے
حنائے پنجہ صیاد، مرغِ رشتہ برپا ہے
غریبِ بحرِ غنوں، تیشال درآئینہ رجا ہے

اثر سوزِ محبت کا، قیامت بے محابا ہے
ہنساں ہے گوہرِ مقصود جیبِ خورشناسی میں
عزیزو، ذکرِ وصلِ غیر سے مجھ کو نہ بہلاؤ
تصور، پیرِ شکین پیدائے طفلِ دل
بسمعی غیسر ہے، قسطِ لباسِ خانہ ویرانی
مجھے شب ہائے تاریکِ فراقِ شعلہ رویاں میں
ترسے لو کر ترے در پر اسد کو ذبح کرتے ہیں

کر رگ سے سنگ میں تخمِ شر کا ریشہ پیدا ہے
کریاں غواص ہیں تیشال، اور آئینہ دریا ہے
کریاں افنونِ خوابِ افسانہ خوابِ زلیخا ہے
بیاغِ رنگ ہائے رفتہ، گھمبیں تماشا ہے
کتابِ جادہ رہ، رشتہ دھماکا ہے
چسپا خانہ دل، سوزِ غلِ داغِ تنہا ہے
ستمگر، ناخدا ترس، آشاکش، ماجرا کیلے؟

۶۱۸۱۶

یہ بزم سے پرستی، حسرتِ تکلیف بے جا ہے
مری، ہستی، فضلے حیرت آباد تنہا ہے
خزاں کیا؟ فصلِ گل کہتے ہیں کس کو؟ گلِ محرم ہو
وفائے دلباز ہے اتفاقی، ورنہ، اے ہدم
نزلانی شوخی اندیشہ، تابِ رنجِ نومیدی

کہ جامِ بارہ، کفِ برب بتقریب تغصنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا علقا ہے
وہی ہم ہیں، قفس ہے اور ماتمِ بال و پر کا ہے
اثرِ فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے؟
کفِ افسوس ملنا، عہدِ تجدید تنہا ہے

نشاطِ دیدہ بیتا ہے، کو خواب ہو چہ بیداری؟
نگہ، معمارِ حسرتِ تہا۔ چہ آبادی؟ چہ ویرانی؟
ز سوئے آبنوں میں، گر، سب شکرِ دیدہ غم سے
پسختی پائے قیدِ زندگی، معلومِ آزادی
اسد، پاسِ تمتل سے نہ کہ امیدِ آزادی

● ۱۸۱۶ ع

ہم آوردہ ہر گل، روئے بروئے تماشا ہے
کہ ہر گل جس طرف ڈھو، بکفِ دامنِ صحرا ہے
بجولانِ گاہِ نومیدی، نگاہِ عاجیزاں، پا ہے
شرِ بھی صیدِ و امِ رشتہ رگ ہانے خارا ہے
گدازِ ہر تمتلِ آبیاری صد تمتل ہے

بہر پروردن سراسر لطفِ گسترِ سایہ ہے
فصلِ گل میں، دیدہ خونیں، نگاہِ بانِ جنوں
شورشِ باطن سے یاں تک ٹھکو عقلت، چمک آہ
کیوں نہ شیخِ یار کو مشاطہ الفت کہوں؟
اے اسد، آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری

ہنچہ ہر گل، بہ طفلِ اشکِ دستِ دایہ ہے
دولتِ نظارہ گل سے شفقِ سرمایہ ہے
شیونِ دل، یک سر و نہاد، ہمایہ ہے
زخمِ مثلِ گل، سراپا کا مے پیرایہ ہے
خامہ میرا تحتِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

● ۱۸۱۶ ع

وہ ہنسا کر آبِ گل سے سایہ رھل کے تے
کثرتِ جوشِ سویدا سے نہیں تل کی جگہ
بسکہ خوابِ طبع کو دیرے ہیں وقتِ شکست
ہے پر انسانِ تپید نہایتِ تکلیف ہو کس
پے بقصدِ گردنی ہے حقیر سے، اے اسد

بال کس گرمی سے سکھاتا تھا سنبل کے تے
خالِ کب مشاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تے
بال آگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تے
ورنہ صد گلزار ہے یک بالِ بلبل کے تے
جادۂ منزل ہے خطِ ساغرِ گل کے تے

● ۱۸۱۶ ع

جو ہر آئینہ ساں، ہر گل بلبلِ آسودہ ہے

قطرہ جو آنکھوں سے ٹپکا اسو نگاہِ آلودہ ہے

دامِ گاہِ عجز میں سامانِ آسائش کہاں؟
اے ہوس، عرضِ بساطِ نازِ مستاقی تھانگ
ہے ریا کا رتبہ بالاتر تصور کر دنی
کیا کہوں پر واز کی آوارگی کی کشمکش؟
پنبہ میناے تے رکھ لو تم اپنے کان میں
جس طرف سے آئے ہیں، افرادِ ہر سی جائیں گے
ہے سوادِ خط، پریشاں موئی اہل عسدا
کثرتِ اثناے مضمونِ تھیرے، اسد

● ۶۱۸۱۶

پر فشانِ بھی فسرِ بظاہرِ آسودہ ہے
جوں پر بطاؤس، یکسر داغِ شکِ اندلہ ہے
تیرگی سے داغ کی، مدِ سیمِ مس اندورہ ہے
عاقبت، سرِ پایہِ بال و پرِ نکشورہ ہے
تے پرستیاں، ناصحِ بے حرفہ گو بیہودہ ہے
مرگ سے وحشت نہ کر، راہِ عدمِ بیہودہ ہے
خامہ میرا شمعِ قبرِ کشنگاں کا رودہ ہے
ہر سیرِ انکشت، لوگ خامہ فرسودہ ہے

بہارِ تعزیت آبادِ عشق، مساتم، ہے
یہ رہن ضبط ہے، آئینہٴ بندی گوہر
چمن میں کون ہے طرزِ آفرینِ شیوہٴ عشق؟
اگر ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ
اسد، یہ ناز کی طبعِ آرزو انصاف!

● ۶۱۸۱۶

عذارِ یار، نظرِ بندِ چشمِ گریاں ہے
ہجومِ ضبطِ قفا سے مری زبانِ خموش
قبائے جلوہ نزا ہے، لباسِ سریانی
لبِ گزیدہٴ مشوق ہے، دلِ انگار
کشورِ غنیمتِ خاطرِ مجب نہ رکھ، غافل
نقاں! کہ بہرِ شغافے حصولِ ناشدنی

عجب کہ پر تو خورِ شمعِ شبنتاں ہے
برنگِ بستہ، یہ نہراں دادہ پکاں ہے
بطرِ زگل، رگِ جاں بھکرتاں رامان ہے
کہ غیبِ حبوۃٴ آثابِ زفہم ندان ہے
صبا خرامیِ خواباں، بہارِ سامان ہے
دماغ، نازِ کشِ منتِ طیبان ہے

طلبہ منت یک خلاق سے رہائی دی جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احساں ہے
جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مڑی مسیحا ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا اگر سیاں ہے
اسد کو زلیت تھی شہنشاہی، اگر نہ سن لیتا
کہ قتل عاشقِ دلدادہ تجھ کو آساں ہے

● ۶۱۸۱۶ ●

شفق، بدعویٰ عاشق گواہ رنگیں ہے کہ ماہ، درزِ رخسارے کھنکھاریں ہے
کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرت پرست بائیں ہے
کرے ہے، بادہ ترے لب سے، کب رنگِ فروغ م خطِ پیالہ، سراسر، نگاہِ گلپین ہے
بجائے، اگر نہ سنے نالہ ہائے بے بس را کہ گوشِ گل، بزمِ شہنشاہ سے پنبہ آگیاں ہے
عیان ہے پائے خنائی، برنگِ پر تو خور کہ کاب، روزِ دیوارِ غنائے زیاں ہے
جبین صبحِ امیدِ فسانہ گویاں پر درازیِ رگِ خوابِ بتاں خطِ چہیں ہے
ہوا، نشانِ سوادِ دیارِ حسن، عیاں کہ خط، غبارِ زمیں، نیرِ زلفِ مشکیں ہے
اسد ہے نزع میں چل، بیوقوف، برائے خدا م مقامِ ترکِ حجاب و ذرائعِ میکیں ہے
مذہبِ چھ کچھ سر و سامان و کاروبارِ اسدا جنوں معاملہ، بیدل، فقیر میکیں ہے

روتا ہوں بسکہ در ہنوسِ آرسیدگی جوں گوہر، اشک کو ہے فراموش چکیدگی
بیرِ خاکِ اوفتادگی کشکانِ عشق ہے بحدۂ سپاسِ بمنزلِ رسیدگی
انساں نیازِ مندازل ہے کہ جوں کماں مطلب ہے ربط سے رگ و پے کی خمیدگی
ہے بسلِ ادائے چمن عارضان، بہار لکشن کو رنگِ گل سے ہے دینوں پیدگی

دیکھا نہیں ہے ہم نے بعشقِ بُستاں، اسد
غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

۶۱۸۱۶ ●

عاشق، بفتابِ مبلوہ جانانہ چاہیے
پیدا کرے دماغِ متاشائے سرو و گل
دیوانگیاں ہیں حاصلِ رازِ نہانِ عشق
ساقی، ہمارے موسمِ گل ہے سرورِ عشق
ہے وصل، بحرِ عالمِ تمکین و ضبط میں م
اُس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں م
جسار دہے یار کی روشِ گفتگو، اسد

فانوسِ شمع کو ہر پروانہ چاہیے
حسرت کشوں کو ساغرِ مینا چاہیے
اے بے تمیز، گنج کو ویرانہ چاہیے
پمیاں سے ہم گزر گئے، پیمانہ چاہیے
مستوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے
شوقِ فضول و جسراتِ زندانہ چاہیے
یاں تجزِ فصول نہیں، اگر افسانہ چاہیے

۶۱۸۱۶ ●

یوں، بعدِ ضبطِ اشک، پھروں گردِ یار کے
بعد از وداعِ یار، نگوں درتپیدہ ہیں
ظاہر ہے ہم سے، کلفتِ بختِ سیاہ رفت
سیلاب، پشتِ گرجی آئینہ دے ہے، ہم م
آغوشِ گل، گشودہ برائے وداع ہے م
حسرت سے دیکھ رہے ہیں، ہم، آبِ رنگِ گل
ہم، مشقِ منکرِ وصل و غمِ بحر سے، اسد

پانی پے کسو پہ کوئی جیسے وار کے
نقشِ قدم، ہیں ہم، کفِ پائے بھار کے
گویا کہ تفتہِ مشق ہیں غلطِ غبار کے
حیدر اے کیے ہوئے ہیں، دلِ بے قرار کے
اے عندلیب، چل کر چلے دلدہار کے
مانندِ شبنم، اشک ہیں برحقانِ خار کے
لائق نہیں رہے ہیں، غنیمِ بھار کے

۶۱۸۱۶ ●

بے فکرِ حیدرِ رم، آئینہ پر دازِ زانو ہے
ترغیم میں ستم کو شوق کے چہ، سامانِ خونریزی
کرے ہے دستِ فرسودہ، وہمِ توانائی

کہ مشکِ نافہ، تیشالِ سوادِ چشمِ آہو ہے
ہر مشکِ چشمِ یار، آبِ دمِ شمشیرِ اہو ہے
پراشتانہ در کجِ قفس، لغوینِ بازو ہے

ہوا، چرخِ حمیدہ، انا تو اں بارِ عسالتی سے
استداتا کے طبیعت طاقت ضبطِ الم لاوے؟

کہ ظاہر، پنچہ، شمشید، دستِ زیرِ پہلو ہے
فغانِ دل بہ پہلو، انا، بیسارِ بدخو ہے

بدست آوردنِ دل گو ہر دریائے شاہِ کلہے
سخنِ تاریکِ طبعوں کا ہے اظہارِ کثافتِ ہا
خمیرِ نشہ تھے میں ہے شرمِ زشتِ اعمالی
نہیں ہے خالی آرایش سے بے سامانی عاشقی

وگر نہ خاتمِ دستِ سیلماں فلس ماہی ہے
کہ رنگِ خامہ فولادِ ماناں سیاری ہے
دماغِ زہد میں آفسرِ غرورِ بے گناہی ہے
شکستِ حال، اندازِ آفرینِ کج کلاہی ہے

استد، خواباں بھی زورِ چرخ سے رنجیدہ خاطر ہیں
گر سیاں چاکِ گلہاں نشانِ دادِ خواہی ہے

پنھوڑو محضِ عشرت میں جا، اے میکشاںِ خالی
نہ دوڑا ریشمِ دیونگی صحنِ سیاہاں میں
دکانِ ناوکِ تاثیر ہے، از خود تھی مساندن
عبت ہے، لو سازِ فغاںِ دردِ پردہ دہسا
عبت ہے، خطِ ساغرِ جلوہ، طوقِ گردنِ قمری
نہ پھولو ریشمِ اعدا کی قلعہ فشاں پر
استد، بہنتے ہیں میرے گریہ ہائے زار پرِ مردم

کھیں گاہِ بلا ہے، ہو گیا شیشہ، جہاں خالی
کہ تارِ جادہ سے ہے لچرِ رنگِ رواں خالی
سراسر غلبہ ہو، کر خسانہ مانند کھانا خالی
کرے ہے مغز سے مانند کئے کے استخوان خالی
تھے الفت سے ہے پیلے سروِ بوستاں خالی
عزیزاں ہے برنگِ صفرِ جامِ آساں خالی
بھرا ہے دہریے دردی سے، دل کیجے کہاں خالی

۶۱۸۱۶ ●

ہوا جب حسن کم، خطِ برِ عذارِ سادہ آتا ہے
نہیں ہے نزرِ الفت میں حاملِ غمیرِ پامالی
عیطِ دہریں بالیدن، از استی گزشتن ہے

کہ بد از صاف تھے، ساغریں دُرِ دریاہ آتا ہے
نظرِ دانہ، بر شکِ برزیں افتادہ آتا ہے
کہیاں ہر یک، تہابِ آسا، شکستِ آملہ آتا ہے

دیارِ عشق میں جاتا ہے جو سوداگری سدا
اسد، واریتگاں باوصفِ مدد بے تقویٰ میں

۶۱۸۱۶

نگاہِ ناز نے جب عرضِ تکلیفِ شرارت کی
روانی موجِ تے کی، اگر خطِ جام آشنا ہوئے
شہرِ گل نے کیا بوبِ بندوبست گلشنِ آرائی
نہیں ریشِ عرق کی، اب اُسے دوبانِ اعصاب ہے
زبس نکلا غبارِ دل بوقتِ گریہ آنکھوں سے

۶۱۸۱۶

خدایا، دل کہاں تک دن بعدِ رخ و تعب کاٹے
کریں اگر قدرِ اُنک دیدہ عاشقِ خود آریاں
دریغِ او، مریضِ غم کہ فسرطِ ناتوانی سے
یقین ہے، آدمی کو دستِ گاہِ فقر حاصل ہو
ہوے یہ ہر داں دل خستہ شرمِ نارسائی سے
اسد مجھ میں ہے اُس کے بوسہ پاکی کہاں حیات!

تماشاے جہاں مفتِ نظر ہے
جہاں شمعِ نموشی جلوہ گر ہے
بیبِ احکبِ چشمِ سرمہ آلودہ
شوقِ راں موجبِ نول ہے اگر خواب
کرے ہے روئے بکشنِ آفتابی

متاعِ زندگانیہا بغاوتِ وارہ آتا ہے
منویرِ گلستاں میں بادلِ آزارہ آتا ہے

دیا ابرو کو چھپڑا، اور اُس نے فتنے کو اشارت کی
لکھے کیفیتِ اس سفرِ بستم کی عبارت کی
عصاے سبز دے زگرے کو دی خدمتِ نظار کی
تب بخت نے یہ نبضِ رگِ گل میں حرارت کی
اسد کھائے ہوئے سرے نے آنکھوں میں بھار کی

خیم گیسو ہو شمشیرِ سیہ تاب اور شبِ کلاٹے
صدف، دندانِ گوہر سے، بھسرت اپنے لب کاٹے
بقدرِ یک نفسِ جاوہ، بعدِ رخ و تعب کاٹے
دم تیغِ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے
کہ دستِ آرزو سے یک قلمِ پائے طلب کاٹے
کہ میں نے دستِ پادشاہم پشیمیرِ ادب کاٹے

کہ یہ گلزارِ باغِ رہ گزر ہے
پیہ پروانگاہاں بالِ شہد ہے
مسی مالیدہ دندانِ گہر ہے
کہ ہر گاہِ کشورہ نیشتر ہے
غبارِ غلطِ رخ، اگر دسکر ہے

اثر موقوف بر عمر دگر ہے
سوارِ شعر در گردِ سفر ہے

اٹھائیک عمر صرفِ مشقِ نالہ
استاد ہوں میں پر افشانِ میدان

۶۱۸۱۶

ریشے سے ہر تنم کا دلو، اندرونِ چاہ ہے
قلسِ ماہی آئینہ پر دازِ داغِ ماہ ہے
یاں صریحِ خامہ، مجھ کو نالہ جاکہ ہے
سرو کے قامت پہ، گل، ایک دامنِ کوتاہ ہے
پیشِ وقابِ دل، نصیبِ خاطر آگاہ ہے
صاحبِ دہا وکیلِ حضرت اللہ ہے

بسکہ زیرِ خاک با آبِ طرارتِ راہ ہے
عکسِ گلبائے یمن سے چشمہ ہائے باغ میں
واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بیدِ ماضی ہائے دل
حسن و رعنائی میں وہمِ صد سرو گردن ہے فوق
ریشک ہے آسائشِ اربابِ غفلت پر، استاد
اے استادِ مایوس مت ہوا ز در شاہِ بخت

یک قلم، شاخِ گلِ زر گس، عصا کے کور ہے
لپشتِ دستِ عجریاں ہر برگِ گلِ طور ہے
حیرتِ آغوشِ خواباں، ساغرِ بلور ہے
سبزہ، ہوں انگشتِ حیرت در دہانِ گور ہے
نوحہ، گویا خانہ زادِ نالہ رنجور ہے
دزدِ گر ہو خانگی، تو با سببِ معذرت ہے
بے سخن، تبسمِ لب، دانہ انگور ہے
اُس جگہ تحتِ سیماں، نقشِ پائے مور ہے
پاں صریحِ خامہ مجھ کو نالہ رنجور ہے

بسکہ چشم از انتظارِ خوشِ خطاں بے نور ہے
بزمِ خواباں، بسکہ جوشِ جلوہ سے پُر نور ہے
ہوں، تصور ہائے ہمدوشی سے، بدمتِ شراب
ہے عجب سردوں کو غفلت ہائے اہلِ دہر سے
عسرتِ آبادِ جہاں میں ہے، المِ غمِ آنسویں
کیا کروں؟ غم ہائے پنہاں لے گئے صبر و قرار
ہے ز پاؤں تادیٰ نشہِ بیماری بے
جس جگہ ہو سند آرا جانشینِ مصطفیٰ
واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بیدِ ماضی ہائے دل، استاد

۶۱۸۱۶

سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ہے
 لطفِ غبارِ تھے کوہِ درِ دلِ ہمدگر اثر
 مفتِ صفائے طبع ہے، جسلوۂ نازِ سوختن
 رنجشِ بارِ بہرِ پاں، عیش و طرب کا ہے نشان
 شعر کی شکر کو، اسد چاہیے ہے دل و دماغ
 آتشِ نشانِ صاں مثلِ گلِ چراغ ہے
 پنبہ شیشہ شربِ کفِ ببِ کیاغ ہے
 داغِ دلِ سیدِ دلاں، مردمِ چشمِ نازِ ہے
 دل سے کٹھے ہے جو غبارِ گردِ سوادِ باغ ہے
 واے اکریہ فرہ دل، بیدل و بیدارِ ہے

رباعیات

● ۶۱۸۱۶ ●

ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا
میں بخند سے، اور تجھ سے تو پوشیدہ
ممكن نہیں یک زیاں و یک دل ہونا
ہے مفت، نگاہ کا مقابل ہونا

● ۶۱۸۱۶ ●

بعد از رسام ہنرم عمیدِ اطفال
آپنیجے ہیں تا سوارِ اقلیمِ عدم
ایامِ جوانی رہے ساغرِ کشوِ حال
اے عمرِ گزشتہ ایک قدم استقبال

● ۶۱۸۱۶ ●

شب زلف و رخِ سرقِ نشان کا غم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تک
کیا شرحِ کردں ہر طرف تر عالم تھا
ہر قطرہ اشک، دیدہ ہر خم تھا

● ۶۱۸۱۶ ●

دل تھا کہ جو جانِ درد تہید سہی
ہم اور فردن، اے غبتی، انسوس
بیتابیِ رشک و حسرت دید سہی
تکرارِ روا نہیں، تو بخندید سہی

● ۶۱۸۱۶ ●

سامانِ ہزارِ حبتو، یعنی، دل
پشت و رخِ آئینہ ہے، دین و دنیا
ساغرِ کشِ خونِ آرزو، یعنی دل
منظور ہے دو جہاں سے تو، یعنی دل

● ۶۱۸۱۶

اے کاش! بتاں کا خنجرِ سینه شکاف
اک قسم نگارِ ہاکِ تار و زے چمند

پہلوئے حیات سے گزر جاتا صاف
رہیے نہ مشتقتِ گدائی سے معاف

● ۶۱۸۱۶

اے کثرتِ فہم بے شمار اندیشہ
یک قطرہٴ خون، و دعوتِ صد نشتر

ہے اصلِ خسرو سے شرمسار اندیشہ
یک و اہم، و عبادتِ ہزار اندیشہ

● ۶۱۸۱۶

بے گریہ کہاں تر جینی ہے مجھ
عسردم صدارہا بغیر از یک بار

در بزمِ وفا سخن نشینی ہے مجھ
ابریشم ساز، موئے مینی ہے مجھ

● ۶۱۸۱۶

گر جو ہر امتیاز ہوتا ہم میں
ہیں نام و نگیں، کہیں گہ نقبِ شعور

رسوا کرتے نہ آپ کو عالم میں
یہ چور پڑا ہے خسانہٴ خاتم میں

● ۶۱۸۱۶

ہے خصلتِ صد تماشا لڑنے کے لیے
یعنی، ہر بار صورتِ کاغذِ باد

وحشتِ کدۂ تلاش لڑنے کے لیے
ملتے ہیں یہ بدعاش لڑنے کے لیے

● ۶۱۸۱۶

گمنام، شررِ اتمامِ بستر ہے آج
ہوں ورنہ ہلاکِ نامہ پر سے بیمار

یعنی تب عشقِ شعلہ پرور ہے آج
تار و زہ مرا خونِ کبوتر ہے آج



۱۸۱۷ء تا ۱۸۲۱ء

نسخہء بھوپال
(مشمولہ نسخہء حمیدیہ)

۱۸۲۱ء



● بعد از ۱۸۱۶ء غزل

سمجھاؤ اُسے، یہ وضع چھوڑے
تفسیر کا اس کی حال مت پوچھ
نذرِ ہزہ کر دل و جسگر کو
عاشق کو یہ چکدہ ہے کہ ہرگز
آجا لبِ بام، کوئی کب تک؟
جاتے ہیں رقیب کو خطِ اس کے
غمِ خوار کو ہے قسم کہ زہنِ سار
عسرت زدہ طرب ہے یہ شخص
پانی نہ چوائے اس کے منہ میں

جو چاہے کرے، پہ دل ز توڑے
معنی میں بہت، تو لفظِ تھوڑے
چیرے ہی سے جا میں گریں پھوڑے
اندوہ سے (اپنا) منہ نہ موڑے
دیوار سے اپنے سر کو چھوڑے
کافد کے دوڑتے ہیں گھوڑے
غالب کو نہ تشنہ کام چھوڑے
دم جب کہ بہ وقتِ ترخ توڑے
گل مے میں بھگو بھگو پنچوڑے

قصائد

● ۱۸۲۱ء

سازیکِ ذرہ نہیں، فیضِ چمن سے بے کار
مستی یا دِ صبا سے ہے، یہ عسریٰ سبزہ
سبز ہے، جامِ زمرد کی طرح بواجِ پلنگ
مستی ابر سے نکلیں، طرب ہے عسرت
کوہ و صحرایہ، معموریٰ شوقِ بلبل
سوئے ہے فیضِ ہوا، صورتِ بزرگانِ تیم
لٹ کر پھینکیے ناخن، تو با اندازِ ہال
کفِ ہر خاکِ جگر دوں شدہ، تری پرواز
ہیکڑے میں ہو، اگر، آرزوئے گل چینی
موجِ گل ڈھونڈھ بھونکے، غمزہ باغ
کھینچ کر مائی اندیشہ چمن کی تصویر
لعل سی، کی ہے بے زمرہ مدحتِ شاہ
وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعبیر سرا،

سایہ لالہ بے دل، اُتویدا سے بہار
ریزہ شیشہ سے، بخوہر تیغِ کہسار
کازہ ہے ریشہ، نارنجِ یفتِ دوسے شراب
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا شمار
راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
سرِ نوشتِ دو جہاں ابر، بیکِ سطرِ غبار
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
دامِ ہر کاغذِ آتشِ زدہ، طاووسِ شکار
بجول جا یکِ قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار
گم کرے، گوشہٴ سناں میں گر تو، دستار
سبز، مثلِ خطِ نو خیز، ہو خطِ ہر کار
طوطی سبزہ کہار نے پیدا، رنقار
چشمِ جبریل، ہوئی قالبِ غشتِ دیوار

مُحَلِّکِ العرش، مجومِ نجمِ دوشِ مزدور
مہترہ نہ چمن، ویکِ خطِ پشتِ لبِ بام
واں کے خاشاک سے، حاصل ہو جیسے ایک پرکاش
خاکِ صحرے بخت، جو ہر سیرِ عسّہ فا
ذرہ اس گرد کا، نعرِ شید کو، آئینہ ناز
آفرینش کو ہے، واں سے، طلبِ کستی نادر
فیض سے تر ہے، اسے شمعِ شبستانِ بہار
شکلِ ظاؤس کرے آئینہ خسانہ پرواز
تیری اولاد کے غم سے ہے، بے گدوں
ہم عبادت کو، ترا نقشِ قدم، مہرِ ناز
مدح میں تیری ہواں، زمزمہ گفتِ نبی
جو ہر دستِ دعا آئینہ، یعنی تاثیر
مردِ مکہ سے، ہو غزاقانہ اقبالِ نگاہ
و دشمنِ آلِ نبی کو، بطرب خسانہ دہر
دیدہ تادل، اسدِ آئینہ یک پر نور شوق

۱۸۲۱ء

دہر، حبزِ جلوہ یکتا فی معشوق نہیں
بے دلی ہلے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
ہرزہ ہے، نغمہ زیر و بم ہستی و عدم
نقشِ معنی ہمہ، خمیازہ عرضِ صورت
لافِ دانش غلط، و نفعِ عبادت معلوم
مثلِ مضمون و نا، بادِ بدستِ تسلیم
عشق، بے ربطی شیرازہ اجزلِ حواس
کوہِ کن، گرسنہ مزدورِ طب کا و رقیب
کس نے دیکھا، نفسِ الٰہی و نا آتشِ نیز؟

رشتہ فیضِ ازل، ساتھ طنابِ معمار
بختِ ہمتِ صد عارف، ویکِ اوجِ حصار
وہ رہے مردِ حہ بالِ پری سے بے زار
چشمِ نقشِ قدم، آئینہ تختِ بیدار
گرد اس دشت کی، امید کو، احرامِ بہار
عرضِ خمیازہ ابجاد ہے، ہر موجِ غبار
دلِ پروانہ سپردِ آغاں، پر بلبلِ گلزار
ذوق میں جلوے کے ترے، پہولے دیدار
سلکِ اختر میں مہ نو، مژدہ گو ہر بار
ہم ریاضت کو، ترے حوصلے سے استظهار
جام سے ترے عیاں، یادہ بوشِ اسرار
یک طرفِ نازشِ مژگان، و دگر سو غمِ خار
خاکِ در کی ترے، جو چشم، نہ ہو آئینہ دار
مرضِ خمیازہ سیلاب ہو، طاقِ دیوار
فیضِ معنی سے، خطِ ساغرِ راقم سرشار

(۲)

ہم کہاں ہوتے، اگر حسن نہ ہوتا خودی؟
بیکسی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دلی
لغو ہے، آئینہ فرقِ جنون و تسکین
سخنِ حق ہمہ، پیمانہ ذوقِ محسین
دردِ ویک سا غیرِ غفلت ہے، چہ دنیا و چہ دین
صورتِ نقشِ قدم، خاک بہ فرقِ تمکین
وصل، زنگارِ رخ آئینہ حسنِ یقین
بے استوں، آئینہ خوابِ گمانِ شیریں
کس نے پایا، اثرِ نالہ و ہسائے حزیں؟

سامع زمزمہ اہل بہساں ہوں، لیکن
کس قدر ہرزہ سہا ہوں کہ عیاذاً بالعدا
نقش "لا حول" لکھ اے خامہ ہڈیاں تحریر
منہر فیض خدا، حسان و دل ختم و سسلی
ہو، وہ سہ ماہی ایجاد، جہاں گرم خیرام
جلوہ پرواز ہو، نقش قدم اس کا، جس جا
نسبت نام سے اگے کہ ہے، تہہ کہ ہے
فیض خلق اس کا ہی شال ہے کہ ہوتا ہے سدا
بڑھد میخ کا اس کی ہے جہاں میں پسر جا
کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹٹے
جاں پناہ، دل و جاں فیض رسا ناباشا ہا
جسم اظہر کو ترے، روش پیمبر، منبر
کس سے ممکن ہے تری روح، بیزاد واجب؟
آستان پر ہے ترے جوہر آئینہ سنگ
تیرے در کے کیے، اسباب شمار آادہ
تیری مدد کے لیے میں دل و جاں کام و زباں
کس سے ہو سکتی ہے، مددنی مدد و ج خدا؟
جنس بازار معاصی، اسد اللہ اسد
شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب
دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
غم شیر سے ہو سینہ یہاں تک ہرنی
طبع کو الفت و لکڑی میں یہ سرگرمی شوق
دل الفت نصیب، وسینہ توحید فضا
صرف اعدا، اثر شعلہ و دود و دوزخ

نہ سہو برگ تالش، نہ دماغ فطریں
یک قسم خارج آداب و سار و تمکین
"یا علی" عرض کر، اے فطرت و سوس قرین
قبلہ آل نبی، کعبہ اجساد یقین
ہر کف خاک ہے وال گردہ نقویر زمیں
وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی ایں
ابدال پشت فلک، خم شدہ نانہ زمیں
بوئے گل سے، نفس باد صبا، عطسہ آجھیں
قطع ہو جائے نہ سریشہ ایجاد کہیں
رنگ عاشق کی طرح، رونق بختاں چشیں
وقتی ختم رسل تو ہے، بفتواے یقین
نام نامی کو ترے ناصیہ عرش، نگین
شعلہ شمع، مگر شمع پر باندھے آئیں
رحم بندگی حضرت جبریل ایں
خاکہوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دین
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم، دست و جبین
کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس بریں؟
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خسریدار نہیں
ہے، ترے حوصلہ فضل پر از لبکہ، یقین
کہ اجابت کے ہر حرف پہ سو بار "آئیں"
کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں
کہ جہاں تک چلے، اس سے قدم اور مجھ سے ہیں
مگر جلوہ پرست، و نفس صدق گزریں
وقف احباب، گل و سنبھل فردوس بریں

۶۱۸۲۱

سنگ، یہ کارگر ربطِ نزاکت ہے کہ ہے
خندہ بے خودی کبک، بندانِ کشوار

کشتہ افغی زلفِ سیہ شیریں کو
حسرتِ جلوہ ساقی ہے کہ ہر پارہ ابر
دشمنِ حسرتِ عاشق ہے، رگ ابرِ سیاہ
بیتوں بہزے سے ہے سنگِ زرد کا مزار
سینہ، بے تابی سے، ملتا ہے بہ تیغِ کہسار
جس نے برباد کیا ریشہ چندی شبِ تار

چشمِ بر چشم چنے ہے بہ تماشا، مجنوں
خانہ تنگ، ہجومِ دو جہاں کیفیت
ہر دو سو خزانہ زنجیر، نگہ کا بازار
جامِ جمشید ہے یاں قالبِ خشتِ دیوار

سنبل و دام کہیں خانہ خوابِ صیاد
طرہ ہا، بسکہ، گر قنارِ صبا ہیں، شانہ
بسکہ یک رنگ ہیں دل، کرتی ہے ایجادِ نسیم
اے خوش! فیضِ ہولے چنِ نشو و نما
نرگس و جامِ سیہ مستی چشمِ بیدار
زانوے آئینہ پر مار رہے دستِ بے کار
لالے کے داغ سے، بچوں نقطہ و خط، سنبلِ زار
پادہ پر زور، و نفسِ مست، و سیاحِ بیمار

ہمت و نشو و نما میں یہ بندی ہے کہ سرو
ہر کفِ خاک، جگرِ تشنہ، صدرِ رنگِ ظہور
کس قدر عرض کروں ساغرِ شبنم، یارب؟
غنجِ لالہ، سیہ مستِ جوانی ہے، ہنوز
جوشِ بیدادِ پیش سے ہوئی عریاں آخر
سازِ عریانی کیفیتِ دل ہے، لیسکن
موج سے پہلے ہے، براتِ نگرانی امید
پیرِ قری سے کرے صیقلِ تیغِ کہسار
غنجے کے میکے میں مستِ تامل ہے بہار
موجِ سبزہ نوخیز ہے لبریزِ خسار
شبنمِ صبح، ہوئی ریشہ اعضا سے بہار
شاخِ گلبن پہ، صبا، چھوڑ کے پیرا منِ بخار
یہ تندر، نہیں موجِ خسراں اظہار
گلِ نرگس سے کفِ جام پہ ہے چشمِ بہار

”یہاں اور آئندہ دو شعروں کے درمیان سادہ لیر کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے میرزا صاحب نے کچھ شعر نکال کر دیوانِ مستداول میں شامل کیے ہیں۔“

گلشن و میکدہ اسیلانی یک موجِ خیال
نشہ و جلوہ گل، برسورہ ہم فتنہ غبار

پشت لب، تہمتِ خطِ کھینچے ہے بے جا، یعنی
سبز ہے، موجِ تبسم ہواے گفتار

جائے حیرت ہے کہ گلابازی اندیشہ شوق
اس زمیں میں نہ کرے سبز قلم کی رفتار

کسوتِ تاک میں ہے، نشہ اِجسادِ ازل
بہ نظر گاہِ گلستانِ خیالِ ساقی
یہ ہواے چمنِ جلوہ ہے طاووس پرست
یک چمنِ جلوہ یوسف ہے بخشیم یعقوب
بیضہ قمری کے آئینے میں پنہاں حقیقت
عکس موجِ گل و سرشاری اندازِ خواب
کس قدر سناؤ دو عالم کو ملی بھارتِ ناز
ورنہ وہ ناز ہے، جس گلشنِ بیداد سے تھا
سایہ تیج کو دیکھ اس کے، بہ ذوقِ یک زخم
بتکہ، بہر پرستشگری قبلہ ناز
سُبح گرداں ہے اسی کی کفِ امید کا، ابر
رنگِ یزیدِ گل و جامِ دو جہاں ناز و نسیان
جوشِ طوفانِ کرم اساقی کو ترسا غر
پہنے ہے پیرِ مہن کا غنڈہ ابری، نیساں

سُبحِ عرضِ دو عالم، کفِ آبلہ دار
بخودی، دامِ رگِ گل سے ہے پیمانہ شکار
باندھے ہے پیرِ فلک موجِ شفق سے زنا
لالہ باداغِ براہِ قندہ و گھما بے خسار
سر و میل سے حیاں، عکسِ خیالِ قدیار
نگہ آئینہ، کیفیتِ دل سے ہے دو چار
کہ ہوا، ساغرِ بے خوصلہ دل، سرشار
طور، مشعلِ بکف از جلوہ تزیین بہار
سینہ سنگ پر کھینچے ہے الف، بالِ شراب
باندھے زنا پر رگِ سنگ، میانِ کہسار
ہیم سے جس کے، صبا، توڑ سبے صد جازنہ
اولیں دودِ امامت، طربِ اِجسادِ بہار
رہ فلک، آئینہ اِجسادِ کفِ گو ہر بار
یہ تنگ مایہ، ہے فریادیِ جوشِ ایشار

پر یہ دولت، تھی نصیبِ نگہِ معنی ناز
کہ ہوا صورتِ آئینہ میں، جو بہر، بیدار

اے خوش! مکتبِ شوق و بلدستانِ مراد
مشقیِ نقشِ قدم، نسو آہِ حیواں
جلوہ تمثال ہے، ہر ذرہ تیرنگِ سواد
سبقِ ناز کی مہے عجز کو صد حسا، تکرار
جادہ دشتِ نجف، عمرِ خضر کا طومار
بزمِ آئینہ تصویرِ نما، مشتِ غبار

دو جہاں طالبِ دیدار تھا، یارب کہ، ہنوز
ہے، نفس، مایہ شوقِ دو جہاں ریگِ ہواں

پشیمک ذرہ سے ہے گرم، نگہ کا بازار
پاے رقتار کم، وحسرتِ جولانِ بسیار

دشتِ الفتِ چین، و آبلہ مہماں پرور
یاں تک انصافِ نوازی کر اگر ریزہ سنگ
یک پیاباں تپشِ ہالِ شور سے، محسوس
فرش اس دشتِ تنہا میں نہ ہوتا، اگر بھول
ابر نیساں سے ملے موجِ گہر کا تاواں
یک جہاں بسمل انداز پر افشانی ہے
موجِ طوفانِ غضب، چشمہ نہ چرخِ حباب
موجِ ابرو سے قضا جس کے تصور سے، دو نیم
شعلہ تحریر سے اس برق کی، ہے کلکِ قضا
موجِ طوفاں ہو، اگر خونِ دو عالم ہستی
دشتِ تسخیر ہو، اگر گردِ خسراں دلدل
بالِ رعنائی دم، موجِ گلبنِ قبا
گردِ رہ اس کی بھری شیشہ ساعت میں اگر
نرم رقتار ہو جس کوہِ پودہ برق گداز
ہے سراسر رویِ عالمِ ایجاد اُسے
جس کے حیرتکدہ نقشِ قدم میں، متانی
ذوقِ تسلیمِ تمنا سے ہر گلزارِ حضور
مطلعِ تازہ ہوا موجِ کیفیتِ دل

دلِ جبریل، کعبِ پا پہ نلے ہے رخسار
بے خبر دے بکعبِ پاے مسافرِ آزار
مغزِ کبار میں کرتا ہے فرو، نشترِ رخسار
گرمی شعلہ رقتار سے جلتے حس و خار
خلوتِ آبلہ میں گرم کرے، گہر تو، رقتار
دام سے اُس کے، قصدا کو ہے رہائی دشوار
ذوالفقارِ شہِ مرداں، خطِ قدرتِ آثار
ہیم سے جس کے، دلِ شمنہ تقدیر، نگار
بالِ جبریل سے مسطر کشِ سطرِ زہنِ سار
ہے جنا کو سبِ ناخن سے گھزرنہ دشوار
نعلِ در آتشِ ہرزہ ہے، تیغِ کسار
گردشِ کاسِ ستم، چشمِ پری آئینہ دار
ہر نفسِ راہ میں ٹوٹے، نفسِ بیل و ہند
رفقنِ جنگِ جنا ہے، تپشِ بالِ شرار
جیبِ خلوتکدہ غنچہ میں، جولانِ بہار
خونِ صد برق سے باندھے بکعبِ دستِ نگار
عرضِ تسخیرِ متاشا سے بہ دامِ اظہار
جامِ سرشار سے و غنچہ لبریز بہار

گردِ جولان سے ہے تیری، بگم بیانِ خرام
جس چین میں ہو، ترا جلوہ محسوسِ نواز
جس ادبِ گاہ میں تو آئینہ شوقی ہو

جلوہ طور، نیک سودہ زخمِ تکرار
پر طاؤس، کرے گرم نگہ کا بازار
جلوہ، ہے ساقیِ مخمورِ تابِ دیوار

تو وہ ساقی ہے کہ موجِ محیطِ تنہیہ
گر دباؤ آئینہ منتِ سواکِ دماغِ دلہا
ذوقِ بے تابی دیدار سے تیرے ہے ہنوز

کھینچے خمیازے میں تیرے لبِ ساغر کا تھل
تیرا صحرا ہے طلبِ محفلِ پیماںِ شکار
جوشِ جوہر سے، دلِ آئینہ، گلدستہِ خار

تیرا پیماں ہے، نسوڑا ادوارِ ظہور
آیتِ رحمتِ حق، لیلۂ مصحفِ ناز
قبلہ نورِ نظر، کعبۂ اجماعِ مسیح
تہمتِ بخود ہی کفر ہے کھینچے، یارِ رب
ناز پروردہ صد رنگِ تمنا ہوں، ولے
تنگیِ حوصلہ، گردابِ دو عالمِ آداب
رنگِ نظارہ تھی یک برقِ تجلی کہ ہنوز
وحشتِ فرستِ یک جیبِ گشتِ زکویا
شعلہ آغاز، ولے حیرتِ داغِ انجمِ سام
ہے اسیرِ تم کشمکشِ دامِ وفا
مژدہ خواب سے کرتا ہوں، باتِ بیشِ درد
محرمِ دردِ محروقتاریِ مستی معلوم
تھامسِ سلسلہ جنہاںِ صد عمرِ ابد
لیکن اس رشتہٗ تحریر میں سرتاسر منکر
دوست اس سلسلہ ناز کے، جوں سنبل و گل
لنگرِ عیشِ پسرِ شاربِ متا شاہِ دام
زلفِ معشوقِ کششِ سلسلہٗ وحشتِ ناز
نئے تمثالِ پری، نشہٗ مینا آزاد

تیرا نقشِ قدم، آئینہ شبنِ انجل
مسطرِ موجِ ویسا چہ درسِ اسرار
مژدہ دیدہٗ پنجیسر سے، بغضِ بیمار
کی ربطِ تیار، و خطِ نازِ بسیار
پرورشِ پائی ہے، جوں غنچہٗ بر خونِ اہلار
دید یک غنچہ سے ہوں بسلِ نقصانِ بہار
لشہٗ خونِ دو عالمِ ہوں، بحرِ تکرار
صورتِ رنگِ جنا، ہاتھ سے دامانِ بہار
موج سے لیک زسرتا قدم آغوشِ حصار
دلِ وارستہٗ ہفتاد و دو ملتِ بیرط
بخیرِ زخمِ دلِ چپاک، بیکدستہٗ شرار
ہوں نفس سے، صفتِ نغمہٗ یہ بندِ رگِ تار
سازِ ہا مفتوحہٗ بے ریشمِ کدہٗ ثنائیِ زار
ہوں، اب قدرِ عددِ حرفِ علیؑ بشمار
ابو یحیٰ نہ کرے ساغرِ خمرِ شہیدِ شکار
کہ رہے خونِ عسراں سے بہ حنا پائے بہار
دلِ عاشق، شکنِ آموزِ خیمِ طسوعِ یار
دلِ آئینہ طرب، ساغرِ بختِ بیدار

بجہ تماشائ وہ آئینہ کہیں جس کو جلیں
سر کرے ہے، دل حیرت زدہ، شغل تسکین

ٹوڑے ہے عجز تنگ حوصلہ، بروے زمیں
ٹوڑے ہے نالہ، سر رشتہ پاس انفس

وہم، آئینہ پیدائی تماشائ یقین
ہزم یاس، اکا سوے پیدائی و اخفار نگین

یاس، تماشائ بہار آئینہ استغنا
خوں ہوا، جوش تماشائے، دو عالم کا داغ

جوش دوزخ، ہے خزان چمن خلد بریں

فسانہ ویرانی امید و پریشانی بیم

استخوان ریزہ موراں ہے ایماں کا گھٹیں

باد افسانہ بیمار ہے، عیسیٰ کا نفس

کچی یک خط مسطر، چہ تو ہم، چہ یقین
کعبہ و بستکہ، یک محل خواب رہیں

موج خمیازہ یک نشہ، چہ اسلام، چہ کفر
قبلہ و ابروے بت، یک رہ خوابیدہ شوق

خوں ہو آئینہ، کہ ہو جبارہ طفلان رنگیں

عیش بسمل کدہ عید حریفان معلوم

رشتہ ساز ازل ہے، نگہ باز پسین
موم آئینہ ایجاد ہے، مغز تسکین
باز بھول بول آٹھے پر چشم پری سے آئیں
رم آ، ہو کو ہے ہر ذرے کی چشمک میں کہیں
یاس پیمانہ کش گریہ مستانہ نہیں
کہ ہوا خوں نگہ شوق میں، نقش تسکین
جل اٹھے گرمی رفتار سے، پائے چو ہیں
گرد جوہر میں ہے، آئینہ دل پردہ نشین

نزع غمور ہوں اُس دید کی دھن میں کہ بھ
حیرت، آفت زدہ عرض، دو عالم نیزنگ
وحشت دل سے پریشان ہے، چراغان خیال
کو چہ دیتا ہے پریشان نظری پر محمد
چشم امید سے گرتے ہیں، دو عالم، جوں انگ
کس قدر فکر کو ہے نالہ قلم موے داغ
عذب لنگ آفت جولان ہو کہ ہے یارب
نہ تمنا، نہ تماشا، نہ حیرت، نہ نگاہ

کھینچوں ہوں آئنے پر خندہ گل سے مسطر
نارہ عنوان بیان دل آزرده نہیں
رج تعظیم مسیحا نہیں اٹھتا مجھ سے
درد ہوتا ہے مرے دل میں جو توڑوں بالیں
بسکرتی اربابِ جہاں سے ہوں طول
پر پروانہ مری بزم میں ہے فخر کیں
اے عبارت، تجھے کس خط سے ہے دس بزرگ
اے نگہ، تجھ کو ہے کس نقطے میں مشقِ تکیں؟

جلوہ ریگِ بواں دیکھ کے گردوں ہر صبح
خاک پر توڑے ہے آئینہ نازِ پرویں
شورِ اوہام سے مت ہوشِ خونِ انفاق
گفتگو بے مزہ، وز خسمِ تنہا نکلیں
ختم کر ایک اشارت میں عبارتِ نیاز
جوں مہ نو، ہے نہاں گوشہ ابرو میں، جہیں

معنی لفظِ کرم، بسمِ رنسر حسن
قبلہ اہل نظر، کعبہ اربابِ یقین
جلوہ رفتارِ سب جہادِ شرعِ تسلیم
نقشِ پا جس کا ہے توحید کو معراجِ جہیں

کوہ کو، بیم سے، اس کے، ہے جگرِ باخستگی
نہ کرے تندرست، ورنہ، متاعِ تکیں

وصفِ دل، ہے مرے مطلعِ ثانی کی بہار
جنتِ نقشِ قدم سے ہوں میں اسکی گلچیں
گردِ رہ، سرمہ کشِ دیدہ اربابِ یقین
نقشِ ہر گام، دو عالم صفیاں زیرِ نیکیں
برگ گل کا، ہو جو طوفانِ ہوا میں عالم
اس کے جولاں میں نظر آئے ہے یوں، دامنِ زیا
اس کی شوخی سے برحیرت کہہ نقشِ خیال
فکر کو حوصلہ فرصتِ ادراک نہیں
جلوہ برق سے ہو جائے نگہ، عکسِ پذیر
اگر آئینہ بنے حیرتِ صورتِ گر چیں

ذوقِ گلچینی نقشِ کعبہ پا سے تیرے
عرشِ چاہے ہے کہ ہو در پر تیرے خاکِ نشیں
تجھ میں اور غیر میں نسبت ہے، ولیکن بہ تضاد
وہی ختمِ رسل تو ہے با ثباتِ یقین

دادِ دیوانگی دل کہ ترا مدحتِ گر
ذرت سے باندھے ہے خورشیدِ فلک پر آئیں

بہ گمانِ قطعِ زحمت نہ دو چار خاشی ہو
بفریبِ آشنائی، بخیالِ بے وفائی
نظرے سوئے کہتاں کہیں غیر شیشہ سداں
بفر از گاہِ عبرت، چہ بہار و کوتاہی؟
بہ فراقِ رفتہ یاراں، خط و حرف ہو پریشاں
تپشِ دل شکستہ اپنے عبرت، آگہی ہے
نہ وفا کو آبرو ہے، نہ جفا تمیز جو ہے
بہ شکنجِ جستجو، بہ سراپِ گفتگو ہا
نہیں شاہراہِ ادہام بجز آنسوئے رسیدن
چہ امید و ناامیدی؟ پوزنگاہِ دے نگاہی؟
اگر آرزو ہے راحت تو عبث بہ نولِ پیدن
شر و شورِ آرزو سے تب و تاب بجز بہتر
ہوسِ فروختن، تب و تاب سوختن ہا
شرِ اسیرِ دل کو ملے اوجِ عرضِ انہار
ہوئے مشقِ جراتِ ناز، رہ و رسمِ طرحِ آداب
اگر آرزو رسا ہوئے دردِ دل دوا ہو
غمِ غبن کا سفینہ بہ کنارِ بیدی ہے
مجھے انتعاشِ غم نے پئے عرضِ حالِ غشی

کہ زبانِ سحر آلود نہیں تیغِ اصفہانی
نہ رکھ آپ سے تعلق، مگر ایک بہ گمانی
جو گدازِ دل ہو مطلب تو چین ہے سنگِ جانی
کہ نگاہ ہے سید پوشِ بجز اے زندگانی
دلِ غافل از حقیقت بہم ذوقِ قصہ خوانی
کہ نہ دے غمانِ فرصت بکشا کشِ زبانی
چہ حسابِ جانفشانی؟ چہ غرورِ دلستانی؟
نگ و تازِ آرزو ہا، بہ فریبِ شادمانی
تری سادگی ہے، غافل، دردِ دل پہ پاسانی
بہم عرضِ ناشکیبی؟ ہمہ سازِ جانِ ستانی
کہ خیال ہو تعب کش بہ ہوا کے کارتی
دگرے اگر ہوس پر، غمِ بیدی، گرائی
سب شمعِ نقشِ پا ہے، بسپاسِ ناتوانی
جو بہ صورتِ چراغاں کرے، شعلہِ زرد بانی
خیمِ پشتِ خوشنما تھا بجز ارششِ جوانی
وہ اجل کہ نولِ بہا ہو، پشہیدِ ناتوانی
مگر ایک شہیدِ سو کرے سازِ باد بانی
ہوسِ غزلِ سرانی، تپشِ فسانہ خوانی

جو امیدوار رہیے، نہ بہ مرگِ ناگہانی
جو ملی تو تلخ کانی، جو ہوئی تو سرگرائی
مجھے طاقتِ آزمائی، تجھے الفتِ آزمائی
نہ ہوا حصولِ زاری، بجز آستیںِ فشانی

دلِ ناامید کیونکر بہ تسلی آشنایا ہو
مجھے یادہِ طرب سے بجز گاہِ قسمت
رستمِ کراب تو مجھ پر کہ وہ دن گئے کراہی
بہ ہزار امیدواری رہی ایک اشکِ بای

کروں غدر ترک صحبت ہو کہاں وہ بید ماغی؟
ہم ایک نقش پیش لے تب و تاب ہجرت پوچھ
کف موجہ حیا ہوں بجزارِ غرض مطلب
یہی بارِ بازی میں مرے آئے ہے کہ غالب

نہ غرور میر زائی، نہ فہرید ناتوانی
کہ ستمکش جنوں ہوں نہ بقدر زندگانی
کہ سرشک قطرہ زن ہے بہ پیام دل یسانی
کروں عوانِ گفتگو پر دل و جان کی مہمانی

غزلیات

۶۱۸۲۱ ●

عالم، جہاں بصر من بساطِ وجود تھا
بازیِ خوب فہرید ہے، اہل نظر کا ذوق
عالم، طلسمِ شہرِ خموشاں ہے سرسبز
جز قیاس، اور کوئی نہ آیا بروئے کار م
آشتی نے نقش سویدا کیا درست م
تھا خواب میں، خیال کو تجھ سے معاملہ م
لیتا ہوں، مکتبِ غمِ دل میں، سبقِ ہنوز م
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برائستگی م
تیشے بغیر نہ سکا کو بچن، اسد م

جوں صبح، چاکِ جیب بچے تار و پود تھا
ہنگامہ، گرمِ حیرت بود و نمود تھا
یا میں غریب کشتورِ گفت و شنود تھا
صحرا، مگر یہ تنگیِ چشمِ سود تھا م
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا م
جب آنکھ کھل گئی، نہ زبیل تھا، نہ کوز تھا م
لیکن یہی کہ رفت گیا اور یود تھا م
میں، ورنہ، ہر لباس میں تنگ و جود تھا م
سردشتِ خارِ رسوم و قیود تھا م

۶۱۸۲۱ ●

تنگیِ رفیقِ رہ تھی، عدمِ یادِ جود تھا
تو یک جہاں تماشا ہوں جمع کر، کہ میں
گردشِ محیطِ ظلم رہا جس قدر، فلک
پوچھا تھا گھر چہ یار نے احوالِ دل، مگر
خود، شبلم، آشنا نہ ہوا، ورنہ میں، اسد

میرا سفرِ طالعِ چشمِ سود تھا
حیرت متابعِ عالمِ نقصان و سود تھا
میں پائمالِ غمزدہ چشمِ کبود تھا
کس کو دماغِ مشتِ گفت و شنود تھا
سرتاقدمِ گزارشِ ذوقِ سجود تھا

کہتے ہو: "نہ دیں گے ہم" دل اگر پڑا پایا م
ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم، یا رب؟
بے دماغِ بخت ہوں، رشکِ امتحاں تاکے؟
خاکبازیِ امید، کارخانہٴ طفلی
کیوں نہ وحشتِ غالب باجِ خواہِ تسکین ہو؟
دل کہاں کر گم کیجے؟ ہم نے مدعا پایا
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پایا
ایک بے کسی، تجھ کو عالم آشنا پایا
یاسی کو دو عالم سے لبِ بخندہ وا پایا
کشتہٴ تغافل کو خصمِ خوں بہا پایا

عشق سے طبیعت نے، عزیت کا مزا پایا م
دوستدارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم م
سادگی و سحرکاری، بے خودی و ہشیاری م
غیرِ پھر سکا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل م
حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر، یعنی م
شورِ پندِ ناصح نے زخمِ پرہیزگار کا م
فکرِ نالہ میں، گویا، حلقہ ہوں زیرِ تا پا
شبِ نظارہ پرورتھا خواب میں خرامِ اس کا
جس قدر جگر خوں ہو، کوچہٴ دادِ گل ہے
ہے نیکی کی پاداری، نامِ صاحبِ خانہ
نے اسد جفا سائل، آئے ستم جنوں مائل
درد کی دوا پائی، درمہ بے دوا پایا
آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا
حسن کو تغافل میں حیرات آزا پایا
خوں کیا ہوا دیکھا، گم بکھا ہوا پایا
ہم نے بارہا ڈھونڈھا، تم نے بارہا پایا
آپ سے کوئی پوچھے "تم نے کیا مزا پایا؟"
عضوِ عضو، جوں نہ غیر یک دلِ صدا پایا
صبح، موجدِ گل کو نقشِ بویا پایا
زخمِ تیغِ قاتل کو طرفہٴ دلکش پایا
ہم سے تیرے کوچے نے، نقشِ مدعا پایا
تجھ کو جس قدر ڈھونڈھا، الفت آزا پایا

شوق ہر رنگِ رقیبِ سردساں م
زخم نے دادِ نہ دی تشنگیِ دل کی، یا رب! م
قیس، تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
تیر بھی سینہٴ بسمل سے پراشتاں نکلا

بوسے گل، نالہ دل، دو چہرا بخ غمغسل م
 دل حسرت زدہ، تھا مساندۂ لذت درد م
 تھی نو آموزِ فنا، ہمت دشوار پسند م
 دل میں پھر گریہ نے اک شہود اٹھایا غالب م
 جو تری ہزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا
 کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
 سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
 آہ! جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو طوفان نکلا

● ۶۱۸۲۱

دہریں نقش و فنا و جہ تسلی نہ ہوا م
 نہ ہوئی ہم سے رستم حیرت خطِ رخ یار م
 وسعت رحمت حق دیکھ کر بخش جاوے م
 سہزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا م
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں م
 دل، گزرے گاہِ خیال سے و سا غریبی سہی م
 ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی م
 کس سے محرومی قیمت کی تمکات کیجئے؟ م
 مرگیا صد مہ یک جنبش لب سے غالب م
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 صفحہ آئینہ، جو لا جگر طوطی نہ ہوا
 مجھ سا کافر کہ جو ممنون معاصی نہ ہوا
 یہ زمرہ بھی حریف دم افسی نہ ہوا
 وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 گر نقشِ جادہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا
 گوش، منت کش گلابِ تکی نہ ہوا
 ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں، سودہ بھی نہ ہوا
 ناتوانی سے، حریف دم چسپی نہ ہوا

● ۶۱۸۲۱

جب، بتقریب سفر، یار نے محل باندھا م
 اہل بنیش نے بہ حیرت کدۂ شوقی ناز م
 یاس و اُمید نے یک عمر بیدہ میدان مانگا م
 نہ بندھے تشنگی شوق کے مضمون، غالب م
 تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
 غمِ ہمت نے طلسم دلِ سال باندھا
 گرچہ دل کھول کے، دریا کو بھی سال باندھا

● ۶۱۸۲۱

ناتوانی ہے تماشائیِ عمرِ رستم
 رنگ نے آئینہ آنکھوں کے مقابل باندھا

جو گھرہ آپ نہ کھولی، اُسے مشکل باندھا
جوں مند، ہم نے کفِ پا پر، استرادل باندھا

اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل مت پوچھ
نوکِ ہر خار سے تھا بکسر دزدیِ زخم

● ۶۱۸۲۱

میری قسمت کا نہ ایک آدھ گجرے یاں نکلا
شوق دیدار بلا آئینہ سا ماں نکلا
جس کو دل کہتے تھے، سو تیر کا پیکاں نکلا
نقشِ ہرزہ، سویدائے بیاباں نکلا
لاکھ پردے میں چھپا، پردہ یِ عریاں نکلا
آخر، اے مہرِ فکین، تو بھی پشیاں نکلا
جو نہ دیکھا تھا، سو آئینے میں پنہاں نکلا
پیشوا لینے مجھے گھر سے بسیا باں نکلا

کارخانے سے جنوں کے بھی، میں عسریاں نکلا
ساغرِ جلوہ سرشار ہے، ہرزہ خساک
کچھ کھٹکتا تھا مرے سینے میں، لیکن اسخ
کس قد خاک ہوا ہے دلِ مجنوں، یارب
شورِ رسوائیِ دل دیکھ کہ یک نالہ شوق
شوخی رنگِ جنا، خونِ وفا سے، کب تک؟
جو ہر عبادِ خطِ سبز ہے، خود بینیِ حسن
میں بھی معذور جنوں ہوں، استدراں خانہ خراب

● ۶۱۸۲۱

حبابِ موجِ رفتار ہے، نقشِ قدم میرا
کہ موجِ بوئے گل سے، ناک میں آتا ہے دم میرا
زمین کو سیلیِ استاد ہے، نقشِ قدم میرا
پرافشاں ہے غبارِ آنسوئے صوابِ عدم میرا
غبارِ راہ ہوں، بے مدعا ہے تیج و خسم میرا
و جانِ زخمِ پدا کر، اگر کھاتا ہے غسم میرا
برنگِ بوجِ سنے، خمیازہ کا سا غر ہے، دم میرا

نہ ہو گا، یک بسیا باں ماندگی سے، ذوق کم میرا م
نحبت تھی تپن سے، لیکن اب یہ بید ماغی ہے م
رہِ خوابیدہ، تھی گردنِ کش یک درسِ آگاہی
سراغِ آوارہ عرضِ دو عالم شورِ عشر ہوں
نہ ہو وحشت کش درسِ سرابِ سطرِ آگاہی
ہو اے صبحِ یک عالمِ گریباں چاکِ گل ہے
استد، وحشت پرستِ گمشدہ تنہائیِ دل ہوں

اک، گھر میں، مختصر سا بسیا باں ضرور تھا

منع جنوں کو، وقتِ پیش، درجی دور تھا

اے دے غنّتِ نگرِ شوق! ورنہ یاں
ورس تپش ہے برقِ کوہِ جس کے نام سے
شاید کہ مر گیا ترے رخسار دیکھ کر
جنت ہے تیری تیغ کے کشتوں کی منتظر
آئینہ دیکھ، اپنا سامنے لے کے رہ گئے م
قاصد کو، اپنے ہاتھ سے، گردن نہ ماریے م
ہر رنگ میں جلا اسدِ فتنہ انتظار

ہر پارہ سنگ، لختِ دل کو، طور تھا
وہ دل ہے یہ کہ جس کا تخلص عبور تھا
ہیما نہ رات، ماہ کا لبِ بزمِ نور تھا
جو ہر سوار، جلوۂ مسترگانِ نور تھا
صاحب کو، دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
اُس کی خطا نہیں ہے، یہ میرا قصور تھا
پر وادہ تجسّی تیغِ ظہور تھا

● ۶۱۸۲۱

خود پرستی سے رہے باہمِ گزرا آشنا
آتشِ موئے دماغِ شوق ہے اتلِ تپاک
جوہرِ آئینہ، جزرِ زمرِ سرِ مژگان نہیں
ربطِ یک شیرازہٴ وحشت میں، اجزلے بہار
رشتک کہتا ہے کہ اُسکا غیر سے اعلیٰ حیف م
ذرّہ ذرّہ، ساغرِ میخانہٴ نیرنگ ہے م
شوق، ہے سماں ترانہٴ نازشِ اربابِ عجز م
میں اور ایک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہے م
شکوہ سنجِ رشتک، بعدِ نگر نہ رہنا چاہیے م
کوہِ کمنِ نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا، اسد م

بیکسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا
ورنہ ہم کس کے ہیں، اے داغِ تمنا، آشنا
آشنا کی، ہمہ گریہ ہے، ایسا آشنا
سبزہ، بیگانہ، عبا آوارہ، گلِ نا آشنا
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
گردشِ مجنوں بہ چشمکِ ہلے لیلِ آشنا
ذرّہ صحرِ دستِ گاہ، و قطرہ دریا آشنا
عافیت کا دشمن، اور آوارگی کا آشنا
میرزا نوٹولس، اور آئینہ تیرا آشنا
سنگ سے، سر مار کر، ہووے نہ پیدا آشنا

● ۶۱۸۲۱

شب، خمارِ شوقِ ساقی رستخیزِ اندازہ تھا م
یک قدمِ وحشت سے، اور سب دفترِ امکاں کھلا م
تا محیطِ بادہ، صورتِ خاندانِ خمیانہ تھا
جادہ، اجزلے دو عالمِ دشت کا شیرازہ تھا

خانہ معنونِ محسوس گردا بے دروازہ تھا
دست مرہونِ جنا، خسارِ راتِ غارہ تھا
یادگارِ نالہ، ایک دیوانِ بے شیرازہ تھا
داغ، گرمِ کوششِ ریحانِ داغِ تازہ تھا
یوریا، یک نیستاں عالمِ بلند دروازہ تھا

مانعِ دشتِ خرامی ہاے لیلیٰ کون ہے؟ م
پوچھ مت رسوائی اندازِ استغناء حسن م
نالہ دل نے دیے، اوراقِ لختِ دل، بعباد م
ہوں چراغانِ ہوں، جوں کا غدا آتشِ زندہ م
بے نوائی تر صدائے نغمہ شہرت، اسد

۶۱۸۲۱ ●

رازِ مکتوب، بے بے ریطی عنوان سمجھا
چاک کرتا ہوں میں جیسے گہ گریاں سمجھا
شعلہٴ عشق کو اپنا سر و ساماں سمجھا
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
رخ پہ ہر قطرہ عرق، دیدہ حیراں سمجھا
نہضِ حس سے پیشِ شعلہٴ سوزاں سمجھا
ہر قدم، سارے کوئی اپنے شہتاں سمجھا
دفعِ پیکانِ قضا اس قدر سلا سمجھا
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

وہ مری چلین جلیں سے، غم نہاں سمجھا م
یک الف بیش نہیں، قیقل آئینہ ہنوز م
ہم نے وحشت کدہ بزمِ جہاں میں جوں شمع م
شرحِ اسبابِ گہ قناریِ خاطر مت پوچھ م
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ خیرام م
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد نحو ہو گا م
سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی م
تھا گہریاں شرہٴ یار سے، دل، تادمِ مرگ م
دل دیا جان کے، کیوں، اسکو وفادار، اسد؟ م

۶۱۸۲۱ ●

گہر میں محو ہوا، اضطرابِ دریا کا
مگر، ستم زدہ ہوں، ذوقِ خامہٴ فرسا کا
دوامِ کلفتِ خاطر ہے، عیشِ دنیا کا
عدمِ کوئے گئے دل میں غبارِ مجرا کا
میں مدعا ہوں پیشِ نامہٴ منت کا

گلدے شوق کو دل میں بھی تنگی جسا کا م
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب م
جناے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے بھی م
ملیٰ نہ وسعتِ جولانِ یک جنوں ہم کو م
مراشمول ہر اک دل کے تیجِ تاب میں ہے

غم فراق میں کلیف سیر باغِ زرد م مجھے دماغ نہیں ختم ہوا بے جا کا
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں م کر سب، ہر بن مو کا م چشم بیا کا
 دل اُس کو پہنچا ناز و اداسے، دسیٹھے م تیس دماغ کہاں، حسن کے تقاضا کا ؟
 نہ کہ گریہ بھقرا بہ حسرتِ دل ہے م مری نگاہ میں ہے، جمع خرچ دین کا
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اگل کو یاد، اسد م جھایں اُس کی، ہے انداز کا فرما کا

۶۱۸۲۱ ●

کس کا جنون دید، متاثر تھا؟ کس کا خیال، آئینہ انتظار تھا
 ایک ایک قطرے کا، مجھے دینا پڑا حساب م
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو م
 حلیوں میں میری نقش کو کھینچے پھر واک میں م
 موجِ سحاب دشتِ وفا کا زلوچہ حال م
 کم جاتے تھے ہم بھی نسیمِ عشق کو پر اب م
 جوں غنچہ و گل، آفتِ فالِ نظر زلوچہ
 دیکھی وقایعِ فرصتِ رنج و نشاطِ دہر
 صبحِ قیامت ایک دم گرگ تھی، اسد

آئینہ خانہ، وادی جو ہر غبار تھا
 ہر برگ گل کے پروے میں دل بقرار تھا
 خونِ جگر، ودیعتِ بحرِ گمانِ یار تھا
 توڑا جو تو نے آئینہ، تمثالِ دار تھا
 جاں داغ ہوا سسر رہ گزار تھا
 ہرزہ، مثلِ جوہر تیغ، آبدار تھا
 دیکھا، تو کم ہوئے پر، غم روزگار تھا
 پرکاں سے ترے، جلوۂ زخم، آشکار تھا
 خمیازہ، یک درازی عمرِ خسار تھا
 جس دشت میں شوخِ دو عالم آشکار تھا

۶۱۸۲۱ ●

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا م آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
 گریہ چاہے ہے خوابی مرے کاشانے کی م دردِ دیوار سے چکے ہے سیباں ہونا

وایے دیوانگی شوق! کہ ہر دم بھسکو م
جلوہ، از بس کہ تقاضے نگو کرتا ہے م
عشرتِ قتلِ گر اہلِ تمتامت پوچھ م
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمتاے نشاط م
عشرتِ یارہِ دل۔ زخیمِ تمتا کھانا م
کی مرے تھل کے بعد اُس نے بھٹاسے تو بہ م
حیف! اُس پجارِ حجرہ کپڑے کی قسمت، غالب م

۶۱۸۲۱ ●

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا م
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز م
سادگی ہائے تمتا، یعنی م
عذر و اماندگی اے حسرتِ دل م
زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی م
آہ! وہ حیراتِ فریاد کہاں م
پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال م
کوئی ویرانی سسی ویرانی ہے م
کیا ہی رضواں سے لڑائی بھوگی م
میں نے بجنوں پہ لڑکین میں، اسد م

دل، جسگرِ شبنم فریاد آیا م
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا م
پھر وہ یزنگِ نظر یاد آیا م
نالہ کرتا تھا، جسگرِ یاد آیا م
کیوں ترا 'راہِ گزیر' یاد آیا؟ م
دل سے تنگ آئے، جسگرِ یاد آیا م
دلِ گرم گشتہ، مگر یاد آیا م
دشتِ سکو دیکھ کے گھر یاد آیا م
گھر ترا، خستہ میں گریہ یاد آیا م
سنگ اٹھایا تھا کہ سرِ یاد آیا م

۶۱۸۲۱ ●

تو درست کسی کا بھی، سنگِ نہ ہوا تھا م
پھوڑا، مہرِ خشک کی طرح دستِ قضا نے م

اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا م
غیرِ شید، ہنوز، اُس کے برابر نہ ہوا تھا م

توفیق بہ اندازہ ہمت ہے، ازل سے م
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قیدیار کا عالم م
میں سادہ دل، اُزردگی یار سے خوش ہوں م
دہیائے معاصی تنگ آئی سے ہوا خشک م
جاری تھی، اسد، داغ جگر سے مری تحصیل م

آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
میں معتقد غنیمتِ شمر نہ ہوا تھا
یعنی اسبق شوق مسکرت نہ ہوا تھا
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
آتشکدہ، جساگیر سمند نہ ہوا تھا

● ۱۸۲۱ء

نفس نہ بخمن آرزو سے باہر کھینچ م
کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ م
تجھے بہانہ راحت ہے انتظار، اے دل م
ترک طرف ہے بہ حسرت، نظارہ زنگس م
بر نیم غمزہ، ادا کر حق و دلعت ناز م
مرے قدح میں ہے صباے آتش پیناں م
نہ کہہ کہ طاقت رسوائی وصال نہیں
جنون آئندہ مشتاق یک تماشا ہے
خوار بہت ساقی اگر یہی ہے، اسد

اگر شراب نہیں، انتظار ساغر کھینچ
برنگ خار، مرے آئنے سے جوہر کھینچ
کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بہتر کھینچ
بکوری دل و چشم رقیب، ساغر کھینچ
نیام پردہ زخم جگر سے خمر کھینچ
بروے سفرہ، کبابِ دل سمندر کھینچ
اگر یہی عرقِ فتنہ ہے، مکتہ کھینچ
ہمارے صفحے پر بال پرکایے مسطر کھینچ
دل گداختہ کے ٹیکے میں ساغر کھینچ

● ۱۸۲۱ء

حسن، غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد م
منصبِ شیفگی کے، کوئی، قسابل نہ رہا م
شیخ بھگتی ہے، تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے م
خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر، یعنی م
درخوہِ عرض نہیں، جوہر پیدا کوہ جسا م

بارے آرام سے میں اہلِ جفا، میرے بعد
ہوئی معزولی انداز و ادا، میرے بعد
شعلہ عشق بسیرہ پوش ہوا، میرے بعد
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا، میرے بعد
نگہ ناز بہ سوسے سے خفا، میرے بعد

ہے تنہا، اہل جنوں کے لیے، آغوشِ وداع م
کون ہوتا ہے حریفِ منے مردِ انگنِ عشق، م
غم سے مرنا ہوں، کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی م
تھی، نگہ میری نہاں خانہٴ دل کی نقاب م
تھیں گلستا، احباب کی بندش کی گیاہ م
آئے ہے سیکسی عشق پہ رونا، غالب م

● ۱۸۲۱ ع

بلا سے، ہیں جو بہ پیشِ نظر درو دیوار م
و فوراً شک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ م
نہیں ہے سایہ، کہ سن کر تو یدِ مقدم یار م
ہوئی ہے کس قدر ازانی سے جلوہٴ م
جو ہے تجھے سرِ سوداے انتظار، تو آ م
، عجمِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے؟ م
وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں، تو سایے سے م
نظر میں کھٹکے ہے، بن تیرے، گھر کی آبادی م
نہ پوچھ بے خودی پیشِ مقدمِ سیلاب م
نہ کہہ کسی سے کہ غالب، نہیں زمانے میں م

● ۱۸۲۱ ع

لرزتا ہے مراد، نہ محبتِ مہرِ درشاں پر م
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہٴ آرائی م
حقاً تعلیمِ درسِ بے خودی ہوں اس زمانے سے م

میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہونغا بہا باں پر
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
کہ بجنوں "لام الف" لکھتا تھا دیوارِ دہتال پر

م فراغت کس قدر رہتی مجھے، تشریفِ مہر سے
م نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا
م مجھ اب دیکھ کر ابرہہ شفق آوردہ، یاد آیا
م دلِ فومیں جگر بے مبر، و فیضِ عشق مستغن
م بجز پروازِ شوقِ ناز کب باقی رہا ہوگا
م نہ ٹٹنا صحیح ہے، غالب کیا ہوا، گر کس نے شدت کی

● ۱۸۲۱ء

م حریفِ مطلبِ مشکل نہیں، فسونِ نیاز
م نہ ہوا یہ ہرزہ، سیاہاں نورِ دہم و جور
م وصالِ جلوہ تماشا ہے، پردہ ماغ کہاں؟
م ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتابِ پرست
م نہ پوچھ وسعتِ سخن نہ جنوں، غالب
م فریبِ صنعتِ ایجاد کا تماشا دیکھ
م بنوڑا اے اثرِ دید، تنگِ رسوائی
م زبیں کہ جلوہ صیادِ صبر آ رہے
م بجومِ فکر سے دل مثلِ موج لرز رہے
م اسد سے ترکِ وفا کا گھاں وہ معنی ہے

● ۱۸۲۱ء

م نہ جگرِ نغمہ ہوں، نہ پردہ ساز
م تو اور آرایشِ قہم کا کل
م لافِ تمکین، فربہ سادہ دل
م میں ہوں اپنی شکست کی آواز
م میں اور اندیشہ ہائے دور دراز
م ہم ہیں اور راتِ اے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ آفتِ صیاد م
وہ بھی دن ہوا کہ اسی ستم گرے م
ہنسیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں م
اے ترا غمزہ ایک قلمِ انجیزا م
تو ہوا جلوہِ حمر، مبارک ہو م
مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا م
اسد اللہ خاں تمام ہوا م
ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
تاز کھینچوں، بجائے حسرتِ ناز
جس سے مرگیاں ہوتی نہ ہو گلزار
اے ترا قلمِ سربِ انداز
ریزشِ سجودِ جبینِ نیار
میں غریب اور تو غریب نواز
اے دریغ! وہ رندِ شاہِ باز

۶۱۸۲۱

کب فقیروں کو رسائی بستِ خوار کے پاس
مند گئیں، کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں ہے ہے
میں بھی رک رک کے نہ مڑا، جو زباں کے بدلے
دہنِ شیریں جا بیٹھیں، لیکن، اے دل
دیکھ کر تجھ کو، چن بسکہ ٹوکتا ہے
خردہ، اے ذوقِ اسیری! کہ نظر آتا ہے
جگر تشہِ آزار، تسلی نہ ہوا
مر گیا، پھوڑ کے صر، غالبِ وحشی، ہے ہے
تو نے بود بچے میخانے کی دیوار کے پاس
خوب وقت آنے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
دشداک تیز سا ہوتا مرے غمِ خوار کے پاس
نہ کھڑے ہو جیسے خوبانِ دل آزار کے پاس
خود بخود پہنچے ہے گل، گوشہِ دستار کے پاس
دامِ خالی، قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس
بیٹھنا اُس کا وہ، آکر تری دیوار کے پاس

۶۱۸۲۱

زخم پر چھڑکیں کہاں، طفلانِ بے پروا نمک
گردِ راہِ یار، ہے سامانِ تازِ زخمِ دل
مجھ کو ارزانی رہے! تجھ کو مبارک ہو جیوا
شورِ جولاں تھا کنازِ بحرِ کس کا؟ آج
کیا مرہ ہوتا، اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
ورنہ ہوتا ہے جہاں کیس قدر پیدائیمک
نالہ بیل کا درد، اور خندہ گل کا نمک
گردِ مسائل ہے بہ زخمِ موجہِ دریا نمک

دار دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، ولہ واہ! م
 چھوڑ کر جانا تن مجھ سروح عاشقِ جیفہ م
 غیر کی منت نہ کیجیوں گا، پئے کو فیروز دردا م
 اس گل میں عیش کی لذت نہیں ملتی، اسد م
 یاد میں، غالب رتھے وہ دن کہ جسدِ ذوق میں م
 یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس بھانک م
 دل طلب کرتا ہے زخم، اور ملے ہے اعصابِ نمک م
 زخم، مثلِ خندہِ قائل ہے سرتا پانک م
 زورِ نسبت سے رکھتا ہے، نصار کا نمک م
 زخم سے گرتا، تو میں پلوں سے چلتا تھا نمک م

● ۶۱۸۲۱

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہوتے تک م
 دایم ہر سوچ میں ہے، حلقہٴ صد کام ہنسک م
 عاشقِ صبرِ طلب، اور تمنا بیتاب م
 بہنے ملا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن م
 پر تو خود سے، ہے شبیم کو فنا کی تسلیم م
 یک نظر بیش نہیں، فرصتِ ہستی، غافل م
 تا قیامت شبِ فرقت میں گزر جائے گی عمر م
 غمِ ہستی کا، اسد، کس سے ہو جز بزرگِ علاج؟ م
 کون جیتکے، تری زلف کے سحر ہوتے تک م
 دیکھیں، کیا گزرے ہے قطرے پر، اگر ہوتے تک م
 دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہوتے تک م
 خاک ہو جائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک م
 میں بھی ہوں، ایک عنایت کی نظر ہوتے تک م
 گرمی بزم ہے، اک رقصِ شر ہوتے تک م
 سات دن ہم پہ بھی بھاری ہیں، کھر ہوتے تک م
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک م

● ۶۱۸۲۱

رہتے ہیں افسردگی سے سخت بیدار، ہم
 حسرتِ عرضِ تمنا یاں سے سمجھا چاہیے
 کشتیِ عالم پہ طوفانِ تغافل دے، کہ میں
 وحشتِ بے رہی پیچ و خمِ ہستی نہ پوچھ
 شعلہ پائندہ مستند، بلکہ آتشِ خاند، ہم
 دو جہاں حشرِ زبانِ خشک میں، جوں شاد، ہم
 عالمِ آبِ گمانِ جو ہر افسانہ، ہم
 تنگِ بالیدن میں، جوں موئے سرورِ لہز، ہم

۶۱۸۲۱ ●

پاؤں میں جب وہ جتا باندھتے ہیں
حسن افسردہ دلی ہا زنجیں
تیرے بیمار پر ہیں فسیادی
قید میں بھی ہے، اسیری، آزاد
شیخ جی، کعبے کا جانا معلوم
کس کا دل زلف سے بھاگا؟ کراستد
میرے ہاتھوں کو تیرا باندھتے ہیں
شوق کو پا بہ حسنا باندھتے ہیں
وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں
چشم زنجیر کو دوا باندھتے ہیں
آپ مسجد میں گھسا باندھتے ہیں
دستِ شانہ بہ قضا باندھتے ہیں

۶۱۸۲۱ ●

تیرے ٹوسن کو صبا باندھتے ہیں م
آہ کا، کس نے، اثر دیکھا ہے؟ م
تیری فرصت کے مقابل، اے عمر م
قید ہستی سے روحانی معلوم م
نشہ رنگ سے ہے، اور شدِ گل م
غلطی ہائے مفہام میں مت پوچھ م
اہلِ تذسیر کی واماندگیاں م
سادہ چہرکار ہیں خواباں، غالب م
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
ہم بھی ایک ربنی ہوا باندھتے ہیں
برقی کو پا بہ حسنا باندھتے ہیں
اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
مست کب بند قضا باندھتے ہیں
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
آبلوں پر بھی حسنا باندھتے ہیں
ہم سے بہیمانِ وفا باندھتے ہیں

۶۱۸۲۱ ●

طاؤسِ نمط، داغ کے گر زنگ نکالوں
کو تیسری رقتا؟ کہ صحرا سے زمیں کو
ایک فردِ نسب نامہ نیرنگ نکالوں
جوں قمری بسمل آپیش آہنگ نکالوں

ناخن کو جگر کاوی میں ہے رنگ نکالوں
یک پنجنہ سے صد ختم ہے گل رنگ نکالوں
مخمل سے مگر شمع کو دل تنگ نکالوں
محر کو بھی گھر سے کئی فرنگ نکالوں
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں

دامان شفق، طرفِ بقیاب میرہ نو ہے
کیفیت دیگر ہے، افتابِ دلِ خونیں !
پیمانہ وسعت کدہ شوق ہوں، اے رنک
گر ہو بلند شوق مری خاک کو وحشت
فریادِ اسد، غلبتِ رسوائیِ دل سے

۶۱۸۲۱ ●

میں خار ہوں، آتش میں چیموں، رنگ نکالوں
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں
ہر چند بہت دارِ دل تنگ نکالوں
جو ذرہ، صد آئینہ ہے رنگ نکالوں
پھر تیشے سے عطر شرابِ سنگ نکالوں
نقویر کے پردے میں مگر رنگ نکالوں
گر دیدہ و دل صلح کریں، جنگ نکالوں

کیا ضعف میں اُمید کو دل تنگ نکالوں؟
نے کوچہ رسوائی و زنجیر پریشاں
یک نشوونما جا نہیں جو لانِ ہوس کو
گر جلوہ خسرخشید خریدارِ وفا ہو
افسردہ تمکین ہے، نفسِ تخرمی احباب
ضعف، آئینہ پردازی دستِ دیگران ہے
ہے غیرتِ الفت کہ، اسد، اس کی ادا پر

۶۱۸۲۱ ●

وگر نہ کیجیے جو ذرہ عریاں، ہم نمایاں ہیں
برنگِ ریشہ تاک، آہے، جادے میں پنہاں ہیں
مرد و خرسید با ہم سازِ یک خواب پریشاں ہیں
غایتِ نامہ ہائے اہل دنیا، ہرزہ خنواں ہیں
زمانے کے، شبِ بیدار سے اسے سر پریشاں ہیں
کہ مثلِ ذرہ ہائے خاک، آئینے پر افشاں ہیں
وگر نہ، مثلِ خارِ خشک، مرد و گستاں ہیں
اگر ڈھانپے، تو آنکھیں ڈھانپ، ہم تصویر پریشاں ہیں

بعدِ لفظ و معنی، نکلت اِرامِ گرہاں ہیں
عروجِ نشہ و اماندگی پیمانہ کھل تر
بد و حشت گاہِ امکاں اتفاقِ چشم مشکل ہے
نہ انشائی مضمون، نہ املا صورتِ موزوں
علیمِ آفرینش، حلقہ یک بزمِ ماتم ہے
یہ کس بے مہر کی تمثال کا ہے جلوہ سیما بی
مگر آتشِ ہمارا کوکبِ اقبال چمکاوے
اسد، بزمِ تماشا میں تغافلِ پردہ داری ہے

۱۸۲۱

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں م
شوق اس دشت میں دوڑنے ہے بھوکو کہ جہاں م
حسرت لذت آزار رہی جساتی ہے م
رنج نو میدی جاوید گوارا رہو! م
سر کھجاتا ہے، جہاں زخم سراچھا ہو جائے م
جب کرم رخصت بے باکی و گستاخی دے م
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ م
آہنہ دام کو سبزے میں چھپاتا ہے عبث م
مثل گل، زخم ہے میرا بھی سناں سے توام م
میرے شعر کا احوال کہوں کیا، غالب؟ م

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قلیں میں آنا م
دلِ نازک پر اس کے رحم آتا ہے مجھے، غالب م

۱۸۲۱

ہم سے کھل جاؤ بہ وقتِ نئے پستی، ایک دن م
غمرہ اوج بنائے عالمِ امکاں نہ ہو م
قرض کی پیتے تھے، لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں م
نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل اغیت جانے م
دھول دھپا، اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں م

ورنہ ہم چیخیں گے، رکھ کر غزبِ مستی ایک دن
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی، ایک دن
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی، ایک دن
بے صدا ہو جائے گا، یہ سازِ پستی، ایک دن
ہم ہی کر بیٹھے تھے، غالب، پشید کا ایک دن

۶۱۸۲۱

رنگِ طرب ہے مورتِ عہدِ وفا گرو
پروازِ نقدِ دامِ تمنا سے جلوہ تھا
عصرِ جنِ بساطِ انجمنِ رنگِ مفت ہے
ہر فردہ خاکِ عصرِ جنِ تمنا سے رفتگار
ہے تاک میں سکھ ہو سکر صدِ قدحِ شراب
برقِ آبِ یارِ فرصتِ رنگِ دیدہ ہوں
طاقتِ بساطِ دستگیرِ یک قدم نہیں
ہے وحشتِ جنوں بہار اس قدر کہ ہے
بیتابِ سیرِ دل ہے، سیرِ ناخنِ نگار
ہوں سختِ جہاں کا دشمنِ فکرِ سخن، اسد

۶۱۸۲۱

تھا کس قدر شکستہ کہ ہے جب بے گرو
طاؤس نے اک آئینہ خداداد رکھا گرو
موجِ بہار رکھتی ہے اک بوریا گرو
آئینہ یا شکستہ، و تمنا ہے گرو
تبیخِ زاہداں، یکفِ مدعا گرو
ہوں نخلِ شمع، ریشے میں نشوونما گرو
ہوں اشک، جب تک نرگسوں دت دیا گرو
بالِ بری، بشوخی موجِ صبا گرو
یاں نعل ہے یا نقشِ رنگِ جنت گرو
تیشے کی، کوہِ سار میں ہے، یک مدعا گرو

شکوہِ شکر کو شمرِ بیم و امید کا سمجھ
رنگِ روان و ہر پیشِ درسِ تلی شجاع
وحشتِ دردِ یکسی بے اثر اس قدر نہیں
شوقِ غناں گس اگر درسِ جنوں ہو کرے
گاہِ بخلِ امیدوار، گہ بہ حجمِ نیم ناک
بے ہراسِ حسنِ خلقِ تشنہ سچی آسماں
شوخیِ حسن و عشق ہے آئینہ دارِ سجد گرو
نغمہ بے دلاں، اسد، سازِ فسانگی نہیں

۶۱۸۲۱

خاں آگہی خرابِ ابد نہ سمجھ، بلا سمجھ
آئینہ توڑا، اے خیال، جلوے کو خوں بہا سمجھ
رشتہ عمرِ خفتہ کو نالہ نارسا سمجھ
جادو سیرِ دو جہاں، یک مشرہ خوابِ پا سمجھ
گرچہ خدا کی یاد ہے، کلفتِ ماسوا سمجھ
شوق کو منفعل نہ کر، ناز کو التجا سمجھ
تھار کو بے نیام جانِ اہم کو برہنہ پا سمجھ
بسلِ دردِ خفتہ ہوں، گر بے کوما جرا سمجھ

شوق کرے جو سرسحران، محلِ خوابِ پا سمجھ
عکس کجا؟ و کو نظر، نقش کو مدعا سمجھ
گر کف دست بام ہے، آئنے کو ہوا سمجھ
ہے یہ سیاق گفتگو، کچھ نہ سمجھ، فنا سمجھ
گر نہ ملیں یہ کو ہمار، آپ کو تو صدا سمجھ
رندِ تمام ناز رہ، خلق کو پیار سا سمجھ
کل ہے جو وعدہ وصال، آج بھی، بے خدا، سمجھ
اے دل و جانِ خلق، تو ہم کو بھی آشنا سمجھ
ٹوٹے مگر آئنے، اسدہ، سبجہ کو خوں بہا سمجھ

کلفتِ ریلِ این و آل، غفلتِ مدعا سمجھ
جلوہ نہیں ہے درِ دسرا، آئینہ صندلی دگر
حیرت اگر خرام ہے، کاریگرِ تسمام ہے
ہے خطِ بحرِ ماو تو، اولِ درسِ آرزو
شیشہ شکستِ اعتبار، رنگِ جگر دس آستوار
نغمہ ہے، محو ساز رہ، نشہ ہے، بے نیاز رہ
چربی پہلوئے خیال، رزقِ دوع لم احتمال
نئے سرو برگِ آرزوئے رہ و رسمِ گفتگو
لغزشِ پا کو ہے بکد، نغمہ "یا علی مدد"

● ۱۸۲۱ ●

کس کو وفا کا سلسلہ بچیاں اٹھائیے؟
اب چار سوے عشق سے دوکاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
یعنی، ہنوز منتِ طفلان اٹھائیے
اے خانساں خراب، نہ احساں اٹھائیے
یا پردہ تبسمِ یہناں اٹھائیے
یک عمر نازِ شوخی عُتوان اٹھائیے
یک نالہ بیٹھے تو، نیستیاں اٹھائیے
لطفِ کرم، بدولتِ مہماں اٹھائیے
غالب، بدوشِ دلِ نجمِ مستان اٹھائیے

دل ہی نہیں کہ منتِ دریاں اٹھائیے
"اپنچند داغ بیٹھے، نقصال اٹھائیے؟"
صد جلوہ رو برو ہے جو ہر گاہ اٹھائیے م
ہے سنگِ پر، براتِ معاشِ جنونِ عشق م
دیوار، بارِ منتِ مزدور سے ہے خم م
یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے م
مستی، فریبِ نامہ موجِ سراب ہے
خطِ جنوں سے، ہر سرو مو ہے ترانہ خیز
تذکرہ خراشِ نالہ، سیرِ شکِ نمک اثر
انگورِ سعی بے سرو پائی سے سبز ہے

ہے بزمِ تماں میں، ستمِ آزرده لبوں سے م
 ہے دورِ قدح، وجہ پریشانی صہبا م
 زندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں، زاہد م
 بیدارِ وفا دیکھ، کہ جساتی رہی آخر م
 کیا پوچھے ہے بر خود غلطی ہلے عزیزاں ؟
 گو تم کو رضا جوئی اغیار ہے، لیکن
 مت پوچھ، اسد، عقدہ کم فرستی زلیت

تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
 یک بار جگاد و فحیم سے میرے لبوں سے
 زہسار، نہ ہونا طرفان بے ادبوں سے
 ہر چند مری جان کو تھاربط لبوں سے
 خواری کو بھی اک عار ہے، عالیٰ لبوں سے
 جاتی ہے ملاقات کب ایسے سببوں سے
 دودن بھی جو کلائے توقیات لبوں سے

● ۱۸۲۱ ع

غم دنیا سے گر پٹی بھی، فرصت سرائے کی م
 کھلے کا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا، یارب ؟ م
 لپٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے م
 انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آتا تھا م
 ہماری سدا کی تھی، التفات تازہ پر مرنا م
 کد کو ب حوالہ کا تم تسل کر نہیں سکتی م
 کہوں کیا ثوبی او ضلع اپنا سے زمانہ غالب م

فلک کا دیکھتا، تقریب ترے یاد آنے کی
 قسم کھاتی ہے اس کا فرتے کاغذ کے بٹانے کی
 وے مشکل ہے حکمت دل میں ہوز غم پھیلنے کی
 اٹھتے تھے میر گل کو، دیکھنا سٹوخی پہلنے کی
 تیرا آنا نہ تھا، ظالم، مگر تہید جانے کی
 مری طاقت کہ ضامن تھی، بتوں کے ناز لٹانے کی
 بدی کی اس نے جس سے ہمنے کی تھی بارہا فیک

● ۱۸۲۱ ع

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک نظر خوں وہ بھی م
 صور ہوتا ہے یہ انداز چکیدن نرنگوں، وہ بھی
 رہے اس شوخ سے آزرده ہم چندے کھنڈے م
 تکلف بر طرف تھا ایک انداز جہولانہ بھی
 خیالِ مرگ کب تسکین دل آزرده کو سنہنے ؟ م

مرے دام تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں، وہ بھی
 نہ کھرتا کاشِ اِمالہ، مجھ کو کیا معلوم تھا، ہمد م م
 کہ ہو گا باعثِ افزائشِ دردِ دروں، وہ بھی
 نہ اتنا بڑش تیغِ جفا پر نازِ فرماؤ م
 مرے دریاے بے تابی میں ہے اک موجِ خوں، وہ بھی
 اے، عشرت کی خواہش، ساقی گردِ ول سے کیا کیجھ؟ م
 لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں، وہ بھی
 مجھے معلوم ہے جو تھنے میرے حق میں سوچا ہے
 کہیں ہو جلے جلد سے گردِ ش گردِ دُوں، وہ بھی
 نظرِ راحت پر میری، مگر نہ وعدہ شب کے آنے کا
 کہ میری خواب بندی کے لیے ہو گا فسوں، وہ بھی
 مرے دل میں ہے، غالب، شوقِ میل و سکودہ ہجراں م
 خدا وہ دن کرے، ہوائِ سے میں یہ بھی کہوں، وہ بھی

● ۱۸۲۱ء

مگر گشتگی میں، عالمِ بستی سے یاس ہے م
 لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خمیر م
 کیا غم ہے اس کو جس کا علیٰ سامام ہو
 کیجے بیاں سرورِ تب غم کہاں تلک؟ م
 ہے وہ، غمِ درِ حسن سے بے گانہ و منا م
 پی، جس قدر ملے، شبِ ہفتاب میں شراب م
 ہر یک مکان کو ہے میچس سے خرف، اسد م
 تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
 اب تک وہ جانتا ہے کہ، میرے ہی پاس ہے
 اتنا، بھی، اے تلکِ زدہ، کیوں بے حواس ہے
 ہر مگو، مرے بدن پر، زبانِ سپاس ہے
 ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے
 اس بلغی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
 مجنوں جو مر گیا ہے، تو جنگلِ اداس ہے

گر خاموشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے م
کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا صکھ ؟ م
کس پر دے میں ہے آئینہ پر باز؟ اے خدا م
ہے ہے ! خدا خواستہ، وہ اور دشمنی م
منشیں، لبائِ کعبہ، علی کے قدم سے جان م
وحشت پر میری، عرصہ آفاق، تنگ تھا م
ہستی کے مت فریبیں آجائیو، اسد م
پہلو تہی نہ کر غم و اندوہ سے، اسد

خوش ہوں کہ، میری بات سمجھنی محال ہے
دل، فردِ جمع و خرجِ زباں ہائے لال ہے
رحمت کہ عذرِ خواہ لب بے سوال ہے
اے شوقِ مستقل، یہ تجھے کیا خیال ہے
نافِ زمین ہے، نہ کہ نافِ عزال ہے
ورپا، زمین کو عسرقِ انفعال ہے
عالمِ تمام، حلقہ، دامِ خیال ہے
دل و تفتِ درد رکھ کہ فقیروں کا مال ہے

تم اپنے شکوے کی باتیں رکھو دکھو کے پوچھو م
خندہ کرو مرے دل سے، کہ اس میں آگ بلب ہے
ولا، یہ دردِ الم بھی تو مغنم ہے، کہ آخر م
نہ جگر پر سحری ہے، نہ آہِ نیم شبی ہے

رقبا غمِ سر، قطعِ رو اضطراب ہے م
میناے سنبے، سرو، نشاطِ پیار سے م
زخمی ہوا ہے، پاشنہ پائے ثبات کا م
جادادِ بادہ نوشی زنداں ہے، شمشِ جہت م
نظارتہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا ؟ م

اس سال کے حساب کو، برق، آفتاب ہے
بالِ تدری، جلوہ موجِ شتاب ہے
نے بھل گئے کی گول، نہ اقامت کی تاب ہے
خافِ گماں کر سبے کہ گیتی خراب ہے
جوشِ بہار، جلوے کو جس کے نقاب ہے

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں؟ م
گنہگار، اسد، مسرت پیغام یار سے م
ماتا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
قاصد پہ مجھ کو شک سوال و جواب ہے

● ۱۸۲۱ ●

م حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ، اے آرزو خرامی م
اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے م
کرے ہو شکوہ کس کا؟ تم اور بے وفائی
صد رنگ گل کرتا، در پردہ قتل کرنا
دل، جوش گر یہ میں ہے ٹوٹی ہوئی اسامی
میں بھی، جلے ہووے میں، ہوں دلغ نامامی
سیر پٹتے ہیں اپنا، ہم اور نیک نامی
تیغ ادا نہیں ہے پابند بے نیامی
ہے نامہ بر کو اس سے دعوے ہم کلامی
اے غم، ہنوز آتش، اے دل ہنوز خامی
ہے شرح شوق کو بھی، جوش شکوہ، نامامی
دریا سے خشک گزری مستوں کی تشہ کامی

طرف سخن نہیں ہے مجھ سے، خدا نہ کردہ
طاقت فسانہ باد، اندیشہ شعلہ ایبار
ہر چند عمر گزری آزدگی میں، لیکن
ہے یاس میں اسد کو ساقی سے بھی فراغت

● ۱۸۲۱ ●

م لقا قل دوست ہوں، میرا دماغ عجز عالی ہے م
رہا آباد عالم، اہل ہمت کے نہ ہونے سے م
زبان شوخ کا دل سخت ہوگا کس قدر، یارب!
نشان بقرار شوق، جز مشرکاں، نہیں باقی
جنوں کر، اے چمن تحسیر یہ درس شعلہ تنہائی
میرہ مستی ہے اہل خاک کو ابر بہاری سے
سد، مت رکھ تجب خرد ماغی ہائے منعم کا
اگر پہلو تہی کیجے، تو جا میری بھی خالی ہے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبوی نہکانہ خالی ہے
مری فریاد کو، کہسارہ ساز عجز نالی ہے
کٹی کانٹے ہیں، اور پیرا ہیں خشک تنہائی ہے
نگاہ شوق کو، صحرابھی، دیوان غسالی ہے
زمین، جوش طرب سے، جام لبریز سفالی ہے
کہ یہ نامرد بھی شیر افکن میدان قالی ہے

وہ بات چاہتے ہو کہ جو بات چاہیے
مسجد کے زیرِ سایہ، خسرا بات چاہیے م
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر م
دے دار، اے فلک دلِ حسرت پرست کی م
سیکھے ہیں، مہرِ خون کے پیے ہم مصوری م
تے سے غرضِ نشاط ہے، کس روسیاء کو؟ م
نشوونما ہے اصل سے، غائب، قورق کو م
ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا م
سرا، پائے خم پر چاہیے ہنگام بے خودی م
یعنی، بحسبِ گردشِ پیمانہٴ صفات م

صاحب کے ہمنش کو کراہات چاہیے
بھوں پاس آنکھ، قبلہٴ حاجات، چاہیے
آخر، ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
ہاں، کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے
تقدیب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے
اک گونہ بے خودی مجھ دن رات چاہیے
خاموشی ہی سے نکلتے ہیں، جو بات چاہیے
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
رُز، سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
عارف، ہمیشہ مست تے ذات چاہیے

وشت کہاں کہ بے خودی انشا کرے کوئی؟
جو کچھ ہے، محوِ شوخی ابروئے یار ہے
عرضِ سرِ شک پر ہے، فضلِ زمانہ، تنگ
خوانا نہیں ہے خطِ رجمِ اضطراب کا
تمثالِ جلوہٴ عرض کر، اے حسن، کب تلک
وہ شوخ اپنے حسن پہ مغروس ہے، اسد

ہستی کو لفظ معنیِ عنقا کرے کوئی
آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ، دیکھا کرے کوئی
صحر کہاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی
تدبیرِ بیخ تابِ نفس کیا کرے کوئی
آئینہ خیال کو دیکھا کرے کوئی؟
دکھلا کے اس کو آئینہ گوڑا کرے کوئی

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی م
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالم، غبارِ وحشتِ مجنوں ہے اسو بسر م
افسردگی، نہیں طربِ انشائے التفات م
رونے سے، اے ندیم، ملامت نہ کر مجھے م
چاکِ جگر سے، جب رہ پریش نہ وابھوٹی م
نحتِ جگر سے ہے، رگِ ہر خار، شاخِ گل م
ناکامی نگاہ، ہے برقِ نظارہ سوز م
ہر سنگ و خشت، ہے صدفِ گوہرِ شکست م
سرور ہوئی نہ وعدہ صبرِ آزما سے عمر م
ہے، وحشتِ طبیعتِ ایجاد، یاسِ خیر م
بیکاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل م
جسِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے، اسد م

کب تک خیالِ مکرۃ لسیلا کرے کوٹی
ہاں، دردِ بن کے دل میں، مگر، جا کرے کوٹی
آخر، کبھی تو عقدہ دل وا کرے کوٹی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوٹی
تا چند باغبانی صحرَا کرے کوٹی
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوٹی
نقصاں نہیں بنوں سے جو سودا کرے کوٹی
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوٹی
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوٹی
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں، تو پھر کیا کرے کوٹی؟
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوٹی

۶۱۸۲۱ ●

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے، شعلہ پاسبانی م
مجھے اُس سے کیا توقع بہ زمناںِ جوانی م
یوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب، ورنہ کہتا م

تو افسردگی نہاں ہے بہ کسینِ بے نہانی
کبھی کودکی میں جس نے نہ سخی مری کہانی
کہ ”مرے عدو کو، یارب، ملے میری زندگانی“

۶۱۸۲۱ ●

۱۔ کہ مری جان کو تسارہ نہیں ہے م
دیتے ہیں جنت، حیاتِ دہر کے بدلے م
مگر یہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو م
ہم سے عبث ہے، گمانِ ریشیِ خاطر م
دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہاے معانی م

طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے
نقشہ بہ اندازہ خسار نہیں ہے
ہاے اکہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
غیر گل، آئینہ، رہسار نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے م وائے! اگر عہد استوار نہیں ہے
تو نے قسم سیکشی کی کھائی ہے، غالب؟ م تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

● ۶۱۸۲۱

ایک جا حرف وفا لکھا تھا، سو بھی مٹ گیا م ظاہر، کاغذ ترے خط کا، غلط بردار ہے
جی جے ذوق فنا کی ناتسامی پر نہ کیوں؟ م ہم نہیں جلتے، نفس ہر چند آتشبار ہے
آگ سے پانی میں بجھتے وقت، اٹھتی ہے صدا م ہر کوئی، در ماندگی میں، تلے سے ناچار ہے
ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عند خواہ م جس کے جلوے سے، زمیں تا آسمان شرار ہے
مجھ سے مت کہ تو نہیں کہتا تھا اپنی زندگی م زندگی سے بھی، مرا جی ان دنوں بیزار ہے
آنکھ کی تصویر، سرنامے پہ کھینچی ہے، کہتا م تجھ پہ کھل جاوے کرا سکر حسرت دیدار ہے

● ۶۱۸۲۱

نہ ہوئی گرمے مرنے سے تسلی، نہ سہمی م امتحاں اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سہمی
خار خار الم حسرت دیدار تو ہے م شوق، چلیں گلستانِ تسلی نہ سہمی
مے پرستاں، خچم سے منہ سے نکائے ہی جے م ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساتی، نہ سہمی
نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ حسرا م گر نہیں شمع سیہ خائے لیلیٰ، نہ سہمی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق م نوحہ غم ہی کبھی نغمہ شادی نہ سہمی
دستمالش کی تمنا، نہ صلے کی پروا م گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی، نہ سہمی
عشرتِ صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو م ذہنی، غالب، اگر عمر طبعی، نہ سہمی

● ۶۱۸۲۱

زنجیر یاد پڑتی ہے، جاوے کو دیکھ کر اس چشم سے ہنوز نگہ یادگار ہے

یاں ہے کہ داغِ لالہ، دماغِ بہار ہے
حیرت، مشیدِ جنشِ ابروئے یار ہے
یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتشِ بزار ہے

سودائی خیال ہے، طوفانِ رنگ و بو
بھونچال میں گم تھا یہ آئینہ طاق سے
حیراں ہوں شوخیِ رگِ یا قوت دیکھ کر

● ۶۱۸۲۱

ہم کو جلدی ہے، مگر تو نے قیامت ڈھیل کی
ہے جو آبی پیرمن، ہر موجِ رودِ نیل کی
آج تنخواہِ فسکتن ہے گدہ جبریل کی
وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسمِ اخیل کی
کھینچتا ہوں اپنی آنکھوں میں سلائی نیل کی
کیا سزا ہے میرے جرمِ آرزو تاویل کی؟

پھونکتا ہے نالہ ہر شبِ صورِ اسرائیل کی
کی ہیں کس پانی سے یاں یعقوب نے آنکھیں مٹا دی
عرشِ پرترے قدم سے ہے، دماغِ گردِ رہ
مدِ عادرِ پردہ، یعنی جو کہوں باطل سمجھ
خیر خواہِ دید ہوں، از پر دغِ چشمِ زخم
نالہ کھینچا ہے، سراپا داغِ جرات ہوں، اسد

● ۶۱۸۲۱

ہمیں حاصل نہیں بے حاصل سے
سیا باں خوش ہوں تیری عاملی سے
رہے ہم داغ، اپنی کاسلی سے
پھرے ہم در بدر ناقابل سے
خبر لیتے ہیں لیکن بیدی سے

کیا ہے ترکِ دنیا کاہلی سے
خسراجِ دیہر ویراں، یک کفِ خاک
پر افشاں ہو گئے شعلے ہزاروں
حنداء، یعنی پدر سے مہرباں تر
استدِ تربانِ لطفِ جو بہ بیدل

● ۶۱۸۲۱

اعلیٰ کو سرمہِ چشم، آوازِ آشنا ہے
شیرازہِ دو عالم، یک آہِ نارسا ہے

رابطِ قیڑایاں، دردِ نئے صدا ہے
موسے دماغِ وحشت، سرِ رشتہ قفا ہے

دیوان لکھی ہے، تجھ کو درسِ خسرام دینا
پروانے سے ہوا شاید، شکنیں شعلہ شمع
اے اضطرابِ سرکش، یک سجدہ وار تمکین
نے حسرتِ تلی، لذوقِ بے قسری
دریاے تم سے معافی، لیکن خسارِ باقی
وحشت نہ بکھنچ قاتل، جبرِ نفس ہے بسمل
بتِ خلدے میں اسد بھی بندہ تھا گاہ کا ہے

۶۱۸۲۱ ●

گریاسِ سر نہ کیجئے، شگلِ عجب تنہا ہے
برہم زنِ دو عالم، تکلیفِ یک صدا ہے
فشرکِ سخنِ یک انشا ز تدا فی خموشی
موزونیِ دو عالم، قربانِ سازِ یک درد
درسِ خرامِ تاکے، خمیازہِ روانی؟
گردش میں لا، تجلی، صد ساغرِ تلی!
یک برگِ مینوائی، صد دعوتِ نیستیاں
اے غنیمتِ تنہا، یعنی کفِ نگاہیں
ہر نالہ اسد ہے مضمونِ دادِ خواہی

۶۱۸۲۱ ●

ذاتی خود داری، خرابِ وحشتِ تسخیر ہے
ذرّہ دے جنوں کے کس کس داغ کو بردارِ عرض؟
میکش مضمون کو حسنِ ربطِ خط کیا چاہیے؟

موجِ بہار، یکسر زنجیرِ نقشِ پا، ہے
آسائشِ وفا پا، بیتابیِ جفا ہے
میں بھی ہوں شمعِ کشتہ، گراغِ خوں بہا ہے
یک درد و صد دوا ہے یک دست و صد طاہ ہے
تاکو چہ دادنِ موجِ خمیازہ آشنا ہے
جب نالہ خوں ہو، غافلِ تاثیر کیا بلا ہے
حضرت چلے حرم کو، اب آپ کا خدا ہے

وسعتِ گرتنہا، یک بام و صد ہوا ہے
مینا خلتِ گناں کو کہسارِ خوں بہا ہے
دو در چراغ، گو یا، زنجیرِ بے صدا ہے
مصرعِ نالہ نے، سکتے ہزار جا ہے
اس سورجِ مے کو غافلِ پایہ نقشِ پا ہے
چشمِ تجرّ آغوش، مخمورِ ہر ادا ہے
طوفانِ نالہ دل، تا موجِ بویا ہے
دل دے، آئی تم تباہیں، مٹھی میں تیری کیا ہے
یعنی، سخن کو کاغذِ احرامِ مدعا ہے

آئینہ خسانہ، مری تیشہ ال کو، زنجیر ہے
ہر بیاباں، یک بیاباں حسرتِ تعمیر ہے
لغزشِ رفتارِ خامہ، مستیِ خمر ہے

خاتمانِ جبریانِ مافیل از معنیِ خسراب !
 چاہے گر خبت، جز آدم وارثِ آدم نہیں
 شبِ دراز و آتشِ دل تیز، یعنی، مثلِ شمع !
 آپ ہو جاتے ہیں، رنگِ بہتِ باطل سے، مرد
 جب ہوئے ہم بے گناہِ رحمت کی کیا تعمیر ہے !
 شوخیِ ایمانِ زاہد، سستیِ تدبیر ہے
 مددِ دستِ ناصحنِ پا، رزقِ یکِ شکر ہے
 اشکِ پیدا کر، اسد، گراہ بے تاثیر ہے


رباعیات

● ۱۸۲۱ ●

دل، سو ز جنوں سے جلوہ منظر ہے آج
 یک تارِ نفس میں، جوں طنابِ صنّاع
 نیرنگِ زمانہ، فتنہ پرور ہے آج
 ہر پارہٴ دل، بے رنگِ دیگر ہے آج

مشکل ہے، زبیں، کلامِ میرا، اے دل
 آساں کہنے کی، کرتے ہیں ورمایش
 سن سن کے اے سخنوارانِ کامل
 ”محکومِ مشکل، و گرنہ محکومِ مشکل“





۱۸۲۲ء

تا

۱۸۲۶ء

متفرق

نسخہ شیرانی

۱۸۲۶ء



● بعد از ۱۸۲۱ء

دھکی میں مر گیا، جو نہ بابِ نبرد تھا م
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا م
تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں م
دل تا جگر، کہ سا حلِ دریا نے خوں ہے اب م
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی م
احباب، چارہ سازی و حشت نہ کر کے م
یہ لاشیں بے کفن، اسدِ خستہ جاں کی ہے م

عشقِ نیرِ پیشہ، طلبِ گارِ مرد تھا
اڑنے سے پیشتر بھی، ارازنگِ زرد تھا
جموعہِ سخاوتِ خیال ابھی فسرِ فرد تھا
اس رہ گزریں، جلوہ گل، آگے گرد تھا
دل بھی اگر گیا، تو وہی دل کا درد تھا
زنداں میں بھی، تخیال، پیاباں نورِ د تھا
حقِ مغفرت کرے! عجب آزادِ مرد تھا

● بعد از ۱۸۲۱ء

خسرِ نہیں ہے تو ہی، نواہائے راز کا م
رنگِ شکستہ، صبحِ بہارِ نظارہ ہے م
تو اور سوئے غنیرِ نظر ہائے تیر تیرا م
صرف نہ ہے ضبطِ آہ میں میرا، وگرنہ میں م
ہیں بسکہ جوشِ بارہ سے، شیتے اچھل ہے م
کاوش کا دل کرے ہے تقاضا، کہ ہے ہنوز م
تاراجِ کاوشِ غم، بھرا ہوا، اسد م

یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا
یہ وقت ہے شگفتنِ گہائے ناز کا
میں اور دکھ تری شرہ ہائے دراز کا
طعمہ ہوں، ایک ہی نفسِ جہاں گداز کا
ہر گوشہ، بساطِ ہے سرِ شیشہ باز کا
ناخن پہ قرض، اس اگر وہ نیم باز کا
سیتہ، کہ تھا دقینہ گہر ہائے راز کا

● بعد از ۱۸۲۱ء

دوست، غمخواری میں میری، سہی فرماؤنگے کیا؟ م
بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور کب تک م

زخم کے بھرنے تک، ناخن نہ بڑھواؤنگے کیا؟
ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرماؤنگے کیا؟

حضرتِ ناصح گر آویں، دیدہ و دلِ فشرِ راہ م
آج والِ تیغ و کفن باندھے ہوئے جتا ہوں میں م
گر کیا ناصح نے ہم کو قیدِ اچھا، یوں سہی م
خانہ زادِ زلف میں، زنجیر بھاگیں گے کیوں؟ م
ہے اب اس معویسے میں قحطِ غمِ الفت، اسد م
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاؤنگے کیا م
عذر، میرے قتل کرنے میں وہ اب لاؤنگے کیا؟ م
یہ جنونِ عشق کے انداز پھٹ جاؤنگے کیا؟ م
ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گمراہیگے کیا؟ م
ہم نے یہ مانا کہ دہلی میں رہے، کھاؤنگے کیا؟ م

● بعد از ۱۸۲۱ء

عشرتِ قلم ہے، دریا میں فنا ہو جانا م
تجھ سے، قیمت میں مری، صورتِ قفلِ اجد م
دل ہوا، کشمکشِ چارہ رحمت میں، شام م
اب جہان سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ، اللہ م
صنعت سے گریہ، مبدلِ بدیمِ سرد ہوا م
دل سے مٹا تری انگشتِ جنائی کا خیال م
ہے مجھے، ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا م
گر نہیں بختِ گل کو ترے کوچے کی ہوس م
تا کہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے مینقل م
بخشے ہے جلوہ گل، ذوقِ مستاشا غالب م
درد کا طے سے گزرنا، ہے دوا ہو جانا م
تھا لکھا، بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا م
مٹ گیا، گھسنے میں، اس عقدے کا دوا ہو جانا م
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا م
بادر آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا م
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا م
روتے روتے غمِ فرقت میں، فنا ہو جانا م
کیوں ہے گردِ رہ جو لانِ صبا ہو جانا م
دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا م
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا م

● بعد از ۱۸۲۱ء

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال کشا موجِ شراب م
پوچھ مت وجہِ سیرِ مستی اربابِ چین م
جو ہوا غرقِ شمعِ بختِ رسا رکھتا ہے م
ہے یہ برسات وہ موسمِ کریم کیا ہے، اگر م
دے بٹھے کو دل و دستِ شتا، موجِ شراب م
سایہ تاک میں ہوئی ہے، ہوا، موجِ شراب م
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہوا، موجِ شراب م
موجِ مستی کو کرے فیضِ ہوا، موجِ شراب م

چار موج اُٹھتی ہے، طوفانِ طرب سے ہر سو: م
جس قدر روحِ نجاتی ہے جگر نشہ ناز: م
بسکہ دوڑے رگ تاک میں، خوں ہو ہو کر: م
موجِ گل سے چراغاں ہے، گزر گاہِ خیال: م
نشے کے پردے میں ہے عورتا شاے دماغ: م
ایک عالم پہی طوفانی کیفیتِ فصل: م
شرحِ ہنگامہ بستی ہے، زہے! موسمِ گل: م
ہوش اڑتے ہیں مرے، جلوہ گل دیکھ: اسد: م

موجِ گل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب: م
وے ہے تسکین، بدمِ آبِ بقا، موجِ شراب: م
شہرِ رنگ سے ہے بالِ کشا، موجِ شراب: م
ہے تصور میں زہیں جلوہ نما، موجِ شراب: م
بسکہ کھتی ہے سہ نشوونما، موجِ شراب: م
موجِ ہنر، نوخیز سے تا موجِ شراب: م
رہبرِ قطرہ بدریا ہے، خوشا! موجِ شراب: م
پھر ہوا وقت کہ ہوا ل کشا، موجِ شراب: م

● بعد از ۱۸۲۱ء

رہا اگر کوئی مِتیامت سلامت: م
جگر کو مرے، عشقِ حونا بہ شرب: م
علی الزعم دشمنِ شہیدِ وفا ہوں: م
نہیں گرسرد و برگِ ادراکِ معنی: م
دو عالم کی ہستی پہ خطِ فنا کھینچ: م
نہیں گھر بہ کامِ دلِ خستہ، گردوں: م
نہ اوروں کی سستا، نہ کہتا ہوں اپنی: م
و فورِ وفا ہے، هجومِ بلا ہے: م
نہ فکرِ سلامت، نہ بیمِ ملامت: م
رہے غالبِ خستہ، مغلوبِ گردوں: م

پھر اک روز مرنا ہے حضرتِ سلامت: م
لکھے ہے، "خداوندِ نعمتِ سلامت!": م
مبارک! مبارک! سلامت! سلامت!": م
تماشاے نیزنگِ صورتِ سلامت!": م
دل و دستِ اربابِ محبتِ سلامت!": م
جگر خانیِ جوشِ حسرتِ سلامت!": م
سُختہ و شورِ وحشتِ سلامت!": م
سلامتِ سلامت، ملامتِ سلامت!": م
زخودِ رفتگی ہائے حیرتِ سلامت!": م
یہ کیا بے نیازی ہے، حضرتِ سلامت!": م

● بعد از ۱۸۲۱ء

کے کس قدر ہلک فریبِ وفائے گل! م
بیل کے کاروبار پہی، خندہ ہلے گل: م

آزادی نسیم مبادک! کہ ہر طسرت م
جوتھا، سومو ج رنگ کے دھوکے میں رہ گیا م
خوش ماں اُس حریف سیہ مست کا کہ جو م
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے، بہار م
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باد بہار سے م
سطوت سے تیرے جلوہ حسن غیور کی م
تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک م
دیوانگیاں کا چارہ فشر و بنا بہار ہے
ترگاں تک رسائی تختِ جگر کہاں؟
غالب، مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو م

ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دام ہوائے گل
اے دلے بانال لبِ ختمیں نواسے گل
رکھتا ہو، مثلِ سایہ گل، سرِ پائے گل
میرا رقیب ہے، نفسِ عطر ساسے گل
میناے بے شراب، و دلِ بے ہوائے گل
خوں ہے مری نگاہ میں، رنگِ ادلے گل
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل
ہے شاخِ گل میں، پنجرِ خواباں، بجائے گل
اے واسے اگر نگاہ نہ ہو آشتائے گل
جس کا خیال، ہے گلِ جیبِ قباے گل

● بعد از ۱۸۲۱ء

دل لگا کر، لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا م
ہیں زوالِ آمادہ، اجزا آفریش کے تمام م

بارے، اپنی سیکسی کی ہم نے پائی دادیاں
مہر گردوں، ہے چراغِ رگزارِ بادیاں

● بعد از ۱۸۲۱ء

اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نہ کہوں؟
نہیں کرنے کا، میں، تقریرِ ادب سے باہر
شکر سمجھو اسے، یا کوئی شکایت سمجھو
اپنے دل ہی سے، میں، احوالِ گرفتاریِ دل
دل کے ہاتھوں سے، کہ ہے دشمنِ جانی میرا

ہے حیا مانعِ اظہار، کہوں یا نہ کہوں؟
میں بھی ہوں محرمِ اسرار، کہوں یا نہ کہوں؟
اپنی، ہستی سے ہوں بیزار، کہوں یا نہ کہوں؟
جب نہ پاؤں کوئی غمِ خوار، کہوں یا نہ کہوں؟
ہوں اک آفت میں گرفتار، کہوں یا نہ کہوں؟

مذہبِ غزلِ دیوانِ نوبِ الہی بخش خاں معروف دہلوی متوفی ۱۸۲۶ء کے ایک محنت میں ملتی ہے۔

گوش ہیں در پس دیوار، کہوں یا نہ کہوں؟
حسب حال اپنے پھر اشعار، کہوں یا نہ کہوں؟

میں تو دیوانہ ہوں، اور ایک جہاں ہے غم نہ
آپ سے وہ مرا حوال نہ پوچھے، تو، اسد

● بعد از ۱۸۲۱ء

بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھ تک کیوں
اُس کے ہر ایک اشعار سے سکے ہے یہ ادا کیوں
آوے وہیاں، خدا کرے، پر نہ کرے خدا کہ یوں
سامنے آن بیٹھا اور یہ دیکھنا کہ یوں
اُسکی تو خاموشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں
سن کے کسم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
دیکھ کے میری بھجودی، چلتے لگی ہوا کہ یوں
آئندہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں
موج، محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

م غمنا شکستہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
م پرسش طرزِ دلبری کیجیے کیا؟ کہ بن سکے
م رات کے وقت ہے یہ، ساتھ رقیب کو لیے
م غیر سے رات کیا بنی؟ یہ جو کہا تو دیکھیے
م بزم میں اُس کے روبرو، کیوں نہ شوش بیٹھے؟
م میں نے کہا کہ ”بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی“
م مجھ سے کہا جو یار نے ”جاتے ہیں ہوش کس طرح؟“
م کب مجھے کوئے یار میں بہنے کی وضع یاد تھی؟
م گرتے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال
م جو یہ کہے کہ ”رختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی؟“

● بعد از ۱۸۲۱ء

وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں؟
ذوقِ نظارہ جمال کہاں؟
شورِ سودائے خط و خال کہاں؟
اب وہ رعنائی خیال کہاں؟
دل میں طاق، جگر میں حال کہاں؟
واں جو جاوین، گرہ میں مال کہاں؟
میں کہاں اور یہ وہاں کہاں؟

م وہ سراق اور وہ وصال کہاں؟
م فرصت کا روبرو شوق سکے؟
م دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا
م تھی وہ اک شخص کے تصور سے
م ایسا آساں نہیں ہو رہا
م ہم سے چھوٹا متاثر خانہ عشق
م فکر دنیا میں سرکھاتا ہوں

فلکِ مہند بے محاسب ہے اس ستمگر کو انفعال کہاں؟
 پوسے میں وہ مضائقہ نہ کرے پر مجھے طاقت سوال کہاں؟
 مضمحل ہو گئے قوتی، غائب م وہ غمِ سر میں اعتدال کہاں؟
 ● بعد از ۱۸۲۱ء

وارستہ اس سے ہے کہ محبت ہی کیوں نہ ہو م کیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا م ہے دل پہ بارِ نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ م ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
 پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں "ہر درد کی دوا" م یوں ہو، تو چارہ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
 ڈالا نہ بکسی نے کسی سے معاملہ م اپنے سے کھینچا ہوں، خالت ہی کیوں نہ ہو
 ہے آدمی، بجائے خود اک عشرِ خیال م ہم آئین سمجھتے ہیں، خلوت ہی کیوں نہ ہو
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے انفعال م حاصل نہ کیے دہرے بہت ہی کیوں نہ ہو
 وارستگی بہانہ و بیگانگی نہیں م اپنے سے کرنا نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو
 مٹا ہے فوتِ فرصتِ سستی کا غم کوئی م عمرِ عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
 اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں، اسد م اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

● بعد از ۱۸۲۱ء

ہے سبزہ زار، ہر در و دیوارِ نمکدہ م جس کی بہاریہ ہو، پھر اُس کی خزاں نہ پوچھ
 ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے م دشواری رہ و ستم ہمراہ نہ پوچھ

● بعد از ۱۸۲۱ء

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے م
 میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دکھاجائے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے م
آگینہ، تندی صہبا سے گھلا جائے ہے

غیر کو، یارب، وہ کیونکر منع گستاخی کرے؟ م
گر خیا بھی اُس کو آتی ہے، تو شرابا جاسے ہے

شوق کو یہ نکت کہ ہر دم نالہ کھینچے جیسے م
دل کی وہ حالت، کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشم بد تری بزم طرب سے! واہ، واہ! م
نغمہ ہوجاتا ہے، واں گر نالہ میرا جاسے ہے

گر چہ، طرزِ تغافل، پردہ دایہ رازِ عشق م
پر ہم ایسے کھوے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اُس کی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور پالا م
مثلِ نقشِ مدعاے غیر، بیٹھا جاسے ہے

ہو کے عاشق، وہ پری رُخ اور نازک بن گیا م
رنگ کھلتا جاسے ہے، جتنا کہ اڑتا جاسے ہے

نقش کو اُس کے، معذور پر بھی کیا کیا ناز ہیں! م
کھینچتا ہے جس قدر، اُسنا ہی کھینچتا جاسے ہے

سایہ میرا، مجھ سے، مثلِ دودا بھاگے ہے، استدام
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جانے ہے؟

● بعد از ۱۸۲۱ء

مگر فریاد کعبہ شکلِ بہانی نے مجھ م تب اماں ہجر میں دی بردِ لیلیٰ نے مجھ

رُفقیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم م لے لیا مجھ سے مری بہتِ عالی نے مجھ
کثرتِ آرائی و حدت ہے پرستاری و ہم م کر دیا کا فرانِ اصنام خیالی نے مجھ
بوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا م عجب آرام دیا بے پرواہی نے مجھ
زندگی میں بھی، رہا ذوقِ فنا کا سارا نشہ بخشا غضبِ اس ساعِ خیال نے مجھ
بکہ تھی فصلِ خزانِ چمنستانِ سخن رنگِ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھ
جلوہِ خورشید سے، فنا ہوتی ہے شبنم، غالب کھو دیا سطوتِ اسماءِ جلالی نے مجھ

● بعد از ۱۸۲۱ء

بھی نیکی بھی، اُس کے جی میں، گر آجائے ہے مجھ سے م
جفا میں کر کے اپنی یاد، شرما جائے ہے مجھ سے
خدا یا، جذبہٴ دل کی مگر تاثیر اکٹھی ہے؟ م
کہ جتنا کھینچتا ہوں، اور کھینچتا جاوے ہے مجھ سے
وہ بد نحو، اور میری داستانِ شوق طولانی م
عبارتِ محقر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
اُدھر وہ بدگمانی ہے، اُدھر یہ ناتوانی ہے م
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے
سنبھلنے دے مجھے، اے ناامیدی، کیا قیامت ہے م
کہ دامنِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
تکلفِ برطرف، نفقارگی میں بھی سہی، لیکن م
وہ دیکھا جائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے؟
ہوے ہیں پانویں پہلے، نبردِ عشق میں، زخمی م
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہووے مدّھی کا ہم سفر، غالب م
وہ کا فر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

● بعد از ۱۸۲۱ء

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر م مری قسمت میں دیووں تصویر ہے شہر ہے جہاں کی

● بعد از ۱۸۲۱ء

عشق مجھ کو نہیں، و غشت ہی سہی م م میری وحشت، تری شہرت ہی سہی
 قلع کیجے نہ تعلق ہم سے م م کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی؟ م م اے وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے م م غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
 اپنی ہستی ہی سے ہو، جو کچھ ہو م م آگہی گر نہیں، غفلت ہی سہی
 عمر، ہر چند کہ ہے برق حشرام م م دل کے غلوں کرنے کی فرصت ہی سہی
 ہم کوئی ترک و فنا کرتے ہیں م م نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی
 کچھ تو دے اے فلک تا انصاف م م آہ و منریاد کی رخصت ہی سہی
 ہم بھی تسلیم کی شو، ڈالیں گے م م بے نیازی، تری عادت ہی سہی
 یار سے چھیڑ چسلی جاے، اسد م م گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

● بعد از ۱۸۲۱ء

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے م م جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہے
 ہے کائنات کو حسرت تیرے ذوق سے م م پر تو سے، آفتاب کے آدرش میں جان ہے
 حال آن کہ ہے یہ سیلی خارا سے لاد رنگ م م غافل کو میرے شیشے پتے کا گمان ہے
 کی اس نے گرم، سیمٹ اہل ہوس میں، جا م م آوے نہ کیوں پسند کر ٹھنڈا مکان ہے
 کیا خوب باتم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا؟ م م بس چپ رہو، ہمارے بھی من میں زبان ہے

بیٹھا ہے جو کسائی دلواریا رسیں م فرماں رولے کشور ہندوستان ہے
استی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا م کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے
ہے بارے، اعتماد و فاداری اس قدر م غالب، ہم اس میں خوش ہیں کہ ناہربان ہے
دلی کے رہنے والو، اسد کو ستاؤ مت بیچارہ، چند روزہ کایاں میہمان ہے

● بعد از ۱۸۲۱ء

درد سے میرے ہے تجھ کو بقراری ہاے ہاے م کیا ہوئی، ظالم، تری غفلت شکاری ہاے ہاے!
تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ غم کا حوسلہ م تو نے پھر یوں کی تھی میری ننگساری ہاے ہاے!
کیوں مری غم خوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال؟ م دشمنی رہی تھی، میری دوستداری ہاے ہاے!
غم بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا؟ م عمر کو بھی تو نہیں ہے پایہ داری ہاے ہاے!
زہر لگتی ہے مجھے آب و ہولے زندگی م یعنی، تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہاے ہاے!
گل فشانی ہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا؟ م خاک پر ہوتی ہے تری لالکاری ہاے ہاے!
شرم رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں م ختم ہے الفت کی، تجھ پر پردہ داری ہاے ہاے!
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت، حل گئی م اٹھ گئی دنیا سے راہِ و رسمِ یاری ہاے ہاے!
ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا م دل پر اک، لگنے پناہ، زخمِ کاری ہاے ہاے!
کس طرح کاٹے کوئی شہمے تارِ برشکال؟ م ہے، نظر، خو کر دہ اختر شکاری ہاے ہاے!
گوشِ بھجورِ پیامِ و پشمِ عسروم جہاں م ایک دل، تس پر یہ نا امیدداری ہاے ہاے!
عشق نے پھرانے تھا، غالب، ابھی وحشت کا رنگ م رہ گیا تھا دلی جو کہ ذوقِ خواری ہاے ہاے!
گر مصیبت تھی، تو غربت میں اکٹھا لیتا، اسد میری دلی ہی ہیں ہوتی تھی یہ خواری ہاے ہاے

● بعد از ۱۸۲۱ء

جہا ہے اچھٹوں کو، جتنا چاہیے م یہ اگر چہا میں، تو پھر کیا چاہیے
دل تو ہو اچھا، نہیں ہے گردِ دماغ کچھ تو اسبابِ متن چاہیے
صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر م جاے نے اپنے کو کھینچا چاہیے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل؟ م یارے، اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایام گل م کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے، بیگانگی م منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غصیر کو م کس قدر دشمن ہے؛ دیکھا چاہیے
اپنی، رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی م یار ہی ہنس گامہ آرا چاہیے
منہ مرنے پہ ہو جس کی اُمید م نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے
غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے م چاہنے والا بھی اچھا چاہیے
چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد م آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

● بعد از ۱۸۲۱ء

پھر کچھ اک، دل کو بے قراری ہے م سینہ، جو یارے زخمِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن م آمدِ فضل لارِ کاری ہے
قتلہ مقصدِ نگاہِ نیاز م پھر وہی پردہ عکاسی ہے
چشم، دلالِ جنسی رسوائی م دل، حشرِ یارِ ذوقِ خواری ہے
و وہی صد رنگِ نالہ فرسائی م وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل، ہوائے خیرام ناز سے پھیر م عشتانِ بے قراری ہے
جلوہ، پھر عرصہ ناز کرتا ہے م روزِ بازارِ جالِ پاری ہے
پھر اُسی بے وفایا مرنے ہیں م پھر وہی زندگی ہماری ہے
پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز م گرم، بازارِ فوجدارِ ری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر م زلف کی پھر پرستہ داری ہے
پھر دیا پارہ حبسِ گرنے سوال م ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب م اشکِ باری کا حکم جاری ہے
دل و ہر گاہ کا جو مقدمہ تھا م آج پھر اُس کی رو بکاری ہے
بے خودی بے سبب نہیں، غالب م کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

● بعد از ۱۸۲۱ء

وہ، آ کے خواب میں، تسکینِ اضطراب تو دے م
کرے ہے قتل، نگاہوں میں تیسرا رو دینا م
دکھا کے جنبشِ لب ہی، تمام کر ہم کو م
پلا دے اوک سے ساقی، جو ہم سے نفرت ہے م
یہ کون کہوے ہے آباد کر ہمیں، تسکین م
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے م
وے بے تپش دل، مجالِ خواب تو دے م
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے م
نہ دے جو بوسہ، تو منہ سے کہیں خواب تو دے م
پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے، شراب تو دے م
کبھی زمانہ مرادِ دلِ خسراب تو دے م
کہا جو اس نے زرا میرے پاؤں کو دے م

● بعد از ۱۸۲۱ء

مدت ہوئی ہے، یار کو مہماں کیے ہوئے م
کرتا ہوں جمع، پھر، جگرِ لخت لخت کو م
پھر، وضعِ احتیاط سے ٹکے لگا ہے دم م
پھر، گرم، نالہ ہائے شرر بار ہے نفس م
پھر، کشتیِ جراحتِ دل کو چلا ہے دل م
پھر، بھر رہا ہوں غمامہ بزرگانِ بخونِ دل م
باہمدگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب م
دل، پھر، طوافِ کوئے ملامت کو جا ہے م
پھر شوق کر رہا ہے خسریدار کی طلب م
دوڑے ہے، پھر، ہر ایک گل و لالہ پر خیال م
پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا م
مانگے ہے، پھر، کسی کو لبِ یام پڑا ہو م
چاہے بے پھر کسی کو مقابل میں، آرزو م
جوشِ قدرت سے بزمِ چہرا غلا کیے ہوئے م
عرضہ ہوا ہے، دعوتِ بزرگان کیے ہوئے م
برسوں ہوئے ہیں چاک گریاں کیے ہوئے م
مدت ہوئی ہے سیرِ چہرا غلا کیے ہوئے م
سامانِ صد ہزار تنگداں کیے ہوئے م
سازِ چین طرازیِ داساں کیے ہوئے م
نظارہ و خیال کا ساں کیے ہوئے م
پسندار کا منم کدہ دیراں کیے ہوئے م
عرضِ مساعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے م
صد گلستاں نگاہ کا ساں کیے ہوئے م
جاں نذرِ دلفریبی عنوان کیے ہوئے م
زلفِ سیاہِ رخ پر پریشاں کیے ہوئے م
سرے سے تیز دشنہ بزرگان کیے ہوئے م

اک نو بہارِ ناز کو تاکا ہے، پھر، نگاہ م
پھر، جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں م
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن م
غالب! ہمیں نہ چھپر کہ پھر بوشِ اشک سے م
بہرہ، فروغِ مئے سے گلستاں کیے ہوئے
سر زبیرِ بارِ منتِ دریاں کیے ہوئے
بیٹھے رہیں تصویرِ جاناں کیے ہوئے
بیٹھے ہیں ہم تہیہٴ طوفاں کیے ہوئے

۶۱۸۲۶

عشق، تاثیر سے نومید نہیں م
سلطنتِ دستِ بدست آئی ہے م
بے جستی تری، سامانِ وجود م
رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے م
گردشِ رنگِ طرب سے ڈریے م
کہتے ہیں "جیتے ہیں امید پر لوگ" م
مئے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل
جانِ سپاری، شجرِ بید نہیں
جسامِ مئے، خستہ تم جتید نہیں
ذرہ، بے پروا تو خسرِ شید نہیں
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
غنیمتِ محرومی جاوید نہیں
ہم کو بھینے کی بھی اُمید نہیں
بادہ، غالب، عشقِ بید نہیں

۶۱۸۲۶

ہو گئی ہے، غیر کی شیریں بانی، کارگر م
عشق کا، اُس کو گماں، ہم بے زبانوں پر نہیں

۶۱۸۲۶

دیوانگی سے، دوش پہ نہ تار بھی نہیں م
دل کو نسیانِ حسرتِ دیدار کر چکے م
ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے م
بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے، اوریاں م
یعنی، ہمارے عجب میں اک تار بھی نہیں
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
طاقتِ بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے، سر و بالِ روش م صحرائیں اے خدا، کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائشِ عداوتِ اغیار یک طرف م یاں دل میں، صنف سے ہوں یار بھی نہیں
ڈرنا لہ ہائے زار سے میرے، خدا کو مان م آخر نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں
دل میں ہے، یار کی صفِ بزرگاں سے رُکشی م حال آنکہ طاقتِ خاشخار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے، اے خدا؟ م لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا م دیوانہ گر نہیں ہے، تو اُستیار بھی نہیں

۶۱۸۲۶ ●

مزرے جہان کے، اپنی نظر میں خاک نہیں م سوائے خونِ جگر، سوجھ گریں خاک نہیں
مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے م و گردِ تاب و تواں، بالِ دہریں خاک نہیں
یہ کس بہشتِ شمائل کی آمد آمد ہے؟ م کہ غیرِ جلوہ نگل، رہ گزر میں خاک نہیں
بھلا اُسے نہ سہی، کچھ مجھی کو جسم آتا م اثر، مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں
خیالِ جلوہ نگل سے خسراب ہیں میکش م شرا بنجانے کے دیوار و دہریں خاک نہیں
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ م سوائے حسرتِ تعمیر، گھر میں خاک نہیں
ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے، اسد م کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنرمیں خاک نہیں

۶۱۸۲۶ ●

بے اعتدالیوں سے، سبک سب میں ہم ہوئے م جتنے زیادہ ہو گئے، اتنے ہی کم ہوئے
پہناں تھا، دام، سختِ مستریبِ آشیانہ کے م اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
ہستی ہماری، اپنی فنا پر دلیل ہے م یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سستی کشانِ عشق کی، پوچھے ہے کیا خبر م وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
 تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ درہر میں م تیرے سوا بھی، ہم پر بہت سے ستم ہوئے
 کھتے رہے جنوں کی حکایاتِ نو نچکاں م ہر چند اُس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
 اللہ رے! تیری تنہی خواہ جس کے بیم سے م اجناے نالہ، دل میں ربِ رزقِ ہم ہوئے
 اہلِ ہوس کی فتح ہے، ترکِ نرِ عشق م جو پالو اٹھ گئے، وہی اُن کے غلم ہوئے
 نلے، عدم میں، چند ہمارے سپرد تھے م جو واں نہ کھینچ سکے، سو وہیاں آکے دم ہوئے
 چھوڑی، استدہ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی م سائل ہوئے، تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

۶۱۸۲۶

عجب نشاط سے مستاد کے، چلے ہیں ہم، آگے م
 کہ اپنے سارے سے، سر، پانوں سے ہے دو قدم آگے
 قضائے تھابھے چسا ہا خرابِ بادۃ الفت م
 فقط "خراب" لکھا، بس نہ چل سکا قلم آگے
 غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی سستی م
 وگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے
 خدا کے واسطے! داد اس جنونِ شوق کی دینا م
 کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے، ہم، آگے
 یہ، عمر بھر، جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے م
 ستھارے آئیو، اے طرہ ہائے خسمِ غم، آگے
 دل و جگر میں پُر افشاں جو ایک موجہ خوں ہے م
 ہم، اپنے زعم میں، سمجھ ہوئے تھے اس کو دم آگے
 قسم جہازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں، غالب م
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

۶۱۸۲۶

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی م
 اچھا ہے سر انگشت حسائی کا تصور م
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے؟ م
 اے بے خبراں! میرے لب زخم جگر پر م
 گو زندگی زاہد بے چارہ بحث ہے م
 مدحیف! وہ ناکام کہ اک عسیر سے، غالب م
 دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو م
 لکھ دیجو، یارب، اُسے قسمت میں عسیر کی
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بولہ ہو کی
 یاں تو کوئی سنا نہیں فسر یاد کسو کی
 بخیہ جسے کہتے ہو شکایت ہے رفو کی
 اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر و عسیر کی
 حسرت میں رہے، ایک بت عسیرہ جو کی
 جگر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

۶۱۸۲۶

فسر یاد کی کوئی کے نہیں ہے م
 کیوں بولتے ہیں باغبان توینے؟ م
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے م
 ہاں، کھائی موت فریب ہستی! م
 شادی سے گزرا کہ غم نہ رہوے م
 کیوں ردِ قدر کرے ہے زاہد؟ م
 انجام شمار عسیر نہ پوچھو
 جس دل میں کہ 'ما کئے' سما جائے
 اُستی ہے، نہ کچھ عدم ہے، غالب م
 تالا، پابند کے نہیں ہے
 گر باغ گداے سے نہیں ہے
 پر تجھ سی کوئی شے نہیں ہے
 ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے
 اُردی جو نہ ہو، تو دے نہیں ہے
 تجھے ہے، یہ گیس کی ہے نہیں ہے
 یہ صرف تا بکے نہیں ہے
 وال عزت تحت کے نہیں ہے
 آخر تو کیا ہے، آئے نہیں ہے

۶۱۸۲۶

نہ پوچھ نسخہ مرہم حیرتِ دل کا م کہ اُس میں ریزہ آلاس جزو اعظم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی م وہ اک نکتہ کر بظاہر نگاہ سے کم ہے

۱۸۲۶ء

رونے سے، اور عشق میں سب پاک ہو گئے م دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
صرف ہمارے نمے ہوئے، آلات میکشی م تھے یہ ہی دو حساب، سو یوں پاک ہو گئے
رسوائے دہر گو ہوئے، آوارگی سے، تم م بارے طبیعتوں کے تو پسا لاک ہو گئے
کتاب ہے کون نالہ بلسل کو بے اثر؟ م پردے میں گل کے، لاکھ جگر چاک ہو گئے
پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا؟ م آپ اپنی آگ کے خس و فاشاک ہو گئے
کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا، ہم بگد م کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
پوچھے ہے کیا معاش جگر تفتگان عشق م جوں شمع، آپ اپنی وہ خوراک ہو گئے
اس رنگ سے اٹھائی کل اُس نے اس کی نقش م دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

۱۸۲۶ء

ہوں میں بھی متا شائی نیزنگ متا م مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآ ہے

۱۸۲۶ء

کب وہ سہتا ہے کہانی میری م اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلش غمستہ خونریز نہ پوچھ م دیکھ خوننا بہ فشان میری
کیا بیاں کر کے راہیں گے یار؟ م مگر آشفستہ بیانی میری
ہوں ز خود رفتہ بیدائے خال م بھول جاتا ہے نشانی میری
مقابل ہے، مقابل میرا م رک گیا، دیکھ روانی میری
قدِ سنگِ سرِ رہ دکھتا ہوں م سخت اڑا لے، گرائی میری

گر د بادِ رہ بیتابی ہوں م م
دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا م
کر دیا ضعف نے عاجز، غالب م

۱۸۲۶ء

دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھ م
بن گیا تیغِ ننگہ یار کا ننگِ فساں م
کیوں نہ ہو بے اتقائی؟ اُس کی خاطر مجھ م
میرے غم خانے کی قیمت جب رقم ہونے لگی م
بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے! م
وایے! واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا م
وعدہ آنے کا وفا کیے، یہ کیا انداز ہے؟ م
ہاں، نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ واہ! م
دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی م

کر گئی وابستہ تن، میری عزائی مجھ م
مرحبا میں، کیا مبارک ہے گرا بخانی مجھ م
جانتا ہے محو پرستہاے پہنائی مجھ م
لکھ دیا مغلد اسبابِ ویرانی مجھ م
اس قدر ذوقِ نولے مرغِ بستانِ مجھ م
لے گیا تھا گور میں، ذوقِ تن آسانی مجھ م
تم نے کیوں سوچی ہے میرے گھر کی دہائی مجھ م
پھر ہوا ہے تازہ، سوداے غزا بخانی مجھ م
میرزا یوسف ہے، غالب، یوسف ثانی مجھ م



۱۸۲۷ء

تا

۱۸۲۸ء

نسخہ شیرانی

(کلام مندرجہ حواشی)

بعد از ۱۸۲۶ء

گل رعنا

۱۸۲۸ء



● بعد از ۱۸۲۶ء

ستائش گر ہے زہد اس قدر جس بارغِ رضواں کا م
 بیاں کیا کیجے، بیداد کا وِشہائے شرکاں کا؟ م
 نہ آئی سلطنتِ قاتل بھی مانعِ مسیرے نالوں کو م
 دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصتِ زمانے نے م
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ ترے جلوے نے م
 ری تعمیر میں مضمر ہے، اک صورتِ خرابی کی م
 اگاہ ہے گھر میں ہر سو سہزہ، ویرانیِ تماشاگر م
 نعوشی میں نہاں، نوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں م
 ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے م
 بغل میں غم کی، آج آپ سوتے ہیں کہیں، درنہ م
 نہیں معلوم، کس کس کا ہو پانی ہوا ہوگا! م
 نظر میں ہے ہساری، جادہ راہِ فنا غالب م

وہ اک گلہ مست ہے ہم بخودوں کے طاقِ لہیاں کا
 کہ ہر یک قطرہٴ نوں، دانہ ہے نسیمِ مرجاں کا
 لیا دانوں میں جو تنکا، ہوا ریشہٴ شہتیاں کا
 مرا ہر ادایِ دل، اک تخم ہے سروِ چہراغاں کا
 کرے جو، پر تو خورشید، عالمِ شہنشاں کا
 ہیوئی برقِ خرمین کا ہے انونِ گرم دہقاں کا
 مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے سحرِ درباں کا
 چہرا بزمِ مردہ ہوں، میں بے تیاں، انورِ غریباں کا
 دلِ افسردہ، گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا
 سبب کیا، خواب میں اگر، تبسمِ ہائے پتہاں کا؟
 قیامت ہے، سرشکِ آلودہ ہوتا تیری شرکاں کا
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزلے پریشاں کا

● بعد از ۱۸۲۶ء

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا؟ م
 بختِ اہلِ پیشگی سے مُذعا کیا؟ م
 نوازِ شش ہائے بے جا دیکھتا ہوں م
 نگاہِ بے محاسبِ امتیازوں م
 فردِ غ شعلہٴ خشن، یک نقش ہے م
 نفسِ موجِ محیطِ بے خودی ہے م
 دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے م

نہ ہو مرنا، تو جینے کا مستز کیا؟
 کہاں تک، اے سراپا ناز کیا کیا؟
 شکایتِ ہائے رنگیں کا گدہ کیا؟
 تعافِ ہائے تسکینِ آزما کیا؟
 ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا؟
 تعافِ ہائے ساقی کا گدہ کیا؟
 نسیمِ آوارگی ہائے صبا کیا؟

سُن "اے غارت گرِ جنسِ وفا، سُن م
دلِ ہر قطرہ، ہے سادہ "آنا و بھر" م
محسوس کیا ہے؟ میں ضامن، ادھر دیکھ م
کیا سس ہے جسگر دارلی کا دعویٰ؟ م
یہ، و تاتل، وعدہ صبر آزمایوں؟ م
بلایے جہاں ہے، غالب، انکی ہر بات م

شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا؟
ہم اس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا؟
شہیدانِ تنگ کاخوں بہا کیا؟
شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا؟
یہ، کافر، فتنہ طاعتِ رُبا کیا؟
عبادت کیا، اشارت کیا، ادا کیا؟

● بعد از ۱۸۲۶ء

آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں! م
ضعف سے، اے گریہ، کچھ باقی مرے تن میں نہیں م
ہو گئے ہیں جمع، اجزائے نگاہِ آفتاب م
کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم، اندیر ہے م
رواقِ ہستی ہے، عشقِ خانہ ویراں ساز سے م
زخمِ سلوانے سے، مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن م
بسکہ ہیں، اہم، اک بہارِ ناز کے مارے چلے م
قطرہ قطرہ، اک ہیو لی ہے نئے ناسور کا م
ہو فضا پر ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود م
رے گئی ساقی کی ٹھوٹ، قلزمِ آشی مری م
تھی وطن میں شان کیا، غالب اگر ہو غربت میں قد م

ہے گریہاں تنگ پیرا ہن جو رامن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا، جو خوں کے دامن میں نہیں
ڈرے، اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
پنبہ، نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
انجن بے شمع ہے، اگر برقِ خرمین میں نہیں
غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں
جلوہ گل کے سوا، گرد اپنے مدفن میں نہیں
خوں بھی، ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں
موجِ رے کی، آج، رگ، مینا کی گردن میں نہیں
بے تکلف ہوں وہ مُشتِ حس کہ گلشن میں نہیں

● بعد از ۱۸۲۶ء

ذکرِ میرا، بہ بدی بھی، اُسے منظور نہیں م
وعدہ سیرِ گستاہ ہے خوشا اطلاعِ شوق م
غایدِ ہستی مطلق کی کسر ہے، عالم م

غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
مژدہ قتلِ مقدس ہے، جو مذکور نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا، لیکن م
حسرت، اے ذوقِ خرابی، کروہ طاقِ نہری م
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں م
ظلم کر ظلم، اگر لطفِ دروغ آتا ہو م
پیٹھِ محراب کی قبیلے کی طرف رہتی ہے م
صاف دردی کششِ پیانہ بجم ہیں، ہم لوگ م
ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی، غالب م

ہم کو تقلیدِ تنگِ ظرفی منظور نہیں م
عشق پر غریبہ کی گوں، اتن رنجور نہیں م
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں م
تو لغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں م
محورِ نسبت ہیں، تنگ ہمیں منظور نہیں م
وے اوہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں م
میرے دعوے پر یہ محبت ہے کہ مشہور نہیں م

● بعد از ۱۸۲۶ء

نالہ جز حسنِ طلب، اے ستمِ ایباد نہیں م
عشق و مزدوریِ عشرت کہ خسرو، کیا خوب! م
کم نہیں وہ بھی خسرابی میں، پے وسعت معلوم م
اہلِ پیش کو ہے، طوقانِ حوادث، مکتب م
وے محسرومی تسلیم، و بدا، حالِ وفا م
رنگِ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے؟ م
تبدیل کے تے بند کرے ہے گلچیں م
نفی سے کرتی ہے، اثبات، تراوش، گویا م
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوپے سے بہشت م
کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت، غالب م

ہے تقاضائے جفا، شکوہِ بیداد نہیں م
ہم کو تسلیم، نکو نامیِ فسرِ باد نہیں م
دشت میں ہے مجھ وہ علیش کہ گھریاد نہیں م
لعلِ موج، کم از سیلیِ استاد نہیں م
جانتا ہے کہ ہمیں طاقِ فریاد نہیں م
گر چہ سراغانِ سرورِ بگزیرِ یاد نہیں م
مردہ، اے مرغ، کہ گھزار میں صیاد نہیں م
دی ہے جائے دہن، اس کو دمِ ایاد نہیں م
یہی نقشہ ہے، وے اس قدر آباد نہیں م
تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں م

● بعد از ۱۸۲۶ء

واں پنچ کر، جو غش آتا ہے ہم کو م
دل کو میں اور مجھے دلِ محو و فار کھتا ہے م

مردہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو م
کس قدر ذوقِ گر قاری ہم ہے ہم کو م

ضعف سے، نقشِ پے مور، ہے طوقِ گردن م
جان کر کیے تغافل، کہ کچھ اُسید بھی ہو م
ریشکِ ہم طرچی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں م
سر ہڑانے کے اجو، وعدے کو مکر۔ چاہا م
دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ، و مین ناچار م
ہم وہ نازک کہ خوشی کو نغماں کہتے ہو م
لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا، یعنی م
مقطعِ سلسلہ شوق نہیں ہے، پیشہر م
لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع، غائب م
ابرِ رونا ہے کہ بزمِ طربِ آسادہ کرد م
طاقتِ ریغِ سفر بھی نہیں پاتے اتنی م
لائی ہے معتدِ آلودہ بہادر کی اُمید

● بعد از ۱۸۲۶ء

ظلمتِ کدے میں میرا شبِ غم کا جوش ہے م
ہو کر شہیدِ عشق میں، پائے ہزارِ جسم م
نے مژدہ وصال، نہ نظارہ جمال م
نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب م
گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھتا م
دیدارِ بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہِ مست م
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل م
دیکھو مجھے، ہو دیدہِ عبرتِ نگاہِ ہو م
ساتی ہو جلوہ، دشمنِ ایمان و آگاہی م
شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط م

اک شمع ہے دیلِ سحر، سو خوش ہے م
ہر موجِ گردِ راہ، مرے سر کو دوش ہے م
مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے م
اے شوقِ ہاں، اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے م
کیا اوج پرستارہ گوہرِ فسادِ شہ ہے م
بزمِ خیال، میکرہ بے خردِ شہ ہے م
زہن را اگر تمہیں ہوسِ نائے نوش ہے م
میری سنو، جو گوشِ نصیحتِ زبوش ہے م
مطرب بہ نغمہ، رہزنِ تسکینِ دہوش ہے م
دامانِ باغبان و کفِ گلِ فسادِ شہ ہے م

لطفِ حرامِ ساقی، و ذوقِ صدائے چنگ م
 یا صیّدم جو دیکھیے آکر، تو بزم میں م
 داغِ منسراقِ محبتِ شب کی جھلسی ہوئی م
 آتے ہیں غیب سے، یہ مضامینِ اخیال میں م
 یہ جنتِ بچہ، وہ منردوں بگوش ہے
 نے وہ سرور و مسور، زبوش و خروش ہے
 اک شمع رہ گئی ہے، سو وہ بھی فوش ہے
 غالب، صریحِ خامہ، نوائے سرودش ہے

۶۱۸۲۸

سارنگی پر اس کی، مر جانے کی حسرتِ دلیدہ ہے م
 دیکھنا تقریر کی لذت، کہ جو اس نے کہا م
 گرچہ ہے کس کس برائی سے، ولے با این ہمہ م
 بس، جو ہم نا اسیدی، خاک میں مل جائے گی م
 رنج رہ کیوں کھینچے؟ و اما ندگی کو عشق ہے! م
 جلوہ زارِ آتشِ روزخ، ہمارا دل سہی م
 ہے دلِ شوریدہ غالبِ ہلسم پیچ و تاب م
 بس نہیں چلتا کہ پھر خیر کفِ قاتل میں ہے
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس غفل میں ہے
 یہ جواک لذت ہماری سعی بے حال میں ہے
 اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 فتنہ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے؟
 رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱۸۲۸ء تا ۱۸۳۳ء

مُتَفَرِّق

نسخہء رام پور

(اَوَّلے
قَدیم)

۱۸۳۳ء

۶۱۸۲۸

قطرہ

و منہ میں گو ہوئی دوسرا تہ ہے ذوالفقار ایک
ایک پیش کا جانشین، درد کا یادگار ایک
شعر کے فن کے واسطے، مایہ اعتبار ایک
لطف و کرم کے باب میں، زینت روزگار ایک
ریتختے کے قماش کو، پودے ایک، تار ایک
عرصہ قلیل و قال میں، خسرو نامدار ایک
حیکدہ وفاق میں، بادہ بے خسار ایک
کشتہ ذوق شعر کو، شمع سرسبز ایک
ایک تحت چار یار، عاشق ہشت و چار ایک
فرق ستیزہ مست کو، ابرہہ گرگ بار ایک
کر کے دل و زبان کو، غالب خاکسار، ایک

دیکھنے میں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں بیک
ہم سخن و ہم زباں، حضرت قاسم و طہاں
نقد سخن کے واسطے، ایک عیار آگہی
ایک و فساد مہر میں، تازگی بساط دہر
گل کردہ تلاش کو، ایک ہے رنگ ایک بو
مملکت کمال میں، ایک امیر نامور
گمشد اتفاق میں، ایک بہار بے خزاں
زندہ شوق شعر کو، ایک چراغ اطمین
دونوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پر فدا
جان و فاپرست کو، ایک شمسیم نوبہار
لایا ہے، کہہ کے یہ غزل، شائبہ ریاسے دور

قطرہ

۴

۶۱۸۲۹

زیب دیتا ہے، اُسے جس قدر اچھا کہیے
ناطقہ، سر بہ گریاں کہ اُسے کیا کہیے
حریر بازوئے شگرفان خود آرا کہیے
دایغ طرفِ جگر عاشق شیدا کہیے

ہے جو صاحب کے کعبہ دست پہ یہ چکنی ڈلی
خامد، انگشت بدنداں، کہ اُسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی کہیے
مستی آلودہ سرا انگشت حیناں کہیے

(۱) یہ غزل قیام کلکتہ کے زمانے (فروری ۱۸۲۸ تا ستمبر ۱۸۲۹) میں کہی گئی تھی۔

(۲) یہ قطعوں کا قیام کلکتہ کے زمانے میں کیا گیا تھا۔ (اس غزل اور قطعے کا سال فکر معض قیامی ہے، دونوں کلام ایک ہی سال یعنی ۱۸۲۸ تا ۱۸۲۹ کے فکر کردہ ہو سکتے ہیں)۔

سرِ پستان پر یزاد سے مانا کیسے
خسالتِ مشکینِ رخ و بخش لیدا کیسے
نافہ، آہوے بیابانِ خشتن کا کیسے
رنگ میں، سبزہ نوخیز مسیحا کیسے
میکدے میں، اُسے خشتِ خمِ مہبہ کیسے
کیوں اسے نقطہ پر کارِ قضا کیسے؟
کیوں اسے مزدِ مکِ دیدہ عفتا کیسے؟
کیوں اسے نقشِ پے ناقہ سلما کیسے؟
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیسے!

حاتم دستِ سیماں کے مشابہ لکھیے
اخترِ سوختہ قیاس سے نسبت دیجیے
خبرِ الاسودِ دیوارِ حرم کیجیے فرض
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قابِ تریاق
صوبے میں، اسے ٹھہرائیے گرمِ ہر تسانہ
کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ نعمت کیسے؟
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیسے؟
کیوں اسے تھمہ پیراہنِ لیلیٰ کیسے؟
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض

● ۱۸۳۳ء قطعہ

م

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہاے ہاے!
وہ ناز میں بتان خود آرا کہ ہاے ہاے!
طاقت رہا وہ اُن کا اشارا کہ ہاے ہاے!
وہ بادہ ہاے نابِ گوارا کہ ہاے ہاے!

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین!
وہ سبزہ زار ہاے مٹا کر ہے غضب!
صبر آزا وہ اُن کی نگاہیں کُھن نظر!
وہ میوہ ہاے تازہ شیریں کہ واہ واہ!

● ۱۸۳۳ء غزلیات

مُند گیش، کھوتے ہی کھوتے، آنکھیں، غالب م یار لائے مری بالیں پہ اُسے، پر کس وقت!

● ۱۸۳۳ء

لو، ہم مرینِ عشق کے بیسار، دار ہیں م اچھا اگر نہ ہو، تو مسیحا کا کیا علاج

۶۱۸۳۳

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر؟ م
آنش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے م
کیا آبرو سے عشق، جہاں عام ہو جفا؟ م
آتا ہے میرے قتل کو، پر جوش رشک سے م
ثابت ہو لہے گردن مینا پہ خونِ خلق م
وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ م
بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے گھاٹ م
زناں باندھ، سجدہ صد دانہ توڑ ڈال م
ان آبلوں سے پانو کے گہرا گیا تھا میں م
کیا بد گماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے م
گرتی تھی ہم پہ برقِ تجسلی، نہ طور پر م
سر پھوڑ ناوہ، غالب شوریدہ حال کا م

جلتا ہوں، اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
سرگرم نالہ ہاے شرربار دیکھ کر
حرکتا ہوں، تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
مرتا ہوں، اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
لرزے ہے موجِ تری رفتار دیکھ کر
ہم کو حسد میں لذتِ آزار دیکھ کر
سیکن عیارِ طبعِ خسریاں دیکھ کر
رہرو چلے ہیں، راہ کو ہموار دیکھ کر
جی خوش ہوا ہے، راہ کو پرغبار دیکھ کر
طوطی کا عکس سمجھ ہے، زنگار دیکھ کر
دیتے ہیں بادہ افربِ قدحِ خوار دیکھ کر
یاد آ گیا مجھے، تری دیوار دیکھ کر

۶۱۸۳۳

مجھ کو دیارِ غمیر میں مارا، وطن سے دور م
وہ حلقہ ہاے زلف کہیں میں ہیں، اے خدا م

رکھ لی مرے خدا نے مری سیکسی کی شرم
رکھ لیجو میرے دعویٰ دار سستی کی شرم

۶۱۸۳۳

اس قدر ضبط کہاں ہے کبھی ابھی نہ سکوں
لگ گئی آگ اگر گھر کو، تو اندیشہ کیا
تم نہ آؤ گے، تو مرنے کی ہیں سو تدبیریں
بس کے بلوائے، مٹ جلتا سب دل کا گھر

ستم اتنا تو نہ کیجے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
شعلہ دل تو نہیں ہے کہ بجھا بھی نہ سکوں
موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں
کیا تصور ہے تمہارا کہ مٹا بھی نہ سکوں

ہر باں ہو کے بٹا لو مجھ، چاہوں وقت م میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر ابھی نہ سکوں
منع میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے؟ م بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو، شکر، ورنہ م کیا قسم ہے ترسے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

● ۶۱۸۳۳ ●

یہ ہم جو بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں م کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
وہ آٹے گھر میں ہمارے اخلا کی قدرت ہے م کبھی ہم ان کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر گئے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو م یہ لوگ کیوں مرے زخم بگڑ کو دیکھتے ہیں
ترے جو اہر طرف گلہ کو کیا دیکھیں ؟ م ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

● ۶۱۸۳۳ ●

واں اُس کو ہول دل ہے، تو یاں میں ہوں شرار م یعنی یہ مسیری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
اپنے کو دیکھتا نہیں، زوقِ ستم تو دیکھ م آئینہ تاکہ دیدہِ مخمیر سے نہ ہو

● ۶۱۸۳۳ ●

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو م ہم سخن کوئی نہ ہو، اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے درو دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے م کوئی ہم سایہ نہ ہو، اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گریہ، تو کوئی نہ ہو سیمار دار م اور اگر مر جائیے، تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

● ۶۱۸۳۳ ●

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا م وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

پیش میں گزرتے ہیں جو کوچے سے اوہ امیرے م
کنہ صبا بھی کہاروں کو بدلتے نہیں دیتے

اُگ رہا ہے درو دیوار سے سبز، غالب م
ہم بیاہاں میں ہیں، اور گھر میں بہار آئی ہے!

دل سے تری نگاہ، جگر تک اتر گئی م
مشت ہو گیا ہے سینہ، خوشا! لذت فراغ م
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں؟ م
اُڑتی پھرے ہے، خاک مری، کوئے یار میں م
دیکھو تو، دھنریبی اندازِ گفتش پا م
ہر بواہو کس نے حسن پرستی شاعر کی م
نظا رس نے بھی کام کیا واں نقاب کا م
فراد و دی کا تفسر و یکبار مٹ گیا م
مارا زمانے نے، اسد اللہ خاں، تمہیں م

دونوں کو اک ادا میں رضا مندر گئی م
بھیف پر وہ داری زحیم جگر گئی م
رٹھے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی م
یارے اب، اے ہوا، ہوس بال و پر گئی م
موج خسرا م یار بھی کیا گل کتر گئی م
اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی م
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی م
کل تم گئے کہ ہم پتیامت گزر گئی م
وہ ولولے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی؟ م

جس بزم میں تو ناز سے گفتا رہی آوے م . جاں، کالبد صورتِ دیوار میں آوے

سائے کی طرح ساتھ پھری، سرد و صبور م
تب نازِ گراں، مایگیِ اشک بجائے م
وے مجھ کو شکایت کی اجازت، اگر سنگ م
اُس چشمِ فسون گر کا، اگر پائے، اشارہ م
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب م
مرجاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تنہا نک م
غارت گر ناموس نہ ہو، گر، ہوسِ زر م
تب چاکِ گریباں کا مزل ہے، دلِ تالاں م
آتشِ کدہ ہے سینہ مرا، رازِ نہال سے م
گنبدِ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے م

تو اس قدر دکھش سے جو گلزار میں آوے
جب محبت بگر، دیدہ خونبار میں آوے
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
اک آبدِ پاواری پر خسار میں آوے
آغوشِ خمِ حلقہ ز ناز میں آوے
کیوں شاید گلِ باغ سے بازار میں آوے
جب اک نفس اُبھا ہوا ہر خار میں آوے
اے وائے! اگر معرضِ اظہار میں آوے
جو لفظ کر، غالب، مرے اشعار میں آوے

رباعیات

۱ ۶۱۸۳۳ ●

آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال م
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی م

ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
لڑکوں کے لیے کیا ہے کیا کھیل نکال

۲ ۶۱۸۳۳ ●

دل، سخت نثرِ ند ہو گیا ہے، گویا م
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں م

اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے، گویا
غالب، مند بند ہو گیا ہے، گویا

دکھ، جی کے پسند ہو گیا ہے، غالب م دل، رُک رُک کر، بند ہو گیا ہے، غالب
واللہ، کُشب کو نیند آتی ہی نہیں! سونا، سو گند ہو گیا ہے، غالب

۱۸۳۲ء تا ۱۸۴۷ء

مُتَفَرِّق

۱۸۳۶ء

انتخابِ غالب

۱۸۳۸ء

نسخہٴ بدایونی

۱۸۴۱ء

پہلا مطبوعہ ایڈیشن

۱۸۴۵ء

نسخہٴ دینہ

۱۸۴۵ء

نسخہٴ کریم الدین (کراچی)

۱۸۴۷ء

دوسرا مطبوعہ ایڈیشن

غزلیات ۶۱۸۳۵

اور تو رکھنے کو ہم دہریں کیا رکھتے تھے
اس کا یہ حساں کہ کوئی نہ ادا سسج سلا
فقط اک شعر میں انداز رسا رکھتے تھے
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ اُٹھا رکھتے تھے
زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب م
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خد رکھتے تھے

۶۱۸۳۸

دھوتا ہوں جب میں، پیئے کو، اُس سہم بن کے پانو م
دی سادگ سے جان، پڑوں کو گھٹن کے پانو م
بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ م
مرہم کی جستجو میں پھر اہوں جو دور دور م
اللہ رے! ذوقِ دشت نور دی کہ بعدِ مرگ م
سہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف م
بچارہ کتنی دور سے آیا ہے، شیخ جی
شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں؟ م
غالب، مرے کلام میں کیوں کر مسزا نہ ہو؟ م
رکھتا ہے، خد سے کھینچ کے، باہر گھٹن کے پانو
ہمیاں! کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرِ زند کے پانو
ہو کر اسیر، دلتے ہیں رائزن کے پانو
تن سے سوا فکار ہیں اس مستہ تن کے پانو
ہلتے ہیں خود بخود مرے، اندر کھن کے پانو
اڑتے ہوئے اُٹھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو
کعبے میں، کیوں دبائیں نہ ہم برہن کے پانو
دکھتے ہیں، آج، اُس بتِ نازک بدن کے پانو
پتیا ہوں دھوکے خسرو شیر کا سخن کے پانو

قطرہ

بعد از ۶۱۸۳۸

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی! جانے دوا بجاؤ م
کیا کرتے تھے تم تقریر، ہم خاموش رہتے تھے
قسم لو ہم سے، اگر یہ بھی کہیں نہ کیوں ہم نہ کہتے تھے؟

(۱) گلشن بے غار مولانا آفرین ۱۳۵۰ء (اپریل ۱۹۳۵ء) میں مرقیہ شعر (مقطع) پایا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے اوپر کے
دو شعر بھی اسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں شعر قطرہ بند ہیں۔

غزلیات

● بعد از ۶۱۸۳۸

تاہم کوشکایت کی بھی باقی نہ رہے جسا م سن لیتے ہیں، گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالب، ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو م وہ سن کے بکالیں، یہ اجارا نہیں کرتے

● بعد از ۶۱۸۳۸

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے م مرتے ہیں، مگر ان کی تمنا نہیں کرتے
در پردہ انہیں غیسر سے ہے ربط نہانی م ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے
یہ باعثِ نویدی اربابِ ہو کس ہے م غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

● بعد از ۶۱۸۳۸

لاغز آنا ہوں کہ گر تو بزم میں جادے مجھے م میرا ذمہ، دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
کیا تعجب ہے، جو اُس کو دیکھ کر آجائے رحم؟ م وال تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے
منہ نہ دکھلاوے، نہ دکھلا، پر بہ اندازِ عتاب م کھول کر پردہ، ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہیں م رلف گر بن جاؤں، تو شانے میں الجھا دے مجھے

رباعیات

● بعد از ۶۱۸۳۸

(۱)

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جہاں نے دال
یہ شاہ پسند دال، بے بحث و جدال
ہے لطف و عنایتِ شہشاہ پہ دال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

● ۶۱۸۴۱

(۲)

میں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں، ساقی و عالی باہم
آثارِ جلالی و جلالی باہم
ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم

قطعہ

● ۶۱۸۴۷

نہ پوچھ اس کی حقیقتِ حضورِ والا نے
نہ کھاتے گیہوں، نکلتے نہ خُسلد سے باہر
مجھے جو بھیجی ہے مین کی روغنی روٹی
جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسی روٹی

● ۶۱۸۴۷ غزلیات

نویں اس ہے، بیدارِ دوستِ اجاں کے لیے
بلا سے اگر مژدہ یارِ تشنہ خوں ہے
وہ زندہ ہم ہیں کہیں رُوشناسِ خلق، انے حشر
رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک
رای نہ، طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونِ فشاں کے لیے
نہ تم کہ چور بنے عمرِ حیا و داں کے لیے
بلائے جاں ہے ادا تیری، اک جہاں کے لیے
فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے، کہ میں ہی نہیں۔ م
دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر م
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے م
ہ قدرِ شوق نہیں، ظُرفِ تگناے غزل م
دیباہے خالق کو بھی، تا اسے نظر نہ گئے م
زباں پہ یارِ خدا یا، یہ کس کا نام آیا؟ م
نصیرِ دولت و دیں، اور مبینِ ملت و ملک م
زمانہ، عہد میں اس کے، ہے محوِ آرایش م
ورقِ متام ہوا، اور مدحِ باقی ہے م
ادائے خاص سے، غالب ہوا ہے نکتہ سرا م

کرے قفس میں فراہمِ خسِ سببیاں کے لیے
اکٹھا اور اٹھ کے قدم، میں نے پاباں کے لیے
کچھ اور چاہیے وسعت، مرے بیاں کے لیے
بنا ہے عیشِ بختِ حسینِ خاں کے لیے
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے
بنا ہے چرخِ بریں، جس کے آستان کے لیے
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے
سفینہ چاہیے، اس بحرِ سیکراں کے لیے
صلائے عام ہے، یارانِ نکتہ داں کے لیے

۶۱۸۴۷

جس دن سے کہ ہم غمزدہ زنجیرِ بپا ہیں . کپڑوں میں جویں بچے کے ٹانگوں سے ہوا ہیں

۶۱۸۴۷

کی وفا ہم سے، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں م
آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر ان سے م
اگھے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو م
دل میں آجائے ہے، ہوتی ہے جو فرصتِ شش سے م
ہے پرے سرحدِ ادراک سے، اپنا مسجود م
پائے افکار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے م
اک شررِ دل میں ہے، اُس سے کوئی گہرائے گما کیا؟ م

ہوتی آئی ہے کہ اچھٹوں کو بُرا کہتے ہیں
کہنے جلتے تو ہیں، پر دیکھیے کیا کہتے ہیں
جوئے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
اور پھر کون سے نالے کو زسا کہتے ہیں
قبیلے کو، اہلِ نظر، قبلہ نشا کہتے ہیں
خارِ رہ کو ترے، ہم مہرِ گنیا کہتے ہیں
آگِ مطلوب ہے ہم کو، جو ہوا کہتے ہیں

دیکھیے، لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ م اُس کی ہر بات پر ہم "نارِ خدا" کہتے ہیں
وشت و شیفۃ اب مرثیہ کہوں شاید م "مرگیا غالب آشفستہ نوا" کہتے ہیں

۶۱۸۴۷

ہم پر، جفا سے، ترک و وفا کا گھاں نہیں م اک چھیل رہے، وگرنہ سُرِاد امتحاں نہیں
کس مُنہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا؟ م پُرکشش ہے، اور پائے سخن درمیاں نہیں
ہم کو ستم عزیز، استغفر کو ہم عزیز م نامہریاں نہیں ہے، اگر مہرباں نہیں
بوسہ نہیں، نہ دیجیے، دشنام ہی سہی م آخر زباں تو رکھتے ہو تم، مگر دہاں نہیں
ہر چند جاں گدازی تہسرو عتاب ہے م ہر چند لپٹ گرمی تاب و تواں نہیں
جاں، مطربِ ترائے "ہَلْ مَہْنُ مَہْرِیْدِیْن" ہے م لب، پردہ پنج زمزمہ "اَلَا مَہْلا" نہیں
بختر سے چیر سینہ، اگر دل نہ ہو دو نیم م دل میں بھری چھو، بڑھ کر خوشچکاں نہیں
ہے تنگ سینہ، دل اگر آتش کدہ ہو م ہے عابد دل، نفس اگر آذر فشاں نہیں
نقصاں نہیں، جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب م شوگر زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
کہتے ہو "کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں؟" م گویا ہیں پہ سجدہ بت کا نشاں نہیں
پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی م روح القدس اگر چہ مرا ہم زباں نہیں
جاں ہے بہا سے بوسہ، ولے کیوں کہے (بھلا؟) م غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

۶۱۸۴۷

ملتی ہے محوے یار سے، نار، اہتاب میں م کافر ہوں، گرنہ مسلتی ہو راحت عذاب میں
کب سے ہوں، کیا بتاؤں، جہانِ خراب میں؟ م شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں مگر حساب میں
تا پھر نہ، انتظار میں، نیند آئے مگر بھر م آنے کا عہد کر گئے، آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے، خط اک اور لکھ رکھوں م میں جانتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں
مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟ م ساقی نے کچھ بلانا دیا ہو شراب میں

جو شکر وفا ہو، فریب اُس پہ کیا پڑے؟ م
میں مضرب ہوں، وصل میں خوفِ رقیب سے م
میں اور حفظ وصل، خدا ساز بات ہے م
ہے تیوری چسڑھی ہوئی اندر نقاب کے م
لاکھوں جھاؤ، ایک چسڑا ناگاہ کا م
وہ نالہ، دل میں خس کی برابر جگہ نہ پاسے م
وہ بھر، مدعا طلبی میں نہ کام آئے! م
غائب چھٹی شراب، پیراب بھی کبھی کبھی م

کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس تیغ و تاب میں
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
لاکھوں بناؤ، ایک بھڑنا نقاب میں
جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں
جس بحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں
پتیا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہ تاب میں

۶۱۸۴۷

کل کے لیے، کر آج نہ نہت شراب میں م
ہیں آج کیوں ذلیل؟ کر کل تک نہ تھی پسند م
جاں کیوں نکلتے گنتی ہے تن سے دم سہا؟ م
رو میں ہے رخسِ عمر، کہاں، دیکھیے، ستھنے م
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے م
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے م
ہے مثلِ نمودِ صورتِ پر وجودِ بحس م
شرم اک اداسے ناز ہے، اپنے ہی سے سہی م
آرائشِ جال سے ونا رخ نہیں ہنوز م
ہے غیبِ غیب، جس کو سیکھتے ہیں ہم شہود م
غائب، ندیمِ دوست سے آتی ہے بوسے دوست م

یہ، سو و ظن ہے رسائی کو شر کے باب میں
گستاخی فرشتہ، ہساری جناب میں
گر وہ صدا سمانی ہے چنگ درباب میں
نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پاسے رکاب میں
جتنا کہ وہم غیر سے ہوں تیغ و تاب میں
میراں ہوں، پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و خباب میں
ہیں کتنے بے جواب کہ یوں ہیں مجاب میں
پیشِ نظر ہے آئینہ، دائم، نقاب میں
ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں
مشغولِ حق ہوں، بندگی یو تراب میں



۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۲ء

متفرق

نسخہ لاہور

۱۸۵۲ء



قطعہ ۴

● بعد از ۱۸۴۷ء

اسد جہاندار کرم شیوہ بے شبہ و عدیل
فرق سے تیرے کرنے کسب سعادت، اکیل
تیری رفتارِ قتلِ جنبشِ بالِ چریل
تجھ سے، دنیا میں کچھ مائدہ بدلِ غلیل
بکرم، ادراغِ نہ ناصیہ تسلیم و نیل
تا ترے ہمدم میں ہو رنج و الم کی تھلیل
زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا حقوئل
تیری جنبش، مرے انجامِ مقاصد کی کفیل
تیرا اندازِ لغافل، مرے مرنے کی دلیل
چرخ کجہا زنے ناکا کہ کرے مجھ کو ذلیل
پہلے ٹھوٹی ہے بنِ ناخن تدبیر میں کیل
کششِ دم نہیں بے ضابطہ جبرِ ثقیل
علم گیتی سے امر اسینہ، کسر کی زنبیل
کھک میری، رقم آموزِ عبارتِ ثقیل
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش، تھقیل
جمع ہوتی مری خاطر، تو نہ کمر تا بقیل
کعبہ امن و اماں، عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

اے شہنشاہِ فلک منظر بے مثل و نظیر
پانو سے تیرے سے فرقِ ارادت، اونگ
تیرا اندازِ سخن، شانہ زلفِ الہام
تجھ سے، عالم پہ کھلا رابطہ قربِ کلیم
بہ سخن، اوجِ وہ مرتبہ معنی و لفظ
تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی تو فریق
ماہ نے چھوڑ دیا ٹور سے جھانا باہر
تیری دانش، مری اصلاحِ مفاسد کی رہین
تیرا اقبالِ ترجم، مرے جینے کی نوید
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
پہلے ڈالی ہے اسیرِ رشتہ اوقات میں اگانج
تمپشِ دل نہیں بے رابطہ خوفِ عظیم
دورِ معنی سے، مرا صفو، لقا کی داڑھی
مھر میری، گھر اندوزِ اشاراتِ کثیر
میرے ابھام پہ ہوتی ہے تصدیق، توضیح
نیک ہوتی مری حالت، تو نہ دیتا تکلیف
قبر کون و مکاں، حسرتِ نوازی میں یہ دید

غزلیات

بعد از ۱۸۴۷ء

میں اور بزم سے یوں تشنہ کام آؤں! مگر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہو تھا
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھوٹے پڑے ہیں م وہ دن گئے کہ اپنا، دل سے، جگر عید تھا
درماندگی میں، غالب، کچھ بن پڑے، تو جانوں م جب پرشتہ بے گروہ تھا، ناخن گروہ کش تھا

بعد از ۱۸۴۷ء

گھر ہمارا، جو نہ روتے بھی تو، ویراں ہوتا م جس گھر عجز ہوتا، تو بیاباں ہوتا
شنگی دل کا جھک کیا؟ یہ وہ کافر دل ہے م کہ اگر تنگ نہ ہوتا، تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمر وزع، بار تو دیتا، بارے م کاش! رفقا ہی دہریہ کا دریاں ہوتا

بعد از ۱۸۴۷ء

ہوئی تاخیر، تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا م آپ آتے تھے، مگر کوئی جہاں گیر بھی تھا
تم سے بچا ہے، مجھے اپنی تب ہی کا جملہ م اُس میں کچھ شائبہ، مغربی تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو، تو پتا بستلادوں م کبھی فتراک میں تیرے کوئی خمیر بھی تھا
قید میں ہے، ترے وحشی کو، وہی زلف کی یاد م ہاں، کچھ اک رخ گر انباری زنجیر بھی تھا

عہد عرشى صاحب دیوان غالب طبع دوم مرتبہ عرشى ص ۱۳۶) لکھتے ہیں کہ غالب کی زندگی میں چھپے ہوئے دیوان غالب کے دوسرے ایڈیشن، مملوکہ رتھا، ہیری راپور کے آخری سطور اور اقبال میرزا صاحب کا وہ کلام نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے اس دیوان کی اشاعت کے بعد کہا تھا۔ اتفاق سے میرے غالب مکتب میں بھی غالب کی زندگی میں چھپے ہوئے دوسرے ایڈیشن کا نسخہ موجود ہے اور ان کے آخر میں بھی تقریباً وہ سا کلام کسی ہندو شخص کے قلم سے درج ہے جس کی تائید میرزا صاحب نے کیا ہے۔ اس نسخے میں کچھ کلام غلط ہے جسے بھی نشان کر لیا ہے۔ اس لیے کلام کو ۱۸۴۷ء کے بعد چند ہی سالوں کے دوران میں کہا جاتا ہے۔ اس نسخے میں جو کلام بعد از ۱۸۴۷ء کے عنوان سے درج ہے وہ یہی کلام ہے۔

علی اک کو ند گئی آنکھوں کے آگے، تو کیا؟ م
 یوسف اُس کو کہوں، اور کچھ نہ کہے، پھر ہوئی م
 دیکھ کر غم کو، ہو کیوں نہ، کلیجہ ٹھنڈا؟ م
 پیشے میں عیب نہیں، رکھیے نہ فساد کو نام م
 ہم تھے مرنے کو کھڑے، پاس نہ آیا، نہ سہی م
 پڑے جلتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق م
 ریت کے تمھیں استاد نہیں ہو، غالب م

● بعد از ۱۸۴۷ء

ذکر اُس پری دوش کا، اور پھر بیاں اپنا م
 تے وہ کیوں بہت چیتے بزمِ غیر میں، یارب م
 منظر اک بلند پر اور ہم بسا سکتے م
 وہ جس قدر ذلت ہم منسی میں ٹالینگے م
 درد دل نکھوں کب تک؟ جاؤں، آنکھوں دکھلاؤں م
 گھستے گھستے مٹ جاتا، آپ نے عبت بدلا م
 تاکرے نہ غمازی، کر لیا ہے دشمن کو م
 ہم کہاں کے دانا تھے؟ کس ہنر میں کیٹا تھے؟ م

● بعد از ۱۸۴۷ء

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا م
 ترے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان بھوٹ جانا م
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عجب لہذا م
 کوئی میرے دل سے پوچھے، ترے تیر نیم کش کو م

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بے ہیں دوست ناصح؟ م کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی ٹمگر رہتا
رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھکتا م جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا
غم اگر چہ جاں گسل ہے، یہ کہاں بھی؟ کہ دل ہے م غم عشق گزرتا ہوتا، غم رہ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے؟ شب غم بڑی بلا ہے م مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا
ہوے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا م نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں سترار ہوتا
اے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ بیکتا م جو دروئی کی بو بھی ہوتی، تو کہیں دوچار ہوتا
یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان، غالب! م تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بارہ خوار ہوتا

● بعد از ۱۸۴۷ء

نہ تھا کچھ، تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا م ڈبویا مجھ کو ہونے لے تھا ہوا میں، تو کیا ہوتا؟
ہو جب غم سے یوں بے حس، تو غم کیا سر کے کٹے کا؟ م دھوتا اگر جلاتن سے، تو زالو پر دھرا ہوتا
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا، پر یاد آتا ہے م وہ ہر یک بات پر کہنا کہ "یوں ہوتا، تو کیا ہوتا؟"

● بعد از ۱۸۴۷ء

گھر جب بنا لیا ترے در پر، کہے بغیر م جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر؟
کہتے ہیں، جب رہی نہ مجھے طاقت سخن م جالوں کسی کے دل کی میں کیونکر، کہے بغیر؟
کام اُس سے آہٹا ہے کہ جس کا جہاں میں م لیوے نہ کوئی نام سستگر کے بغیر
جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے، وگرنہ ہم م سر جاعے یا لہے انہ راں پر کے بغیر
چھوڑو نگا میں نہ اُس بت کافر کا پوجتا م چھوڑے نہ خلق، گوا مجھے کافر کے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ، وے گشتگو میں کام م چلتا نہیں ہے، دشمن، و بغیر کے بغیر
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی سختنگو م بتی نہیں ہے، بارہ و ساغر کے بغیر
بہرا ہوں میں، تو چاہیے دونا ہوائتفات م سنا نہیں ہوں بات، مسکر کے بغیر
غالب، نہ کہ حضور میں تو بار بار عرض م ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر

● بعد از ۱۸۴۷ء

تم جانو، تم کو غمیر سے جو رسم و راہ ہو م
 بیچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے م
 کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ثنائیں؟ م
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے، ایک تار م
 جب میکہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید م
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست م
 غالب بھی گرہو، تو کچھ ایسا ضرر نہیں م
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو، تو کیا گناہ ہو
 قاتل اگر رقیب ہے، تو تم گواہ ہو
 مانا کہ تم بشر نہیں خسر شد و ماہ ہو
 مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
 لیکن خدا کرے، وہ ترا مبلوہ صفا ہو
 دنیا ہو، یارب، اور مرا بادشاہ ہو

● بعد از ۱۸۴۷ء

لنکس کو ہم نہ روئیں، جو ذوقِ نظر ملے م
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دین، بعدِ قتل م
 ساقی گری کی شرم کرو آج، ورنہ ہم م
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں، لیکن، انے ندیم م
 تم کو بھی ہم دکھائیں گے مجنوں نے کیا کیا م
 لازم نہیں کہ حضرت کی ہم پیروی کریں م
 اے ساکنانِ کوچہ دلدار، دیکھنا م
 حورانِ غلامیں تری صورت، مگر، ملے
 میرے پتے سے غلق کو کیوں ترا گھر ملے؟
 ہر شب پیما ہی کرتے ہیں فے جس قدر ملے
 میرا سلام کہیو، اگر نامہ بر ملے
 فرصت، کشاکشِ غم پنہاں سے گرا، ملے
 جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے
 تم کو کہیں جو غالب آشفہ سر ملے

● بعد از ۱۸۴۷ء

کوئی دن گھر زندگانی اور ہے م
 آتشِ دوزخ میں یہ گری کہاں! م
 بارہا دیکھا ہیں اُن کی رہنمائی م
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 سونہ غم ہاے ہسانی اور ہے
 ہر کچھ اب کے سر گرائی اور ہے

دے کے خطا، منہ دیکھتا ہے نامبر م کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
مناطجِ اعمسار ہیں، اکثر نجوم م وہ بلاے آسمانی اور ہے
ہو چکیں، غائب، بلائیں سب تمام م ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

● بعد از ۱۸۴۷ء

کوئی اُمید بر نہیں آتی م کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن مُتَعِن ہے م نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی احوالِ دل، پُرسی م اب کسی بات پر نہیں آتی
جاننا ہوں ثوابِ طاعت و زہد م پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات ہو چُپ ہوں م ورنہ، کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چیخوں؟ کہ یاد کرتے ہیں م مسیری آواز اگر، نہیں آتی
داغِ دل گر نظر نہیں آتا م تو بھی، اے چارہ گراں نہیں آتی
ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی م کچھ ہساری غم نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی م موت آتی ہے، پر نہیں آتی
کتے کس منہ سے جاو گے، غالب؟ م شوم تم کو مگر نہیں آتی

● بعد از ۱۸۴۷ء

دلِ ناداں، تجھے ہوا کیا ہے؟ م آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق، اور وہ بزار م یا الہی! یہ مساجرا کیا ہے؟
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں م کاش! پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
جب کہ تجھ پر نہیں، کوئی موجود م پھر یہ ہنگامہ، اے خدا کیا ہے؟
یہ پری پھرہ لوگ کیسے ہیں؟ م غمزدہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
فلکن زلفِ عنبریں کیوں ہے؟ م بجز چشمِ سُرمد سا کیا ہے؟

بسبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ م ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟
ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید م جو نہیں جانتے، وفا کیا ہے؟
”ہاں، بھلا کر، ترا بھلا ہو گا!“ م اور درویش کی صدا کیا ہے؟
جان تم پر نثار کرتا ہوں م میں نہیں جانتا، دعا کیا ہے؟
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب م مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

● بعد از ۱۸۴۷ء

صنِ را گرچہ یہ ہنگام کمال، اچھا ہے م اس سے میرا مگر شدید جمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ م جی میں کہتے ہیں کہ ”مفت آگ تو مال اچھا ہے“
اور بازار سے لے آئے، اگر ٹوٹ گیا م ساغر جم سے مرا جامِ سفال، اچھا ہے
بے طلب دیں، تو نرا اس میں سوا ملتا ہے م وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونقِ منتہ پر م وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دیکھیے، پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض! م اک برہمن نے کہا ہے کہ ”یہ سال اچھا ہے“
ہم سخن، تیشے نے فریاد کو شیر پر سے کیا م جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے!
تقرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جیل م کام اچھا ہے وہ جس کا کہ سال اچھا ہے
خضر سلطان کو رکھے، خالقِ اکبر، سربسز م شاہ کے باغ میں، یہ تازہ نہال اچھا ہے
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت، لیکن م دل کے خوش رکھنے کو، غالب یہ خیال اچھا ہے

● بعد از ۱۸۴۷ء

شکوے کے نام سے اب ہر، خفا ہوتا ہے م یہ بھی مت کہہ، کہ جو کہیے، تو گلہ ہوتا ہے
پتہ بڑوں میں اشکوے سے یوں لاراگ سے سبھیے با جام
اک ذرا چھیریدے، پھر دیکھیے، کس ہوتا ہے

گو سہتا نہیں اپر حسنِ سلاخی دیکھو م
 شکوہ بخور سے، سرگرم جفا ہوتا ہے
 عشق کی راہ میں، ہے چرخِ مشکوب کی وہ حال م
 سست نہ وجہیے کوئی آبدِ پا ہوتا ہے
 کیوں نہ ٹھہری ہدفِ تارکِ بیداد؟ کہ ہم م
 آپ اٹھا لاتے ہیں، گرتیہر خطا ہوتا ہے
 خوب تھا، پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ م
 کہ بھلا چاہتے ہیں، اور بُرا ہوتا ہے
 الہ جاتا تھا پرے عسروش سے میرا، اور اب م
 لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے
 خامِ مسیرا کہ وہ ہے بارِ بدِ بزمِ سخن م
 شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
 اے شہنشاہِ کواکب سپرِ ہرِ عسلم م
 تیریے اکرام کا حق کس سے ادا ہو سکے
 سات اقلیم کا حاصل جو فتراہم کیجے م
 تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
 ہر پہننے میں جو یہ بد سے ہوتا ہے ہلال م
 آستان پر ترے، نہ، ناصیسا ہوتا ہے
 میں جو گستاخ ہوں، آئینِ غزلِ خوانی میں م
 یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوقِ فترا ہوتا ہے

رکھیو غالب، مجھے اس تلخ نوائی میں مُعاف م
 آج کچھ دردِ مرے دل میں بسوا ہوتا ہے

بعد از ۱۸۷۷ء

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے؟" م
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ، نہ برق میں یہ ادا م
 مزہ تو جب ہے کہ اے آہ نارسا، ہم سے م
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے م
 چمک رہا ہے بدن پر ہو سے، پیرا ہن م
 جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہو گا م
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل م
 وہ جبین جس کے لیے ہم کو ہو بہشت خیز م
 پیوں شراب، اگر خم بھی دیکھ لوں دوچار م
 رہی نہ طاقت گفتار، اور اگر ہو بھی م
 ہوا ہے سہ کا مصاحب پھر ہے اتراتا م

تمتیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے؟
 وہ خود کہے کہ "بتا سیری آرزو کیا ہے؟"
 وگر نہ خوف بد آموزی عس و کیا ہے؟
 ہمارے جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے؟
 کر دیتے ہو جواب را کہ، جستجو کیا ہے؟
 جب آنکھ ہی سے نہ چمکا تو پھر ہو کیا ہے؟
 سوائے بادہ کلف ہم مشک بو کیا ہے؟
 پیشہ و قدح و کوزہ و سببو کیا ہے؟
 تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے؟
 وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

بعد از ۱۸۷۷ء

ابن مریم ہوا کرے کوئی م
 شرع و آئین پر مدار سہی م
 چال جیسے کڑی کمان کا تیر م
 بات پر واں زبان کشتی ہے م
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ م
 نہ سُنو، گر بُرا کہے کوئی م
 روک لو، گر غلط چلے کوئی م
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند؟ م
 کیا کیا خضر نے سکندر سے! م

میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی؟
 دل میں ایسے کرے، جا کرے کوئی
 وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی
 کچھ نہ سمجھ، خدا کرے کوئی
 نہ کہو، گر بُرا کرے کوئی
 بخش دو، گر خطا کرے کوئی
 کس کی حاجت روا کرے کوئی؟
 اب کیسے رہنا کرے کوئی؟

جب توقع ہی اٹھ گئی، غالب م کیوں کسی کا بگلا کرے کوئی؟

● بعد از ۱۸۴۷ء

اس بزم میں مجھے نہیں بیتی حیا کیے م بیٹھا رہا، اگرچہ اشارے ہوا کیے
دل ہی تو ہے سیاست دریاں سے ڈر گیا م میں، اور جباؤں در سے ترے پہ صدا کیے
رکھتا پھروں ہوں بخر قد و سجاوہ رہن م مدت ہوئی ہے، دعوتِ آب و ہوا کیے
بے فربہ ای گزرتی ہے، ہو گرچہ عمر مختصر م حضرت بھی کل کہیں گے کہ "ہم کیا کیا کیے؟"
مقدور ہو، تو خاک سے پوچھوں کہ "اے لئیم م تو نے وہ گہناے گرا منایہ کیا کیے؟"
کس روز، اہمیتیں نہ تراشا کیے عدو؟ م کس دن ہمارے سر پر آ رہا چلا کیے
صحبت میں غصہ کی نہ پڑی ہو، کہیں بے خو م دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے
ضد کی ہے اور بات، مگر غو بری نہیں م بھولے سے اُس نے سیکڑوں وعدہ کیا کیے
غالب، تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا؟ م لانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

● بعد از ۱۸۴۷ء

میں اُنھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں! م چپل بکتے، جوئے پیے ہوتے
ہتسہ ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو م کاشکے! تم مرے لیے ہوتے
میری قسمت میں غم، گرا اتنا تھا م دل بھی یا رب، کئی دیے ہوتے
آہی جاتا وہ راہ پر، غالب م کوئی دن اور بھی جیسے ہوتے

قطعو

● ۱۸۴۹ء

مشرودہ! اے روبروانِ رام سخن پایہ سنجان دستگاہِ سخن ط
علا منقول انتہار (اصول الاخبار) ج ۱ - ۱۸۴۹ء - انتہار غالب کے شاگرد غلام بخش خاں کے نام سے چھپا تھا۔

مٹے کر دِ رام شوق زودا زور
پاس ہے اب، سوارِ اعظمِ بشر
سب کو اس کا سوارِ ارزانی
یہ تو دیکھو کہ کیا نظر آیا
ہاں، یہی شاہراہِ دہلی ہے
منطیع ہو رہی ہے پنج آہنگ
ہے یہ وہ گشتِ ہمیشہ بہار
نہیں اس کا جواب، عالم میں
اس سے اندازِ شوکتِ سریر
زخبا! طرزِ نغزِ گفتاری
شیرِ مدحتِ سراے ابراہیم
اس کے ففتروں میں کون آتا ہے؟
تین نشروں سے کام کیا نکلتا؟
ورزشِ قصہ کہن کب تک؟
تا بجا درسِ شریاے کہن؟
تھے ظہوری و عسکری و طالب
نہ ظہوری ہے اور نہ طالب ہے
قولِ حافظ کا ہے بجا، اے دوست
کل وہ سرگرم خود نمائی تھے
آج یہ قدرِ دانی معنی ہے
نشر اس کی ہے کارنامہ راز
دیکھو اس دفترِ معانی کو
اس سے جو کوئی بہرہ ور ہوگا
ہو سخن کی جسے طلب گاری
آج جو دیدہ ور کرے درخواست

آن پہنچی ہے منزلِ مقصود
دیکھیے، چیل کے، نظمِ عالمِ بشر
چشمِ بنشس ہو جس سے نورانی
جلوہِ مدعا نظر آیا
منطیع بادشاہِ دہلی ہے
گل و رعینان و لالہ رنگا رنگ
بارِ نورِ جس کا سروِ گل بے خار
نہیں ایسی کتاب، عالم میں
اخذ کرتا ہے آسمان کا دیر
حشدِ ابرسم و راہِ نشاری
ہے مقدرِ جو، اب، اپنے تعلیم
کیا کہیں، کیا وہ راگ گاتا ہے
اُن کے پڑھنے سے نام کیا نکلتا؟
داستانِ شیرِ دکن کب تک؟
تازہ کرتا ہے دل کو اتارہ سخن
اپنے اپنے زمانے میں غالب
اسد اللہ خان غالب ہے
”ہر کرا پنج روزہ نوبتِ اوست“
شمعِ بزمِ سخنِ سرانی تھے
بادشاہِ جہانِ معنی ہے
نظم اس کی، نگارِ نامہ راز
دیکھو آئینِ نکستہ دانی کو
سینہ گنجینہ گہر ہوگا
کرے اس نسخے کی خریداری
تین بیچے، پئے، وہ بے کم و کاست

منطبع جبکہ ہو چکے گی کتاب
چسار سے، پھر نہ ہوگی کم قیمت
حس کو منظور ہو کہ زر نیچے
وہ بہار ریاض ہمسرو وفا
میں جو ہوں درپے حصول شرف
ہے، القصہ، حاصل تسریر
چشمہ انطباع جاری ہے

ذریعہ قیمت کا ہوگا اور حساب
اس سے لیویں گے، کم، نہ ہم قیمت
حسن الخصال کے گھر بھیجے
حس کو کہتے ہیں عمدۃ المحکمات
نام عاصی کہے غلام بخت
کہ یہ ارسال زر میں ہوتا خیر
ابتداءے ورق شماری ہے

غریبات

۶۱۸۴۹

حیراں ہوں، دل کو روڑوں کے ٹیڑوں جگر کوئیں م
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نالوں م
جانا پڑا رقیب کے در پر، سزار بار م
ہے کیا جو کس کے باندھے، یہی بلا ڈرے م
لو، وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ و نام ہے م
چلتا ہوں حقوڑی دور ہر اک تیز نو کے ساتھ م
خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا سترار م
پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوے یا م
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا م
غالب، خدا کرے کہ سوار سمت نہ ناز م

مقدور ہو تو اساتذہ رکھوں نوہ گر کو میں
ہر یک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
اے کاش! جانتا نہ ترے وہ گزر کو میں
کیا جانتا نہیں ہو مختاری کمر کو میں
جانتا اگر تو کٹا تانہ گھر کو میں
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں
کیا پوچھتا ہوں اُس بُت بیدار گر کو میں
جانا، وگرنہ، ایک دن اپنی خبر کو میں
سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کو میں
دیکھوں علی بہادر عسائی گھر کو میں

۶۱۸۵۰

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں م
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

یہ نواب علی بہادر والی پانڈہ، اگست ۱۸۴۹ء میں حاکم پانڈہ ہوئے۔

کیوں گردشِ مدام سے گہرا نہ جاے دل؟ م انسان ہوں، پیارا و سناغز نہیں ہوں میں
یارب، زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟ م کوچ جہاں پر حریفِ مکر نہ نہیں ہوں میں
حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے م آخر گناہ گار ہوں، کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے عسزیز نہیں جانتے مجھے؟ م لعل و زمر و زرد و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟ م رستے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منہ قد سبوس کس لیے؟ م کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
غالب، وظیفہ تھوار ہو، دوستاہ کو دسا م وہ دن گئے بوجہ کہتے تھے لو کہ نہیں ہوں میں

رباعیات

● ۱۸۵۰ ع

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری جن لوگوں کو ہے مجھ کو راغنی اور دہری
دہری کیوں کر ہو، جو کہ ہو وے صوفی؟ شیعہ کیوں کر ہو، ساویرا لٹھیری؟

● ۱۸۵۰ ع

اصحاب کو جو کہ ناسزا کہتے ہیں سمجھیں تو زرا دل میں کہ کیا کہتے ہیں
سمجھا تھا نبیؐ نے اُن کو اپنا جدم ہے اب نہ کہو، کسے بُرا کہتے ہیں

● ۱۸۵۰ ع

یارانِ رسول، یعنی اصحابِ کبار ہیں گرچہ بہت اخیلِ اُن میں ہیں پیار

ع۔ غالب ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو ہار شاہ کے ہاتھ ملایم ہوئے تھے۔

م۔ پانچویں رباعیاں سید الانبار دہلوی، جلد ۸، صفحہ ۲۸-۱۶ نومبر ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھیں۔

ان چار میں ایک سے جو جس کو انکار
غائب، وہ مسلمان نہیں ہے زہار

۱۸۵۰ ع

یارانِ نبی میں تھی لڑائی کس میں؟
وہ صدق، وہ عدل، وہ حیا (اور) وہ علم
العت کی نہ تھی حیلوہ نہائی کس میں؟
بتلاؤ کوئی کہ تھی برائی کس میں؟

۱۸۵۰ ع

یارانِ نبی سے رکھ تو لا، باللہ
وہ دوست نبی کے اور تم ان کے دشمن
ہر ایک ہے کمالِ دین میں یکتا باللہ
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ

غزلیات

۱۸۵۱ ع

مستور تھی یہ شکلِ بختی کو، نور کی م
اک نگوں چکاں کفن میں کڑوڑوں بناو میں م
واعظ، نہ تم پیو، نہ کسی کو پلا سکو م
لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل، کہ کیوں اٹھا؟ م
آمد بہار کی ہے، جو بے سیل ہے نغمہ سنج م
گو وال نہیں، پے وال کے نکالے ہوئے تو ہیں م
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب؟ م
گری سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر م
غائب، اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لے جائیں م
قسمت کھلی، ترے قدورخ سے ظہور کی
پڑتی ہے آنکھ، تیرے شہیدوں پر، انور کی
کیا بات ہے تمھاری شرابِ ظہور کی
گویا، ابھی سُنی نہیں آوازِ منور کی
اڑتی سی اک غمبیر ہے، زبانی کلیور کی
کچھ سے، اُن بتوں کو بھی، نسبت ہے دور کی
آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
کی جس سے بات، اُٹھنے شکایتِ مزور کی
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

ڈاکٹر صاحب اور ریڈیو سے ملنے پر پوچھا کہ بادشاہِ یار اور زمینی سے تیار ہے، اور حج کے لیے کو مستقر جانے کا

ارادہ رکھتا ہے۔ غائب اس موقع پر غائب لے یہ غزل بھی تھا "آئنا غائب اور بیا محرمِ مسجد"

۱۸۵۱ء

کہتے تو ہو تم سب کربتِ فانیہ سو آئے م
 بولیں کشمکشِ نزع میں، ہاں، جذبِ محبت م
 ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم م
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نیکیرین م
 جلاد سے ڈرتے ہیں، نہ واعظ سے جھگڑتے م
 ہاں اہلِ طلب، کون سنے طعنے نایافت؟ م
 اپنا وہ نہیں شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں م
 کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں، تقصیر م
 اس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے، غالب! م

یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ "وہ آئے" م
 کچھ کہہ نہ سکوں، پھر وہ مرے پوچھنے کو آئے م
 آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے م
 ہاں، منہ سے مگر بادہٴ دوشیز کی ہوئے م
 ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس مجلس میں جو آئے م
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے م
 اُس در پہ نہیں بار، تو کیسے ہی کو ہو آئے م
 اچھے رہے آپ اُس سے، مگر مجھ کو ڈبو آئے م
 ہم بھی گئے واں، اور تری تقدیر کو رہا آئے م

قصیدہ

۱۸۵۲ء

ہاں، مہرِ نوا سنیں ہم اس کا نام
 دودن آیا ہے تو فکرِ دم صبح
 بارے، دودن کہاں رہا غائب؟
 اڑ کے جاتا کہاں؟ کہ تاروں کا
 مہرِ بجا اے سرورِ خاصِ خواص
 عذر میں، تین دن نہ آنے کے
 اس کو بعد لا نہ چسا ہیے کہنا

جس کو تو، جھٹک کے، کر رہا ہے سلام
 یہی انداز اور یہی المام
 بندہ عاجز ہے، گردشِ آیام
 آسمان نے پکار کھا تھا دام
 خیزا اے نشاطِ عامِ عوام
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 صبح چڑھاوے اور آوے شام

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے؟
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہٴ مہوش
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
ہمسرتا یاں کو ہو تو ہو، اے ماہ
مجھ کو کیا پایہٴ روشناسی کا؟
بھانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو
ماہِ بن، ماہِ تاب بن، میں کون؟
میرا اپنا حُسنِ معاملہ ہے
ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص
جو کہ بخشے گا مجھ کو فُتورِ فروغ
جب کہ چورہ مستازلِ فلکی
تیرے پیر تو سے ہوں فروغ پذیر
دیکھنا میرے ہاتھ میں لہریز
پھر غزل کی روشنی پہ چپل نکلا
زمینِ علم کر چکا تھا میرا کام
فے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں
بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے
کہتے ہیں جا، بے سائیں گے ناقوس
اُس قدر کا ہے، دورِ مجھ کو نقد
بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
چھیڑتا ہوں کہ، اُن کو غصہ آئے
کہ چکا میں تو سب کچھ، اب تو کہ
کون ہے؟ جس کے در پہ نامِ سیسا

تیسرا آغسانہ اور تہِ انجم
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں کُتھا؟
ایک ہی ہے اُمیدِ گاہِ اُتام
غالبِ جس کا، مگر نہیں ہے غلام؟
تب کہا ہے طسرتِ انتقام
قُربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام
جز بہ وقتِ عیدِ عیدِ ماہِ صیام
پھر بنا چسا ہوتا ہے ساہِ تمام
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو الفاہ؟
اور کے لین دین سے کیا کام؟
گر تجھے ہے اُمیدِ رحمتِ عام
کیا نہ دے گا مجھ سے گفام
ق کر سکے قطعِ تیری تیزیِ گام
کوئے و مشکوئے و صمن و منظر و بام
اپنی صورت کا، اک بکوریِ عام
تو من طبعِ چابتِ عفا لگام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
غم سے جب ہو گئی ہو زلیتِ حرام
کہ سمجھیں وہ لذتِ دشتِ نام
اب تو ہاں مدھسا ہے در میں احرام
چرخ نے لی ہے، جس سے گردشِ وام
دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
کیوں رکھوں، ورنہ، غالبِ اپنا نام؟
اے پری چہرہٴ پیکِ تیزِ خرام
میں مہ و مہسرو زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا، تو مجھ سے سن
متبدل چشم و دل، بہادر شاہ
شہ سوار طریقہ انصاف
حس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
نرم میں، سبزبانِ قیصر و جم
اے ترا لطف زندگی افزا
چشم بد دور! خسروانہ شکوہ
جاں نثاروں میں تیرے، قیصرِ روم
وارث ملک جانتے ہیں تجھے
زور بازو میں مانتے ہیں تجھے
مسر حبا! موٹنگانی ناوک
تیر کو تیرے، تیر غیر ہدف
رعد کا، کر رہی ہے کیا، دم بند
تیرے فیل گراں جسد کی صدا
فنِ صورت گری میں، تیرا گرز
اُس کے مقرب کے سرو تن سے
جب ازل میں رقمِ پزیر ہوئے
اور ان اوراق میں پہلکِ قصا
لکھ دیا شاہدوں کو "عاشق کش"
اسماں کو کہا گیا کہ کہیں
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں:
آتش و آب و باد و عسک نے لی
پہرہ رخشاں کا نام "خسرو روز"
تیرے توفیقِ سلطنت کو بھی
کاتبِ حکم نے، بموجب حکم
ہے ازل سے روئی آغاز

نام شاہنشاہِ بلند مقام
منظہر ذوا محبتِ والا کرام
نوبہارِ حدیقہ اسلام
حس کا ہر قول، معنیِ الہام
رزم میں، اوستا درستم و سام
اے ترا عہدِ شہ غی و شہ جام
قو حشش اللہ اعزاز کلام
حبرِ خواروں میں تیرے، پرشد جام
ایرج و نور و خسرو و بہرام
گیو و گوردز و بیستون و بہام
ق آفریں! آب داری مصفا
تیغ کو تیری، تیغِ خصم، نیام
ق برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے رخسِ شگ عنان کا خرام
ق گر نہ رکھتا ہو دستِ گاہِ تمام
کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام؟
صفحہ ہائے لیلیٰ و ایام
تجملہ مستدرج ہوئے احکام
لکھ دیا عاشقوں کو "دشمن کام"
"گنبد تیز گردِ نیلی نام"
خال کو "دانہ" اور زلف کو "دام"
وضعِ سوز و غم و آرام
مساحہ تاباں کا اسم "شعنہ شام"
دی بدستور، صورتِ ارقام
اُس رقم کو دیا طبرازِ دوام
ہو اب تک رسائی انجام

قصیدہ

۱۸۵۲ء م

جُتھدم ، دروازہ خساور کھلا
خسروِ انجم کے ، آیا ، صوف میں
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
ہیں کو اکب کچھ ، نظر آتے ہیں کچھ
سطح گردوں پر پڑا تھا ، رات کو
صبح آیا ، جانبِ مشرق ، نظر
تھی نظر بندی ، کیا جب رتوِ خسرو
لا کے ، ساقی نے عبوحی کے لیے
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
تاجِ زرئی ، ہمسرتا ہاں سے سوا
شاہِ روشن دل ، بہادر رشہ کہے
وہ کہ جس کی صورتِ نکوین میں
وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے
پہلے دارا کا ، نکل آیا ہے ، نام
روشناسوں کی جہاں فہرست ہے
نوسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
نقشِ پاکی صورتیں وہ دلفریب
مجھ پہ ، خفیضِ تربیت سے شاہ کے
لاکھ عقدے دل میں تھے ، لیکن ہر ایک
تھا ، دل وابستہ ، قفلِ بے کلید
باغِ مہنی کی ، دکھادوں گا بہار

بہسرِ عالم تاب کا منظر کھلا
شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
صبح کو ، رازِ مہ و اختر کھلا
دیتے ہیں دھوکا ، یہ بازی گرا کھلا
موتیوں کا ، ہر طرف ، زیور کھلا
اک نگارِ آتشیں رخ ، سر کھلا
بادہ گلرنگ کا ساغر کھلا
رکھ دیا ہے ایک جہاں نہ کھلا
کعبہ اسن و اماں کا در کھلا
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا
رازِ ہستی اس پر سہا سر کھلا
مقصدِ حیرت و ہفت اختر کھلا
عقدہ احکامِ پیغمبر کھلا
اُس کے سر ہنگوں کا جب دفتر کھلا
واں لکھا ہے ، چہرہ قیمر کھلا
تھان سے وہ غیرتِ سرور کھلا
تو کہ ، بتِ خزانہ آذر کھلا
منصبِ بہر و مہ و عہد کھلا
میری خستہ و سوسے باہر کھلا
کس نے کہولا ؟ کب کھلا ؟ کیونکر کھلا ؟
مجھ سے ، گر ، شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہاں گرم غمِ غزل خوانی، نفس
 گنج میں میٹھا رہوں، یوں پر کھلا غزل
 ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جاسے؟
 ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
 دائمی، دل پر عبلا لگتا تھا داغ
 ہاتھ سے رکھ دی، کب ابرو نے کہاں؟
 مفت کا کس کو میرا ہے، بد رقتہ
 سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک؟
 نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ
 دیکھو، غالب سے گر اُلجھا کوئی
 پھر ہوا مدحت طسرازی کا خیال
 خلع سے پائی، طبیعت نے، مدد
 مدح سے، ممدوح کی دیکھی شکوہ
 ہمسر کا نپا، سپرِ خچر کھا گیا
 بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب
 سکندر شاہ کا، ہوا ہے، روشناس
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ
 ملک کے وارث کو دیکھا، خلق نے
 ہو سکے کیا مدح، ہاں، اک نام ہے
 فنکار اچھی، پر ستائشِ ناتمام
 جساتا ہوں، ہے خطِ لوحِ ازل
 تم کرو صاحبِ قسراں، جب تک

لوگ جہاں نہیں طلبہٴ عنبر کھلا
 کاش کے! ہوتا قفس کا در کھلا
 یار کا دروازہ پاویں، گر، کھلا
 دوست کا ہے، راز دشمن پر کھلا
 زخم، لیکن، داغ سے بہتر کھلا
 کب کمر سے غم سے غم کی خیر کھلا
 رہبری میں، پردہ رہبر کھلا
 آگ بھڑکی، مہنہ اگر دم بھر کھلا
 رہ گیا، خط سیری چھاتی پر، کھلا
 ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا
 پھر، مددِ غمِ رشید کا دفتر کھلا
 بادشاہ بھی، اٹھتے ہی لشکر، کھلا
 یاں، غرض سے، رتبہ جو ہر کھلا
 بادشاہ کا رایتِ لشکر کھلا
 اب، غلو پاؤں منبر کھلا؟
 اب، عیاد آبرو سے زر کھلا
 اب، مسالِ سعی اسکندر کھلا
 اب، فریبِ ظفر و سبزر کھلا
 دفترِ مدح جہاں داور کھلا
 عجزِ اعجازِ ستائش گر کھلا
 تم پہ، اے خاقانِ نام آور، کھلا
 ہے تسلیمِ روز و شب کا در کھلا

سہرا

۶۱۸۵۲

خوش ہو، اے بخت، کہ ہے آج ترے سر سہرا
کیا ہی اس چاند سے نکھرے پہ بھلا لگتا ہے
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے، پر اے طرفِ کلاہ
ناؤ بھر کر ہی، پروے گئے ہوں گے موتی
سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
رنگ پہ روٹھا کے جو، گرمی سے، پسینہ چکا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
جب کہ اپنے میں ساویں نہ، خوشیا کے مارے
رُخِ روشن کی دھمک، گوہرِ غلطاں کی چمک
تارِ لیشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابر بہار
ہم، سخنِ فہم ہیں، غالب کے طرفدارِ خسیں

باندھ، شہزادہ جوانِ بخت کے سر پہ سہرا
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لبر، سہرا
ورنہ، کیوں لاتے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا
ہے رگِ ابر گہر بار سہرا سہرا
رہ گیا، آن کے دامن کے برابر سہرا
چاہیے، پھولوں کا بھی ایک، مقدر سہرا
گو نہ پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
کیوں نہ دکھلاوے فروغِ مد و اختر سہرا
لائے گا تابِ گراں ہاری گو سہرا سہرا
دیکھیں، اس ہیرے سے کہہ دے کوئی بڑھو سہرا

قطعہ
۲

۶۱۸۵۲

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
مواظبت سے، ہے پیشہ آبِ سپہ گری
آزادہ زوہوں، اور مرسلک ہے صلح کئی
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں؟
استادِ شہ سے ہو مجھے پندِ خاش کا خیال

اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں بے
کچھ شاعری، ماذرِ لیس، عزت نہیں بے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں بے
مانا کہ جہاد و منعب و ثروت نہیں بے
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں بے

جام بہاں نما ہے، شہنشاہ کا صہب
میں کون اور رختہ؟ ہاں اس سے مدعا
سہرا نکھا گیا زرد امثالِ امر
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
روئے سخن کسی کی طرف ہو، توڑو سیاہ
قہمت بڑی سہی، پہ طبیعت بڑی نہیں
صادق ہوں اپنے قول میں، غالبؔ خدا گواہ!

سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
جسداں ہیا طحطاہ حضرت نہیں مجھے
دیکھا کہ چارہ غنیرا طاعت نہیں مجھے
مقصود اُس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے
کہتا ہوں سچ کہ تھوٹ کی عادت نہیں مجھے

سہرا

۱۸۵۲ء

جرخِ تنگ دھوم ہے، کس دھوم سے آیا سہرا!
جسے کہتے ہیں خوشی، اُس نے بلائیں لے کر
رشتک سے لڑتی ہیں، آپس میں اُلجھ کر لڑیاں
صاف آتی ہیں نظر آبِ گہر کی لہریں

چاند کا دائرہ لے، اندرہ لے گایا سہرا
کبھی چوہا، کبھی آنکھوں سے لگایا سہرا
باندھنے کو جو ترے سر پہ اُٹھایا سہرا
جنیش بادِ سحر نے جو بلایا سہرا

ما جلیبا کر عام طور پر معلوم ہے کہ یہ قطعہ (مذمت نامہ) شہزادہ جواں جنت کے سہرے کے مطلع کی وضاحت میں
کہا گیا تھا، اس لیے اسے سہرے کے فوراً بعد درج کیا گیا ہے۔

یہ اس سہرے کے اشار ہیں جو میاں غلام نظام الدین ابن میاں غلام نصیر الدین عرف کاسے صاحب
کی شادی کے موقع پر کہے گئے تھے۔ روایت کے مطابق یہ سہرا شہزادہ جواں جنت و زوری، مارچ
۱۸۵۲ء کے سہرے کے بعد کہا گیا ہے۔ کیونکہ راوی کا کہنا ہے کہ یہ اول الذکر سہرے سے بہتر ہے۔
تفصیل کے لیے نامزدیر فراق کی 'لال قند' کی جملہ ص ۵۳، 'رسومِ دہلی' ص ۱۱۷، و طبع کراچی از سید
احمد دہلوی ملاحظہ کیجیے۔

غزلیات

۱۸۵۲ء

ہزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا م
شب ہوئی، پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا م
گرچہ ہوں دیوانہ، پر کیوں دوست کا کھاؤں فریہ م
گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں، گو نہ پاؤں اُس کا بید م
ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال م
منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کے دیکھا نہیں م
در پہ رہنے کو کہا، اور کہہ کے کیسا پھر گیا ! م
کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ ہے بلاؤں کا نزول م
کیا رہوں غربت میں خوش، جیب ہونوار کا یہ جل م
اُسکی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند؟ م

رکھیں، یارب، یہ درِ گنہگار کو نہ کھلا م
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا م
آستیں میں دُشمن پنہاں، باتھیں نشتر کھلا م
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا م
خلد کا اک در ہے، میری گور کے اندر کھلا م
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا م
بچنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا م
آج اُدھری گور ہے گا، دیدۂ اختر کھلا م
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا م
واسطے جس شہ کے، غالب، گنبدِ بے در کھلا م

۱۸۵۲ء

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشعار میں، نشان اور م
یارب، وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات م
وہ سے ہے کیا، اس نگر تاز کو، پیوند؟ م
تم شہر میں ہو، تو میں کیا غم، جب اُٹھیں گے م
ہر چند بنگدست ہوئے، بُت شکنی میں م
ہے خونِ جگر خوشی میں، دل کھول کے روتا م
مرتا ہوں اُس آواز پہ، ہر چند سراپا مجھ سے م
لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا م
لیتا نہ اگر دل، تمہیں دیتا، کوئی دم چین م
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نلے م

کرتے ہیں محبت، تو گزرتا ہے گھماں اور م
رے اور دل اُن کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور م
ہے تیر مُقرر، مگر اس کی ہے کہاں اور م
رے آئیں گے بازار سے، جا کر، دل و جاں اور م
ہم ہیں، تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور م
ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور م
جلا دکو، لیکن، وہ کہے جہاں کی "ہاں اور" م
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ تہی اور م
کرتا جو نہ مرا، کوئی دن آہ و فغاں اور م
رکتی ہے مری طبع، تو ہوتی ہے رواں اور م

ہیں اور بھی دنیا میں سخن و ریت لپتے م کہتے ہیں کہ "غالب کا ہے اندازِ بیاں اللہ

۶۱۸۵۲

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور م
مٹ جائے گا سر، گر ترا پتھر نہ گھیسے گا م
آئے ہوکل، اور آج ہی کہتے ہو کہ جباؤں؟ م
جلتے ہوئے کہتے ہو: "قیامت کو میں گئے" م
ہاں، اے فلکِ پیر، جواں تھا ابھی عارف م
تم ماہِ شبِ چار دہم تھے، مرے گھر کے م
تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و بستہ کے؟ م
مجھ سے تمہیں نفرت سہی، تیسرے سے لڑائی م
گزری نہ بہر حال، یہ مدتِ خوش و ناخوش م
ناداں ہوا بنو کہتے ہو کہ "کیوں جیتے ہیں غالب؟" م

تہنا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور م
ہوں در پہ تھے ناصیہ فرسا کوئی دن اور م
مانا کہ ہمیشہ نہیں، اچھا کوئی دن اور م
کیا خوب اقیامت کا ہے گویا کوئی دن اور م
کیا تیرا بگڑنا، جو نہ مسرتا کوئی دن اور م
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشِ کوئی دن اور م
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور م
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور م
کرنا تھا، جواں مرگ، گزرا کوئی دن اور م
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور م

۶۱۸۵۲

دونوں جہان دے کے وہ کچھ ین خوش رہا م
تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہ گئے م
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا غواہ، اہلِ بزم؟ م

یاں آپڑی یہ شرم کہ ٹکڑا کر کیا کریں م
تیرا پتا نہ پائیں، تو ناچار کیا کریں م
ہو غم ہی جہاں گداز، تو غوار کیا کریں م

۶۱۸۵۲

سب کہاں، کچھ لار و گل میں نسا یاں ہو گئیں م
یاد تھیں ہم کو بھی، دنگارنگ بزمِ آرائیاں م

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں م
لیکن اب نقش و نگار طاقِ نساں ہو گئیں م

نہیں براتِ انفسِ گردوں دن کے پر سر ہند م
 قید میں یعقوب نے لی، گو، نہ یوسف کی خبر م
 سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زبانِ سحر سے م
 جوئےِ خوابِ آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق م
 ان پری زادوں سے لیں گے غلہ میں ہم انتقام م
 نیند اُس کی ہے، دماغ اُس کا ہے، راتیں اُسکی ہیں م
 میں چین میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا م
 وہ تھا میں کیوں ہوئی جاتی میں، یارب، دل کے پار؛ م
 بلکہ رو کا میں نے، اور سینے میں ابھری پے پے م
 واں گیا بھی میں، تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب م
 جانفزا ہے یا نہ، جس کے ہاتھ میں جام آگیا م
 ہم سوچتے ہیں، ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم م
 رخصتے خوگر ہوا انسان، تو مٹ جاتا ہے رنج م
 یوں ہی گرے روتا رہا غالب، تو اے اہلِ جہاں م

شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں؟
 میسکی، آنکھیں روزِ دلوارِ زنداں ہو گئیں
 ہے زلیخاِ خوش کہ محوِ سہاہ کنگناں ہو گئیں
 میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
 قدرتِ حق سے، نہیں، عوریں اگر واں ہو گئیں
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پر لیاں ہو گئیں
 بلبلیں، سن کر مرے نالے، غمِ غواں ہو گئیں
 جو، مری کوتاہی قسمت سے، ہر گاہ ہو گئیں
 میری آہیں، بخیہ سہاکِ گریباں ہو گئیں
 یارتیں جتنی دعا ئیں، صرفِ درباں ہو گئیں
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا، رگِ جاں ہو گئیں
 ملتیں جب مٹ گئیں، اجڑاے ایماں ہو گئیں
 مشکیں مجھ پر پڑی اتنی کہ آساں ہو گئیں
 دیکھنا ان بستیوں کو ستم کہ ویراں ہو گئیں

۱۸۵۲ء



حضورِ شاہ میں، اہلِ سخن کی آزمائش ہے م
 چین میں رنخو شنوایانِ چین کی آزمائش ہے م
 قدو گیسویں، قیس و کو بہن کی آزمائش ہے م
 جہاں ہم ہیں، وہاں دار و رس کی آزمائش ہے م
 کریں گے کو بہن کے حوصلے کا امتحان، آخر م
 ابھی اُس خستہ کے پیرے تن کی آزمائش ہے م
 نسیمِ بصر کو کیا پیرِ گنجاں کی ہوا خواہی؟ م
 اُسے یوسف کی بوے پیرہن کی آزمائش ہے م

وہ آیا بزم میں، دیکھو، نہ لہو پھر کہ غافل تھے م
 رشکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے
 رہے دل ہی میں تیرا اچھا، جگر کے پار ہو، بہتر م
 عنبر من شست بہت ناوک فتن کی آزمائش ہے
 نہیں کچھ، سبھ و زُتار کے پسند میں، گِرائی م
 و فاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 پڑا رہ، اے دل وابستہ، بیتابی سے کیا حاصل ام
 مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے
 رگ و پے میں جب اُتے زہر غم، تب دیکھیے کیا ہو م
 ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے
 وہ آویں گے رے گھر، وعدہ کیسا، دیکھنا، غالب م
 نئے فتنوں میں اب چہرہ کہن کی آزمائش ہے

۱۸۵۲ء

غم کھانے میں بودا، دلِ ناکام، بہت ہے م
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے، ورنہ م
 نے تیر کھاں میں ہے، نہ میا د کہیں میں م
 کیا زہ کو مانوں؟ کہ نہ ہو گر چہ ریائی م
 ہیں اہل خرد کس روشِ خاص پہ نازاں؟ م
 زمرم ہی پہ چھوڑو، مجھے کیا طوفِ حرم سے؟ م
 ہے قہرِ گرب بھی نہ بنے بات، کہ اُن کو م
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے چکائیں، اسے رگ م
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ بھانے؟ م
 یہ رخ کر کہے نے گلستاں بہت ہے م
 ہے یوں کر مجھے دروِ تر جام، بہت ہے م
 گوشے میں قفس کے، مجھے آرام، بہت ہے م
 پاداشِ عمل کی طمعِ خام، بہت ہے م
 پابستگی رسم و رہِ عام، بہت ہے م
 آلودہ بے حقے حمار، حسام، بہت ہے م
 انکار نہیں، اور مجھے زبرام، بہت ہے م
 رہنے دے مجھے یاں، کہ ابھی کام، بہت ہے م
 شاعر تو وہ اچھا ہے، یہ بدنام، بہت ہے م

رباعیات

۶۱۸۵۲ ●

۱ حق ستہ کی بقا سے، خصلت کو شاد کرے
۲ یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں، گمان نہ

۱ مہاشا، شیوے دانش و داد کرے
۲ ہے مفسر کرا فزائش اعدا کرے

۲

۱ اس رشتے میں لاکھ تار ہوں، بلکہ سووا
۲ ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں

۱ اتنے ہی برس شمار ہوں، بلکہ سووا
۲ ایسی گرہیں ہزار ہوں، بلکہ سووا



۱۸۵۳ء تا فروری ۱۸۵۷ء

متفرق

نسخہ رام پور (ثانی) ۱۸۵۵ء
جدید

قادر نامہ (طبع اول) ۱۸۵۶ء

متفرق

قطعه

۱۸۵۳ء م



اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
جو عقدہ و شوار کہ کوشش سے نہ ہوا
ممکن ہے کہ غفر سکندر سے ترا ذکر؟
آصف کو سیلماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے نقشِ مریدی، ترا، فرمانِ الہی
تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
دھونڈھے نسلے، موجِ دریا میں اروانی
ہے، گرچہ بکھے نکتہ سرائی میں تو غلّی
کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر؟
نوروز ہے آج، اور وہ دن ہے کہ ہوے ہیں
تجھ کو، شرفِ بہر جہاں تاب مبارک!

ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
تو واکرے اُس عقدے کو، سو بھی بہ اشارت
گر لب کو نہ دے چشمہ حیواں سے عبارت
ہے خیر سیلماں، جو کرے تیری وزارت
ہے داغِ غلامی ترا، تو قیغِ امارت
تو آگ سے گردِ دغ کرے تابِ شہادت
باقی نہ ہے، آتشِ سوزاں میں حرارت
ہے، گرچہ، بکھے سحرِ طرازی میں بہارت
قاصر ہے، ستائش میں تری، میری عبارت
نظارِ کی صنعتِ حق، اہلِ بصارت
غالب کو، تیرے عتبہِ عالی کی زیارت!

علا "یہ قطعہ نوروز کی مبارکباد پر مشتمل ہے، اور نوروز، آفتاب کے برج حمل میں داخلہ پر منایا جاتا ہے۔ میرزا صاحب اسرار کو لکھتے ہیں: "مقولہ آفتاب یہ حمل کے باب میں مہی

بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ بھی آ پڑتی ہے۔ اس سے کیا درخیز؟

دعویٰ: ۱۲، دہلی اردو اخبار جلد ۱۵ نمبر ۱۳ مورخہ جمادی الآخرہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۸۵۳ء میں حضورِ والا کی نیابتِ معمولی دسترخون کا ذکر ہے جو یک شنبہ ۹ جمادی الآخرہ کو نوروز کے دن منائی گئی تھی۔ یہ واقعہ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کے پوتے میرزا نور الدین شاہی قلعہ کی آمد دہلی کے بعد کا ہے۔ جن کی صحبت نے بہادر شاہ کو مقہرہ تشیع کیا تھا۔ اس لیے میرزا دانست میں یہ قطعہ مارچ ۱۸۵۳ء کا لکھا ہوا ہے۔"

محسن

● ۶۱۸۵۳

گھستے گھستے، پالو میں زنجیر آدھی رہ گئی
مرگئے پیر، قفس کی تعمیر آدھی رہ گئی
سب ہی پڑھتا، کاش! کیوں تکیر آدھی رہ گئی؟
رکھنے کے، قاتل، جب تری شمشیر آدھی رہ گئی

علم سے، جہان عاشق و لگیر، آدھی رہ گئی

بیٹھ رہتا، اے کے چشمہ پر غم، اُس کے رو برو
کیوں کہا تو نے کہ: "کہ دل کا غم اس کے رو برو؟"
بات کرنے میں نکلتا ہے دم، اُس کے رو برو
کہہ سکے ساری حقیقت ہم نہ اُس کے رو برو

ہم نشیں، آدھی ہوئی تعمیر، آدھی رہ گئی

تو نے دیکھا؟ مجھ پہ کیسی بن گئی، اے رازدار
نواب و بیداری پہ اک ہے، آری کو اختیار
مثل زخم، آنکھوں کو سی دیتا جو ہوتا ہوشیار
کھینچتا تھا، رات کو میں خواب میں، تصویر باریار

جاگ اٹھائیں، کھینچتی تصویر آدھی رہ گئی

ع ۱۔ قسط دہلی اردو اخبار - ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء

ع ۲۔ عسکری صاحب نے جب دیکھا کہ دیوان ظفر اور دہلی اردو اخبار میں 'ہم نہ' لکھا ہے
اور 'قوافی'، 'علم'، 'دم'، 'غصیرہ' ہیں تو انھوں نے اسے 'ہم' کر دیا۔ عسکری
صاحب کی یہ ترمیم درست نہیں۔ ترمیم سے یہ غلطی کے وزن پر ہو گیا ہے جو جائز نہیں۔ معلوم
ہوتا ہے یہاں غالب نے کب کہا ہو گا یعنی "کب ہم اُس کے رو برو۔"

ع ۳۔ دیکھیے دیوان ظفر دہلی اردو اخبار میں جو چھپا تھا

غم نے جب گھیرا، تو چاہا ہم نے یوں اے دلنواز
مستی چشم سید سے چلکے، ہو دیں چارہ ساز
تو صدفِ پاستہ جاگا تھا جو جو خوابِ ناز
دیکھتے ہی، اے ستمگر، تیری چشمِ نیم باز

کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر، آدھی رہ گئی

اس بُتِ مفسدِ رک کو کیا ہو کسی پر التفات؟
جس کے حسنِ روزِ افروں کی یہ اک ادنیٰ بات
ماہِ نو نکلے پہ گزری ہوں گی راتیں پان سات
اُس رُخِ روشن کے آگے ماہِ یکِ ہفتہ کی رات

تابشِ خسریہ پر تنویرِ آدھی رہ گئی

تابِ بھرِ بچائے کا، شِ بختِ بد ہے گھات میں
ہاں، فراوانی اگر کچھ ہے، تو ہے آفات میں
جز غم و رخِ دالم، گھاٹا ہے بریکِ بات میں
کم نہیں اس کو کہتے ہیں کہ میرے بات میں

آتے ہی، خاصیتِ اکسیرِ آدھی رہ گئی

سب سے، یہ گوشہ، کنارے ہے گلے لگ جا رہے
آدھی کو کیوں پکار رہے ہے؟ گلے لگ جا رہے
سرے گر پادِ رانا رہے، گلے لگ جا رہے
مانگ کیا بیٹھا سنا رہے؟ گلے لگ جا رہے

وصل کی شب، اے بُتِ بے پیر، آدھی رہ گئی

میں یہ کیا جانوں کہ وہ کس واسطے ہوں پھر گیا
پر نصیب اپنا اُنھیں جاتا سنا، ہوں پھر گئے
دیکھنا قسمت، وہ آئے اور پھر یوں پھر گئے
اُسے آدھی دورِ میرے گھر سے وہ کیوں پھر گئے؟

کی کشش میں دل کی اب تاثیرِ آدھی رہ گئی

ناگہاں یاد آگئی ہے مجھ کو، یارب، کب کی بات؛
کچھ نہیں کہتا کسی سے، سن رہا ہوں مسکاتی بات
کس لیے تجھ سے چھپاؤں، ہاں، دم پر ہوں شب کی بات؛
نامہ بڑ جلدی میں تیری وہ جو تھی مطلب کی بات

نقط میں آدھی ہو سکی تحریر، آدھی رہ گئی

ہو تھلی برق کی صورت میں ہے یہ بھی غضب
ہاں، چھ گھنٹے کی تو ہوتی، فرصت عیش و طرب
شام سے آتے، نوکیا لکھی گزرتی رات سب
پاس میرے وہ جو آئے بھی، تو بعد از نصف شب

نکلی آدھی حسرتِ تقریر، آدھی رہ گئی

علم جو فرماتے، ہوتا دیکھ اے غالب، آشفقہ سر
ہم تجھ کو منع کرتے تھے، کیا کیوں اُس کے گھر؟
جان کی پاؤں اماں بیاہیں یہ سب سچ ہیں، مگر
دل نے کی ساری خرابی، لے گیا مجھ کو، ظفر

واں کے جانے میں، مری توقیر آدھی رہ گئی

غزلیات ۱۸۵۳ء

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟ م
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟
دیر نہیں، حشرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں م
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہیں اٹھائے کیوں؟
جب وہ جمالِ دلہن روز، صورتِ بہرِ نیمروز م
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردہ میں منہ چھپائے کیوں؟

دشمن غمزدہ جانتاں، ناوک ناز بے پناہ م
 تیرا ہی عکس رخ بھی سلنے تیرے آئے کیوں؟
 قید حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں م
 موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟
 حسن اور اس پُحسن ظن، ارہ گئی بواہوس کی شرم م
 اپنے پہ اعتماد ہے، اور کو آزمائے کیوں؟
 واں وہ خسرو، عزت ناز، یاں یہ حجابِ پاس و وضع م
 راہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ بٹائے کیوں؟
 ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ، وہ یہ وفا سہی م
 جس کو ہو دین و دل عزیز، اسکی لگی میں جاے کیوں؟
 غالب خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں؟ م
 رویے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں؟

۶۱۸۵۳

گئی وہ بات کہ ہو گفت گو، تو کیونکر ہو م
 کہے سے کچھ نہ ہوا، پھر کہو، تو کیونکر ہو؟
 ہمارے ذہن میں، اس فکر کا ہے نام وصال م
 کہ گزرتا ہو، تو کہاں جاؤں؟ ہو تو کیونکر ہو؟
 ادب ہے اور یہی کشمکش، تو کیا کیجیے؟ م
 جیسا ہے اور یہی گو مگو، تو کیونکر ہو؟
 تحقیق کہو کہ گزرا، غم پرستوں کا! م
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خواہ تو کیونکر ہو؟
 اُلجھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ م
 جو تم سے شہر میں ہوں ایک رو، تو کیونکر ہو؟
 جیسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سنا م
 وہ شخص دن نہ کہے ات کو، تو کیونکر ہو؟
 ہمیں پھر ان سے امید اور انھیں ہماری قدر م
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ دو، تو کیونکر ہو؟

غلط : تھا، ہمیں خط پر گماں تسلی کا م
 بتاؤ اس شرہ کو دیکھ کر، کہ مجھ کو تسرار م
 مجھے جنوں نہیں، غالب، وے بقولِ حضور م
 مٹانے دیدہ دیدار جو، تو کیونکر ہو؟
 یہ بیش ہو رگِ جاں میں فرو، تو کیونکر ہو؟
 "فراقِ یار میں تسکین ہو، تو کیونکر ہو؟"

۱۸۵۳ء

قفص میں ہوں، اگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو م
 مرا ہونا برا کیا ہے، نوا سنبھانِ گلشن کو؟
 نہیں گر ہمدی آساں، نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے م
 نہ دی ہوتی خدا یا، آرزوے دوست دشمن کو؟
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر م
 کیا سینے میں جس نے نوں چکاں ہر گانِ سوز کو؟
 خدا شرے ہاتھوں کو، کہ رکھتے ہیں کشاکش میں م
 کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاناں کے دامن کو
 ابھی ہم قتل گرد کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں م
 نہیں دیکھا شنوار جوے نوں میں، تیرے تھمن کو
 ہوا چرچا جو میرے پانوں کی زنجیر بننے کا م
 کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو
 خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سوار ابر آئے؟ م
 سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈتے ہے ابھی سے برقِ خرمین کو
 وفاداری بشرطِ استواری، اصل ایساں ہے م
 ترے بتھانے میں، تو کعبے میں گھاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھ کو م
 جہاں تلوار کو رکھا، جھکا دیتا تھا گردن کو
 نہ اٹھا دن کو، تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا؟ م
 رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں بہت کو
 معنی کیا کہ نہیں سکتے، کہ جو یا ہوں جواب کے؟ م
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے، کہ کھوریں جا کے معدن کو
 مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں، غالب م
 فریادوں و حتم و کین خسرو و داراب و بہمن کو

۶۱۸۵۳

نکتہ چلیں ہے، غم دل اُس کو سنائے نہ بنے م
 کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے؟
 میں بلاتا تو ہوں اُس کو، مگر، لے جذبہ دل م
 اُس پہن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
 کہیں سمجھا ہے، کہیں چھوڑ نہ دے، بھول نہ جائے م
 کاش ایوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر پھرتا ہے بے یوں ترے خطا کو کہ اگر م
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے؟ تو چھپائے نہ بنے
 اس نزاکت کا جڑ، ہو وہ بھلے ہیں، تو کیا؟ م
 ہاتھ آویں، تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 کہ سے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے؟ م
 پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ رہے م
 تم کو پچا ہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے م
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش، غالب؟ م
 کہ لٹائے نہ لگے، اور بجھائے نہ بنے

۱۸۵۳ء

دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کہیے؟ م
 ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے؟
 یہ ضد کہ آج نہ آوے، اور آئے بن نہ رہے م
 قضا سے شکوہ ہیں کس قدر ہے، کیا کہیے؟
 رہے ہے یوں کہ وہ لگے، کہ کوئے دوست کو اب م
 اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے، کیا کہیے؟
 زہرے کرشمہ، کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب؟ م
 کہ بن کے بھی انہیں سب خبر ہے، کیا کہیے؟
 سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں، وہ پیمائشِ حال م
 کہ یہ کہے کہ ”سب رہنمائی ہے، کیا کہیے؟“
 تمہیں نہیں ہے سب رشتہ و فاکا خیال م
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے، مگر ہے کیا؟ کہیے؟
 انہیں سوال پر زعم جنوں ہے، کیوں لڑیے؟ م
 نہیں جواب سے قطع نظر ہے، کیا کہیے؟

خند، سزلے کمال سخن ہے، کیا کیجے؟ م
 ستم، بہائے متاع ہنر ہے، کیا کیجے؟
 کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں، لیکن م
 سوائے اس کے کہ آشفۃ سہ، کیا کیجے؟

۱۸۵۳ء

کہوں جو حال، تو کہتے ہو: "مدعا کیجئے" م
 نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم سنگریں" م
 وہ نیشتر ہی اپر دل میں جب اکبر جاوے م
 نہیں ذریعہ راحۃ، جراحۃ پیکاں م
 جو مدخلی بنے، اس کے نہ مدخلی بنے م
 کہیں حقیقت جا نکلی مرض کیجئے م
 کبھی شکایت رخ گراں نشیں کیجئے م
 رہے نہ جان، تو قاتل کو نحوں یہاں کیجئے م
 نہیں نگار کو الفت آہو، نگار تو ہے م
 نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو بہار تو ہے م
 سفینہ جب کہ کنارے پہ آگیا، غالب م
 تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو، تو کیا کیجئے
 مجھے تو خوب ہے کہ جو کہو "بجا کیجئے"
 نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشتا کیجئے؟
 وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کیجئے
 جو تاسزا کہے اس کو نہ تاسزا کیجئے
 کہیں مصیبت تاسازی دوا کیجئے
 کبھی حکایت صبر گریز پا کیجئے
 کئے زبان، تو خجھر کو مرعبا کیجئے
 روانی روش و مستی ادا کیجئے
 طراوت حسن و خوبی ہوا کیجئے
 خدا سے کیا ستم و جوہر تا خدا کیجئے

۱۸۵۳ء

باز بچے اطفال ہے، دنیا، مرے آگے م ہوتا ہے شب و روز۔ تا شمارے آگے

خط بنام حیدر اپریل ۱۸۵۳ء - نادرات غالب ص ۲۵

دہلی اردو اخبار (تمتہ) - ۲۲ مئی ۱۸۵۳ء

اک کھیل ہے، اور رنگِ سیماں، مرے نزدیک م
 جہنم نام، نہیں صورتِ عالم بکھ منظر م
 ہوتا ہے نہاں گردیں، صحرائے مرے ہوتے م
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے نیچے م
 سچ کہتے ہو خود میں و خود آما ہوں، نہ کیوں ہوں م
 پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار م
 نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا م
 ایماں بکھے رکھے، جو کھینچے ہے مجھے کھنسر م
 عاشق ہوں، پہ معشوقِ فریبی ہے مرا کام م
 خوش ہوتے ہیں، پر وصل میں یوں نہیں جلتے م
 ہے موجزن اک قلزمِ خوں، کاش ایسی ہو م
 گواہ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے م
 ہم پیشہ وہم مشرب و ہمران ہے میرا م
 اک بات ہے، انجلیا ز میماں، مرے آگے
 جہنم وہم نہیں، ہستی اشیاء ہے آگے
 گھستا ہے جیسے خاک پہ، دریا مرے آگے
 تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے ترا مرے آگے
 بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے
 رکھ دے کوئی پیمانہ صہبائے مرے آگے
 کیوں کر کہوں: "لو نام نہ انکا مرے آگے"
 کعبہ مرے پیچھے، کلیسا مرے آگے
 مجنوں کو برا کہتی ہے لیلہ مرے آگے
 آئی شبِ عسراں کی مت مرے آگے
 آتا ہے ابھی، دیکھیے، کیا کیا مرے آگے
 رہنے دو ابھی ساز و مینا مرے آگے
 غالب کو برا کیوں کہو اچھا، مرے آگے

۶۱۸۵۳

زرا کر زور سینے پر، کرتیہ پر رستم نکلا
 جو وہ نکلا تو دل نکلا، جو دل نکلا، تو دم نکلا
 ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلا م
 بہت نکلا مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلا
 ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر م
 وہ خوں، جو چشمِ تیرے عمر بھر یوں دمیدم، نکلا

علا ارغوان غالب ص ۳۰۸ - شیخ محمد اکرام ج ۲ - تترہ دہلی اردو اخبار - ۱۹ جون ۱۸۵۳ء

علا دہلی اردو اخبار - ۲۴ دسمبر ۱۸۵۳ء

نکلا خلد سے آدم کا سستے آسے ہیں، لیکن م
 بہت بے آبرو ہو کر، ترے کوچے سے ہونے
 بھرم کھل جائے نظام، ترے قامت کی درازی کا م
 اگر اس طسروے بڑی پیچ و خم کا پیچ و خسم نہ
 مگر نکھولے کوئی اس کو خط، تو ہم سے نکھولے م
 ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نہ
 ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے آبادہ آشامی م
 پھر آیا وہ زمانہ، جو جہاں میں جامِ جم نہ
 ہوئی جن سے تو شمعِ شعل کی داد پانے کی م
 وہ ہم سے بھی زیادہ غصہ تیغِ ستم نہ
 محبت میں نہیں شوقِ جینے اور مرنے کا م
 اُنسی کو دیکھ کر جیتے ہیں، جس کا سر پہ دم نہ
 کہاں میخانے کا دروازہ، غالب، اور کہاں واعظ م
 پر آتا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نہ

۱۸۵۳ء

غیر میں محفل میں بوسے جام کے م
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ؟ کر یہ م
 خط لکھیں گے اگر چہ مطلب کچھ نہ ہو م
 راتِ پی ز منہم پہ مئے اور جھنڈم م
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا، کیا مگر م
 شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر م
 عشق نے، غالب، نکتا کر دیا م
 ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 ہنگامہ ہیں، چسپو بخ نیلی فام کے
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 دھوے دجھے جامہ اسدراہ کے
 یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
 دیکھیے، کب دن پھر میں حشام کے
 در زہم بھی آدمی تھے کام کے

دہلی اردو اخبار - ۱۴ دسمبر ۱۸۵۳ء

سلام

۶۱۸۵۷

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اُس کو
نہ بادشاہ، نہ سلطان، یہ کیا ستائش ہے؟
خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی؟
خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا
خروج جو، سرایماں، عین ابن علی
کفیل بخشش امت ہے، بن نہیں پڑتی
مسیح جس سے کرے اخذ فیض جاں بخشی
وہ، جس کے مائیتوں پر ہے سکسبیل، سبیل
عرو کے صبحِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
بہت ہے، پایہ گردِ رہ حسین، بلند
نظارہ سونہ ہے یاں تک، ہر ایک ذرۂ خاک
ہمارے درد کی یارب، کہیں دوا نہ ملے

تو پھر کہیں کر کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو
کہو کہ خاں اس آلِ عبا کہیں اُس کو
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو
اگر کہیں نہ خداوند، کیا کہیں اُس کو؟
کہ شمعِ عجم کبریا کہیں اُس کو
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو
ستم ہے، کشتہ تیغِ جفا کہیں اُس کو
مشہدِ تشنہ لبِ کر بلا کہیں اُس کو
کہ جنِ دافنس و ملک سب بجا کہیں اُس کو
بقدرِ فہم ہے، گر کیمیا کہیں اُس کو
کہ لوگ جو ہر تیغِ قضا کہیں اُس کو
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو

۱۔ "راپور رضا لائبریری میں ایک مخطوط "دستور العمل اودھ" کے نام سے محفوظ ہے۔ اس میں مجتہد العصر مولانا سید محمد لکھنوی کا شاو اودھ کے سالنے پیش کی ہوئی تحریریں اور ان پر شاہ کی تو قیغیں منقول ہیں۔ استیر لکھنوی، جو شاہ کے سیرِ عشق تھے، اس کتاب کے مرتب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سلام اس دستور العمل میں مجتہد العصر کے مکتوب مورخہ ۱۲۴۰ھ (۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء) کے منقول بعد (۱۸۵۷ء) نقل کیا گیا ہے جس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان تاریخوں کے کچھ ہی بعد میرزا صاحب کی طرف سے موصول ہوا ہوگا۔ سلام کا عنوان ہے "یا اسد اللہ غالب" اور خاتے پر میرزا صاحب کی تہرہ (اسد اللہ غالب) بھی نقل کر دی گئی ہے۔"

مگر جتنی دُعا کی سربس کہیں اُس کو
پس از حسین علی پیشوا کہیں اُس کو
کہ طالبانِ خدا رہنسا کہیں اُس کو
پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اُس کو
علی سے تکتے لڑے اور غلط ہیں اُس کو
بُرانہ مایہ نگراں ہم بُرا کہیں اُس کو
کرے جو اُن سے بُرائی، بھلا کہیں اُس کو
رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اُس کو
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے شہنشاہ کی داد
زِمامِ ناقہ، کف اُس کے میں ہے کہ اہلِ یقین
وہ ریگِ تفتہ واری پہ گام فرسا ہے
امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ غنار
یہ اجتہادِ عجب ہے کہ ایک دشمنِ دین
یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
علی کے بعد حسن اور حسن کے بعد حسین
نبی کا ہونہ جسے اعتقاد کا فرسہ ہے
بھرا ہے، غالبِ دُخت کے کلام میں درد

غزلیات

۱۸۵۴ء

درِ دُمت کشِ روا نہ ہوا م
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ م
ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں؟ م
کتے شیریں ہیں تیرے لبِ ابرقیب م
ہے خمیرِ گرم اُن کے آنے کی م
کیا وہ مسرود کی خدائی تھی؟ م
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی م
زخمِ گردِ بگیا، لہو نہ تھا م
رہنہ نئی ہے کہ دِلستانی ہے م
کچھ تو پڑ جیسے کہ لوگ کہتے ہیں: م

میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا
اک متاسا ہو، بگلا نہ ہوا
تو ہی جب خمیرِ آزمائے ہوا
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
بستگی میں مرا بھلا نہ ہوا
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کام گرِ رُک گیا، روا نہ ہوا
جئے کے دل، دِلستانِ روا نہ ہوا
”آج غالبِ غنار سرانہ ہوا“

ع۔ ب۔ بکستان سن (تالیف قبل از اپریل ۱۸۵۴ء) میں اس غزل کا ایک شعر انتخاب ہوا ہے۔

۶۱۸۵۴

درخو قہر و غضب، جب کوئی ہم سا نہ ہوا م
بہر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
زندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم م
لٹے چہر آئے، در کعبہ اگر وہ نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یحتمائی کا م
رو بہ رو کوئی بتِ آئینہ سیمانہ ہوا
کم نہیں نازش ہمنای چشمِ خوباں م
تیسرا بیمار، بڑا کیا ہے، گرا تھما نہ ہوا
سینے کا داغ ہے، وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا م
خاک کا رزق ہے، وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا
نام کا یسے ہے، جو دکھ کسی کو نہ ملا م
کام میں میرے ہے، جو نکتہ کہ ہر پانہ ہوا
ہر جنِ موسے، دم ذکر نہ ٹیکے خونا ب م
ہمسزہ کا قفقہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا
قطرے میں جبکہ دکھائی نہ دے، اور جزو میں کل م
کھیل بڑکوں کا ہوا، دیدہ بینا نہ ہوا
تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے م
دیکھتے ہم بھی گئے تھے، پرتشاش نہ ہوا

۶۱۸۵۴

کسی کو دیکھ دل، کوئی نوا سنخ فغاں کیوں ہو؟ م
نہ ہو جب دل ہی سینے میں، تو پھر منہ میں زیباں کیوں ہو؟
نیچہ اپنی آہوں کا ہے شکلِ ستوی پورا ا
بیوٹے صورت کا بوس پھر خواب سگراں کیوں ہو؟
وہ اپنی خون چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟ م
تنگ سرب تک کہا پوچھیں کہ "ہم سے سرگراں کیوں ہو؟"
کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو! م
نہ ملاوے تاب جو غم کی، وہ میرا رازہ داں کیوں ہو؟

۱۔ خط بنام نئی بخش حقیر (بعد از ۱۸ جون ۱۸۵۴ء) نادراتِ غائب ص ۵۶۔ ۲۔ قصیدہ ام نئی بخش حقیر مورخہ ۸ جون ۱۸۵۴ء
۳۔ رسالہ طوفان، نواب شاہ (پاکستان) جولائی ۱۹۵۱ء۔ فاضل زیدی۔

وفا کیسی؟ کہاں کا حشر؟ جب سر بھونٹنا پڑا م
 تو پھر، اے سنگِ دل، میرا ہی سنگِ آستان کیوں ہو؟
 نفس میں مجھ سے رودادِ چین کہتے نہ ڈرا ہمد م
 گر دے جس پر کل بجلی، وہ میرا آشیان کیوں ہو؟
 یہ کہہ سکتے ہو: "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ م
 کہ جب دل میں تھیں تم ہو، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟
 غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ، دیکھو، جرم کس کا ہے؟ م
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو، کشاکشِ درمیاں کیوں ہو؟
 یہ قلعہ آدمی کی خسانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟ م
 ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟
 یہی ہے آزارنا، توستانا کس کو کہتے ہیں؟ م
 غم کے ہو لیے جب تم، تو میرا امتحان کیوں ہو؟
 کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے سنے میں" رسوائی؟ م
 بجا کہتے ہو، کچھ کہتے ہو، پھر کہو کہ "ہاں، کیوں ہو؟"
 نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو، غالب؟ م
 ترے بے ہر کہنے سے، وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو؟

● ۱۸۵۴ء قطعہ

جنتِ انجمنِ طوبیٰ مسیرِ زاجعفر م
 کہ جس کے دیکھے سب کا ہوا ہے جی محفوظ
 ہوئی ہے ایسے ہی فسرِ غمِ سالہاں، غالب م
 نہ کیوں ہو سارا ساں عیسویٰ محفوظ؟

● ۱۸۵۴ء قطعہ

ہوئی جب مسیرِ زاجعفر کی شادی م
 ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
 کہا غالب سے: "تاریخ اس کی کیا ہے؟" م
 تو بولا: "ان شراحِ جشنِ جمہیریہ"

۶۱۸۵۴

قطعہ

افطارِ صوم کی کچھ، اگر، دستگاہ ہو م اس شخص کو ضرور ہے، روزہ رکھا کرٹے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ ہو م روزہ اگر نہ کھائے، تو ناچار کیا کرے؟

رباعیات

۶۱۸۵۴

سامانِ خورد و خواب کہاں سے لاؤں؟ م آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟
روزہ مرا ایمان ہے، غالب، لیکن م خاص خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں؟

۶۱۸۵۴

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں م عشاق کی پیریش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ غلسم سے اٹھایا ہو گا م کیونکر مسانوں کہ اُس میں تلوار نہیں

۶۱۸۵۴

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے م کرتے ہیں درنگ، کام کرنے والے
کہتے ہیں: "کہیں خدا سے اللہ اللہ" م وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

۱۔ خط بنام نبی بخش حقیر مورخہ ۴ جون ۱۸۵۴ء۔ نادرۃ غالب ص ۵۸۱۵۳

۲۔ خط بنام حقیر ۴ جون ۱۸۵۴ء نادرۃ غالب ص ۵۳

۳، ۴۔ خط بنام حقیر۔ ۸ مارچ ۱۸۵۵ء نادرۃ غالب ص ۷۱

غزلیات

● ۱۸۵۴/۵۵ ع

بجور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟ م کہتے ہیں: ہم مجھ کو منہ دکھلائیں کیا؟
 رات دن گردش میں ہیں سات آمل م ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گہرائیں کیا؟
 لاگ، ہوا تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ م جبٹ ہو کچھ بھی، تو دھوکا کھائیں کیا؟
 ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ؟ م یارب، اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؟
 موجِ خوں سر سے گزر رہی کیوں نہ جلنے م آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟
 عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی ماہ م مر گئے پر، دیکھیے، دکھلائیں کیا؟
 پوچھتے ہیں وہ کہ "غالب کون ہے؟" م کوئی بتاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

● نوبر ۱۸۵۴ تا مئی ۱۸۵۷ ع

مطے، دو مرشدوں کو قدرتِ حق سے ہیں دو طالب
 نعام الدین کو خسرو، سراج الدین کو غالب

قطعہ

● ۱۸۵۵ ع

اے شہشاہِ آسماں اور نگ
 تھا میں اک بچہ تو اے گوشہ نشین
 تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
 کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز
 گرچہ، از روئے ننگِ بے ہنری
 اے جہاں دار آفتاب آثار
 تھا میں اک درد مندِ سینہ نگار
 ہوئی میری وہ گرمی بازار
 روشناسِ ثوابت و شیار
 ہوں خود اپنی نظریں استاخوار

واقیاس ہے کہ یہ شعرو غاتِ ذوق کے بعد اور مئی ۱۸۵۷ کے جنگاے سے پہلے کسی وقت کہا گئے ہوں گے۔ ذوقی ۱۵ نوبر
 ۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے۔

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکِ
 شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
 خانہ زاد اور مرید اور مشداح
 بارے، نوکر بھی ہو گیا، صد شکر!
 ذہنوں آپ سے، تو کس سے کہوں؟
 ہیر و مرشد، اگر چہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہیے، آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟
 کچھ خریدائیں ہے، اب کے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہاں تک انسان!
 دھوپ کی تابش، آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مسترد ہے
 رسم ہے، مردے کی چھما ہی ایک
 مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات
 بلکہ لیتا ہوں، ہر میتے، قرض
 میری تنخواہ میں پہنچا رہا
 آج مجھ سے نہیں زلزلے میں
 رزم کی داستان گر سینے
 بزم کا التزام گر کیجے
 ظلم ہے، مگر نہ درسخن کی داد
 آپ کا بندہ اور پیروں تنگ!
 میری تنخواہ کیجے ساہ بساہ
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
 تم سلامت رہو ہزار برس!
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
 بادشہ کا غلام کار گزار
 تھا ہمیشہ سے یہ عسیر لیفہ گزار
 نسبتیں، ہو گئیں مشخص، چار
 مدد کے ضروری الاطسار
 زوق آرائش سر و دستار
 تانہ دے، بادِ زہریر، آزاد
 جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ گزار
 کچھ بنایا نہیں ہے، اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
 دھوپ کھاوے کہاں تلک جاں دار
 وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ الْمَثَارِ!
 اُس کے ملنے کا ہے عجب آنکار
 خلق کا ہے اسی چلن پہ، مدار
 اور چھما ہی ہو سال میں دو بار
 اور رہتی ہے سود کی شکار
 ہو گیا ہے شریک، سا ہو کار
 شاعر نغز گوئے خوش گفتار
 ہے، زبان میری، تیغ جو ہر دار
 ہے، قلم میری، ابرو گو ہر بار
 ہر ہے، مگر کرو نہ مجھ کو پیار
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار
 تانہ ہو، مجھ کو، زندگی دشوار
 شاعری سے نہیں مجھے سروکار
 ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

● ۶۱۸۵۵ قطعہ

گھڑت آ ملک بہادر، مجھے بتلا کہ بکے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں
خستگی کا ہو بھلا، جس کے سبب سے سر دست
ہاتھ میں تیرے رہے، تو سن دولت کی عشاں!
تو سکندر ہے، مرا خسر ہے ملنا تیرا
اس پہ گزرے نہ گمان ریو و ریا کا نہ ہنساں!

مجھ سے جو اتنی ارادت ہے، تو کس بات سے ہے
روشنی بزمِ مد و مہر تری ذات سے ہے
غیر کیا، خود مجھے نعتِ مرقاوت سے ہے
نبت اک گوشتِ مرے دل کو تپہات سے ہے
یہ رنہ، شام و سحر، قاضی حاجات سے ہے
گو، شرفِ حقیر کی بھی، بھگوا، ملاقات سے ہے
غالب خاک نشین اہلِ خرابات سے ہے

● ۶۱۸۵۵ قطعہ

ہے چار شبہ آخرِ مسافر، چلو
جو آئے، جام بھر کیے، اور ہو کے مست
غالب، یہ کیا بیاں ہے؟ بجز مدحِ بارشاہ
بٹتے ہیں سونے روپے کے پتے حضور میں
یوں سمجھے کہ پنج سے خصال کیے ہوئے

رکھ دیں چمن میں، بھر کے مئے مشکبو کی ناند
سبزے کو روندنا پھرے، بھولوں کو بھرے بھاند
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند
ہے، جن کے آگے سیم و زر، مہر و ملا، ماند
لاکھوں ہی آفتاب ہیں، اور بے شمار چاند

● ۶۱۸۵۵ قطعہ

سہل تھا سہل، ولے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گزرے گی، اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن سہل سے پہلے، تین دن سہل کے بعد
تین سہل، تین تیریدیں، سب کے دن ہوئے؟

● ۱۸۵۵ء قطعہ

سیدِ گلیم ہوں، لازم ہے، میرا نام نہ لے
ہوا نہ غلبہ میں کبھی کسی پہ مجھے
جہاں میں، جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
کہ جو شریک ہو میرا، شریکِ غالب ہے

● ۱۸۵۵ء قطعہ

گو ایک بادشاہ کے سب خزانہ زاد ہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں، کرتے ہوئے سلام
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

● ۱۸۵۵ء مثنوی

ہاں، دل درد مند زمرہ ساز
خامے کا صفحہ پر رواں ہونا
کیوں نہ کھولے درخزینہ راز؟
شاخِ گل کا ہے گلستاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے، کیا کیجیے؟
بارے، آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
آم کا، کون، مردِ میدان ہے؟
تاک کے جی میں کیوں رہے ارملاں؟
آم کے آگے پیش جاوے خاک
نہ چلا جب کسی طرح، مقدور
یہ بھس، ناچار، جی کا کھونا ہے
مجھ سے پوچھو، تمہیں خبر کیا ہے؟
نگل آس میں، نہ شاخ و برگ، نہ بار
اور دڑائیے تیس اس کہاں؟
جان میں ہوتی، گریہ شیرینی
کیوں نہ کھولے درخزینہ راز؟
شاخِ گل کا ہے گلستاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے، کیا کیجیے؟
بارے، آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
آم کا، کون، مردِ میدان ہے؟
تاک کے جی میں کیوں رہے ارملاں؟
آم کے آگے پیش جاوے خاک
نہ چلا جب کسی طرح، مقدور
یہ بھس، ناچار، جی کا کھونا ہے
مجھ سے پوچھو، تمہیں خبر کیا ہے؟
نگل آس میں، نہ شاخ و برگ، نہ بار
اور دڑائیے تیس اس کہاں؟
جان میں ہوتی، گریہ شیرینی

جان دیتے ہیں اُس کو بچتا جان پر وہ یوں سہل نہ سکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ مشرق ق کہ روا خاند ازل میں، سگر
 آتش گل پہ قند کا ہے، قوام شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
 یا یہ ہو گا کہ قریط رافت سے باغبانوں نے باغ جنت سے
 انگلیں کے، بحکمہ رب اناس بھر کے بھیجے ہیں، سبز مہر گلاس
 یا لگا کر حقیر نے شاخ نبات تہ ہولے مشرف شاں، یہ نخل
 تھا ترخ زرا یک، خسرو پاس ق رنگ کا زرد، پر کہاں بوباس
 آم کو دیکھتا اگر یک بار پھینک دیتا طلاے دست افشار
 روئی کا رگاہ برگ و نوا تازش دردمان آب و ہوا
 رہبر و راہ نعل کا توشہ حلوئی و سدرہ کا جگر گوشہ
 صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم ناز پروردہ ہمار ہے آم
 خاص وہ آم، جو نہ ارزاں ہو نو بہر غنل بارے سلطان ہو
 وہ کہ ہے والی ولایت عہد عدل سے اس کے ہے حمایت عہد
 فخر دین، عز شان، و جاہ جلال زینت طہنت، و جمال کمال
 کار فرمے دین و دولت و بخت چہرہ آماے تاج و مہند و تخت
 سایہ اس کا، ہما کا سایہ ہے خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
 اے مفیض و وجود سایہ و نور جب تلک ہے نمود سایہ و نور
 اس خداوند بندہ پرورد کو واپٹ گنج و تخت و افسر کو
 شاد و دلش دوش دماں رکھو اور غالب پہ مہرباں رکھو

● ۱۸۵۵ء غزلیات

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں م شب فراق سے، روز جزا زیاد نہیں
 کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے؟ م بلا سے، آج اگر دن کو ابرو باد نہیں

جو آؤں سامنے ان کے، تو ”رہا“ نہ کہیں م
 کہی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں م
 علاوہ عید کے، ملتی ہے اور دن بھی شراب م
 جہاں میں ہو غم و شادی بہم، ہمیں کیا کام؟ م
 تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو، غالب م
 جو جاؤں والے سے کہیں کو، تو ”خیر باد“ نہیں
 کہ ”آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں“
 گداے کو چہ میخانہ نامسود نہیں
 دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کشاد نہیں
 یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ ”یاد نہیں“

۱۸۵۵ء

آئی اگر بلا، تو جگہ سے طے نہیں
 کتبے میں جا رہا، تو نہ دو طعنہ، کیا کہیں م
 طاعت میں تار ہے نہ سے وانگیں کی لاگ م
 ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسم تو اب سے؟ م
 غالب، کچھ اپنی سعی سے ہٹا نہیں مجھے م
 ایرا ہی دے کے ہم نے بچا یا ہے کشت کو
 بھولا ہوں حق صحبت، اہل کشت کو
 دوزخ میں ڈال دو، کوئی نے کربشت کو
 بیڑھا لگا ہے قضا، قلم سر نوشت کو
 خرمن جلے، اگر دملج کھائے کشت کو

۱۸۵۵ء

پھر اس انداز سے بہار آئی م
 دیکھو، اے ساکنانِ خطہ خاک م
 کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر م
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی م
 سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے م
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر م
 کیوں نہ دنیا کو ہو نوشی، غالب م
 کہ ہوئے، ہر دم، تاشانی
 اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
 بن گیا، روئے آب پر کاٹی
 چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
 بارہ نوشی ہے، بادِ چمپائی
 شاہِ دیندار نے شفا پائی

م - یہ شعر ”یادگار غالب“ میں درج ہے۔

۱۸۵۵ء

زندہ ہوئی ہے کو کبہ شہر یار کی م اترائے کیوں نہ، خاک سب رہ گزری
جب اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ م لوگوں میں کیوں نمود بہو لالہ زار کی
بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم، ملے م کیونکر نہ کھائیے؟ کہ ہوا ہے بہار کی

رباعی

۱۸۵۵ء

اوسیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بیجے ہیں جو ارضیاں شہر والانے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار ۲۰ فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

۱۸۵۶ء قادر نامہ

(قادر) اور (القدر) اور (یزداں) خدا
پیشوائے دیں کو کہتے ہیں (امام)
ہے (صحابی) دوست، خالص (ناب) ہے
بندگی کا، ہاں، (عبادت) نام ہے
کھولنا (افطار) ہے، اور روزہ (صوم)
ہے (صلوٰۃ)، اے مہرباں، اہم نماز
جانماز اور پھر (مُصلّا) ہے وہی
(اسم) وہ ہے، جس کو تم کہتے ہو نام
بگرد پھرنے کو کہیں گے ہم (طواف)
پھر (فلک) چرخ، اور (گردون) اور (پہر)

ہے (بنی، مرسل، پیہر) رہنا
وہ رسول اللہ کا قائم مقام
جمع اس کی، یاد رکھ، (اصحاب) ہے
نیک نعتی کا (سعادت) نام ہے
(لیل) یعنی رات، دن اور روز (یوم)
جس کے پڑھنے سے ہو راضی، اے نیاز
اور (تسجدہ) بھی گویا ہے وہی
(کعبہ، مکہ) وہ جو ہے (بیت الحرام)
بیٹھ رہنا گوشے میں ہے (اعتکاف)
آسمان کے نام ہیں، اے شک بہر

(بہر) سورج، چاند کو کہتے ہیں (ماہ)
 (عزب) بچیم، اور پورب (شرق) ہے
 آگ کا (آتش) اور (آذر) نام ہے
 (تیغ) کی ہندی اگر تلوار ہے
 نیولا (راسو) ہے اور (طاؤس) مور
 (نم) ہے مٹا، اور ٹھپا ہے (سبُو)
 (چاہ) کو کہتے ہیں ہندی میں کنواں
 دودھ جو پینے کا ہے وہ (شیر) ہے
 (سینہ) چھاتی، (دست) ہاتھ، اور (پاس) پانو
 (ماہ) چاند (اختر) ہیں تارے، رات (شب)
 (اُستخوان) ہڈی ہے، اور ہے (پست) کھال
 تل کو (کچھ) اور (رخ) کو گال کہہ
 کیڑا (سرطان) ہے، کچھوا (سنگ پشت)
 ہے (شکم) پیٹ، اور بغل (اسفوش) ہے
 ہندی میں (عقرب) کا بچھو نام ہے
 ہے وہی (کرڈم)، جسے (عقرب) کہیں
 ہے، لڑائی (حرب) اور (جنگ) ایک چیز
 ناک (منہ)، (پتہ) نتھنا، (گوش) کان
 (چشم) ہے آنکھ، اور (بزرگاں) ہے پلک
 منہ پر گر جھری پڑے، (آزنگ) جان
 (استا) (آزخ) اور چھالا (آبلہ)
 اونٹ (اشتر)، اور (اشغر) سیہ ہے
 ہے (زخ) ٹھوڑی، گلا ہے (جگر)
 ہے (زخ) ٹھوڑی، (زخ) بھگے وہی
 پھر (غلیوز) اُس کو کہیے، جو ہے چیل

ہے نبت (بہر)، لازم ہے نیاہ
 (ابر) بدلی، اور بکسلی (برق) ہے
 اور انگارے کا (آخگر) نام ہے
 فارسی پگڑی کی بھی (دستار) ہے
 (کبک) کو ہندی میں کہتے ہیں چکور
 (آب) پانی، (بحر) دریا، ہنرا (جُو)
 (دود) کو ہندی میں کہتے ہیں دھواں
 (طفل) لڑکا، اور بوڑھا (پیر) ہے
 (شاخ) ٹہنی، (برگ) پتہ، (سایہ) چھانو
 دانت (دنداں)، ہونٹ کو کہتے ہیں (لب)
 (سگ) ہے کتا اور گیدڑ ہے (شغال)
 گال پر جو تیل ہو، اُس کو (خال) کہہ
 (ساق) پنڈلی، فارسی مٹھی کی (مشت)
 کہتی (آزخ) اور کندھا (دوش) ہے
 فارسی میں بھوں کا (ابر) نام ہے
 (نیش) ہے وہ، ڈنک جس کو سب کہیں
 (کعب) ٹٹا اور (رشتا لنگ) ایک چیز
 کان کی کو (نرمہ) ہے، اسے مہربان
 آنکھ کی پستل کو کہیے (مردنک)
 فارسی چھینکے کی تو (آزنگ) جان
 اسے دائی جنائی (قابلا)
 گوشت (نم)، اور چربی (پیر) ہے
 سانپ ہے (مار) اور جینگر (زنجبرہ)
 (خار) ہے چیل، اور (زغن) بھگے وہی
 جیونی ہے (مور) اور ہاتھی ہے (ہیل)

لو مڑی (روباہ)، اور لاہو، ہرن
(اسپ) جب ہندی میں گھوڑا نام پائے
(گرہ)، ہٹی، (موش) چوہا، (دام) جال
(خر) گدھا، اور اس کو کہتے ہیں (الاش)
ہندی چوڑیا، فارسی (گنیشک) ہے
(تابہ) ہے، بھائی، ٹوے کی فارسی
نام سکڑی کا (کلاش) اور (غلیوت)
(لپٹہ) پتھر، اور نکلتی ہے (نگس)
بھڑیا (گروگ) اور بکری (گوسپند)
ملاگل) کا پھول، (شبنم) اس ہے
(سقف) چھت ہے، (سنگ) پتھر، ایٹ (خشت)
(خار) کانٹا، (لاخ) رقبہ، (نغمہ) راگ
(نر) ہے سونا، اور (زرگر) ہے سنار
(ریش) (راڑھی) مویچہ (نھلت) اور (بروت)
زندگانی ہے (حیات)، اور (مرگ) موت
(جملہ) سب، اور (نصف) آدھا، (ربط) پاؤ
ہے (جراحت) اور (زخم) اور گھاؤ (ریش)
(ہفت) سات، اور (ہشت) آٹھ، اور (ایب) بیس
ہے (جیل) چالیس، اور (نیمہ) پچاس
(دوش) کل کی رات، اور (سرور) (آج)
چاہیے ہے ماں کو (سار) جانتا
پھاوڑا (بیل) اور درانتی (طاس) ہے
سبز ہو جب تک، اُسے کہیے (گیاہ)
(چکسہ) پڑیا، (کیسے) کا تھیلی ہے نام
(اخٹندرو) جھنجھٹا (نیرو) ہے زور

(شمس) سورج، اور (شمار) اُس کی کرن
(مازیانہ) کیوں نہ کوڑا نام پائے
(رشتہ) تاگا، (جامہ) کپڑا، (تھیل) کال
(وگیداں) جو لھا، جسے کہیے (اُجاغ)
مینگنی جس کو کہیں وہ (پشک) ہے
اور (تپہو) ہے ٹوے کی فارسی
کہتے ہیں پھلی کو (ماہی) اور (حوت)
(آشیانہ) گھونسل، پتھر (قفس)
(میش) کاٹے نام بھیڑ، اسے خور پسند
جس کو نقارہ کہیں، وہ (کوس) ہے
جو بُرا ہے، اُس کو ہم کہتے ہیں (زشت)
(ریم) چاندی، (مصل) ہے تانبا، (نخت) بھاگ
(مور) کیلا، اور گکڑی ہے (خیار)
(احق) اور (تاران) کو کہتے ہیں اُوت
(مٹوے) خاوند، اور ہے (انباغ) سوت
(محرر) آندھی، (نیل) نالا، (باد) یاؤ
بھینس کو کہتے ہیں، بھائی، (گاؤ میش)
(سی) اگر کہیے، تو ہندی اُس کی شیس
(نااسیدی) یاس، اور (اُمید) آس
(آرو) آٹا، اور (غلتہ) ہے اندج
اور بھائی کو (برادر) جاتا
فارسی (کاہ) اور ہندی گھاس ہے
خٹک ہو جاتا ہے، تب کہتے ہیں (کاہ)
فارسی میں دھپے کلا سیلی) ہے نام
(بادفر) پھر کی ہے، اور ہے (دزد) چور

انجیں (شہد) اور (عسل) یہ اسے عزیز
(آجکل) اور (آروغ) کی ہندی ڈکار
روٹی کو کہتے ہیں (پنبہ) سن رکھو
(خانہ) گھر ہے اور کوٹھا (بام) ہے
سہے بنولا (پنبہ دانہ) لاکھ م
گر (دریچہ) فارسی کھڑکی کی ہے
ہے کہانی کی (فسانہ) فارسی
(نعل درآتش) اُسی کا نام ہے
(پیت) اور ستو کو کہتے ہیں (سولق)
(نار) تانا، (پود) بانا، یاد رکھ
(یوسہ) مچھلی، چاہنا ہے (خواستق)
خوش رہو، ہنسے کو (خندیدن) کہو
ہے (ہراسیدن) بھی ڈرنا، کیوں ڈرو؟
ہے گزرنے کی (گزشتن) فارسی
وہ (سُردن) ہے، جسے گانا کہیں
(زیستن) کو جان من، جینا کہو
دوڑنے کی فارسی ہے (تاغستن)
(دوختن) سینا، (دریدن) پھاڑنا
(کاشتن) بوتا ہے اور (کشتن) بھی ہے
ہے ٹپکنے کی (چکیدن) فارسی
گودنا (جستن)، (بریدن) کاٹنا
دیکھنا (دیدن)، (رمیدن) بھاگنا
(آسیدن) آنا، بنانا (ساختن)
(سوفتن) جلتا، چمکتا (تافتن)
باندھنا (بستن)، (کشادن) کھولنا۔

نام کو ہیں تین، پر ہے ایک عجیب
(مے) شراب، اور پینے والا (میگسار)
آدم کو کہتے ہیں (آندہ) سن رکھو
قلعہ (دژ)، کھائی کا (خندق) نام ہے
اور تیربڑ (ہندوانہ) لاکھام
(سرزنش) بھی فارسی جھڑکی کی ہے
اور شعلے کی (زبانہ) فارسی
جو کہ بے چین اور بے آرام ہے
(ذرف) اور گھرے کو کہتے ہیں (غیق)
(آزمودن) آزمانا یاد رکھ
کہ ہے (اندک)، اور گھٹانا (کاستن)
گر ڈرو، ڈرنے کو (ترسیدن) کہو
اور (جنگیدن) ہے لڑنا، کیوں لڑو؟
اور پھرنے کی ہے (گشتن) فارسی
ہے وہ (آوردن)، جسے لانا کہیں
اور (نوشیدن) کو تم پینا کہو
کھیلنے کی فارسی ہے (باختن)
(کاشتن) بوتا ہے (رفتن) جھاڑنا
کاتنے کی فارسی (روشتن) بھی ہے
اور شننے کی (شنیدن) فارسی
اور (بیسیدن) کی ہندی چاٹنا
جہان لو، (بیدار بودن) جاگنا
ڈالنے کی فارسی (انداختن)
ڈھونڈھنا (جستن) ہے پانا (پاقتن)
(داشتن) رکھنا ہے، (سختن) تون

تولنے کو اور (سجیدن) کہو
فارسی سونے کی (گفتن) جانے
کھینچنے کی ہے (کشیدن) (فارسی
اونگھنا پوچھو، (منوون) جان لو
ہے قتل کا فارسی میں (خامہ) نام
کس کو کہتے ہیں غنزل؟ ارشاد ہو
صبح سے دیکھیں گے رستایار کا غزل
وہ چپراوے باغ میں میوہ جسے
پل ہی پر سے پھیر لائے ہم کو لوگ
شہر میں چھڑیلوں کے میلے کی ہے بھیڑ
لال ڈنگی پر کرے گا جاکے کیا؟
گرنہ ڈر جاؤ، تو دکھلاؤں تمہیں
واہ بے لڑکے، پڑھی اچھی غنزل
بوسنو کل کا سبق، آجاؤ تم
چھانی کو (غسریال، پرویزن) کہو
(چہ) کے معنی کیا، (چگولیم) کیا کہوں
(باز خواہم رفت) میں پھر جاؤں گا
فارسی کیوں کی (چرا) ہے، یاد رکھ
(دشت)، (صحرا) اور جنگل ایک ہے
جس کو (ناراں) کہیے وہ اُجھان ہے
جس کو کہتے ہیں جھائی، (قازہ) ہے
(بارہ) کہتے ہیں کڑے کو، ہم سے پوچھ
جس طرح گھنے کی (زیور) فارسی
بھڑکی، بھائی، فارسی (زبور) ہے
فارسی (آئینہ) ہندی آرسی

پھر خفا ہونے کو (رجسیدن) کہو
منہ سے کچھ کہنے کو (گفتن) جانے
اور آگنے کی (رومیدن) فارسی
ما بھنا چا ہو، (زردون) جان لو
ہے غنزل کا فارسی میں (چامہ) نام
ہاں، غزل پڑھیے، سبق گر یاد ہو
جمعے کے دن وعدہ ہے دیدار کا
پھانچا حبان، یاد ہو، دیوار کا
ورنہ، کھتا اپنا ارادہ پار کا
آج عالم اور ہے بازار کا
پل پہ چل، ہے آج دن اتوار کا
کاٹ، اپنی کاٹھ کی تلوار کا
شوق، ابھی سے ہے تجھے، اشعار کا
پوڑی (افشار) اور دُبی (پاردم)
چھید کو تم (رخمنہ) اور (روزن) کہو
(من شوم خاموش) میں چپ ہو رہوں
(نان خواہم خورد) روٹی کھاؤں گا
اور گھٹالا (درا) ہے، یاد رکھ
پھر (سہ شنبہ) اور منگل ایک ہے
فارسی جنگلی کی (باد غسان) ہے
جو ہے انگڑائی، وہی (خمیازہ) ہے
پاڑ ہے (تالار) ایک عالم سے پوچھ
اس طرح ہنسی کی (پدگر) فارسی
دُپٹا (اُنبر) ہے اور (اُنبر) ہے
اور ہے کنگھے کی، (شانہ) فارسی

ہینگ (انگوڑہ) ہے، اور (آرزیر) رائگ
(زوجہ) جوڑو، (زندہ) بہنوئی کو جان
لوہے کو کہتے ہیں (آہن) اور (تھیدہ)
ہے (نوا) آواز، ساماں اور اول
(سیر) لسن، (ترب) مولیٰ، (ترہ) ساگ
روئی کی پونی کا ہے (پاغٹ) نام
(گینی) اور (گہناں) ہے دنیا، یاد رکھ
(کوہ) کو ہندی میں کہتے ہیں پہاڑ
تھیکہ (بالش)، اور بچھونا، لیسترا
بسترا بولیں سپاہی اور فقیر
(پیسر) بوڑھا اور (برکنا) ہے خواں
اینٹ کے گارے کا نام (آژند) ہے
(بند) کو (آندرز) بھی کہتے ہیں زہاں
کیا ہے (ارض) اور (مرز) تم کچھ؟ (زمین)
(آس) چکی، (آسیا) مشہور ہے
بالنس (نئے) اور (تھلاجل) جھانجھ ہے
(کٹل) سہمہ، اور سلائی (زمیل) ہے
پایا وقت در نامے نے آج اختتام
شعر کے پڑھنے میں کچھ حاصل نہیں
علم سے ہی قدر ہے انسان کی
کیا کہیں کھائی ہے حافظ جی کی مار؟
کس طرح پڑھتے ہو جگ جگ کر صبق؟
جس نے قادیان نامہ سارا پڑھ لیا

(ساز) باجا، اور ہے آواز (بانگ)
(تشم) غصے اور بد خوئی کو جان
جوئی ہو چیسز، اُسے کہیے (تھیدہ)
(برخ) قیمت، اور (بہا) یہ سب ہیں مول
کھا (بخور)، بر خیز اٹھ، (بگریز) بھاگ
(دوک) تھکے کو کہیں گے لاکھام
اور ہے (کٹاف) دھنیا، یاد رکھ
فارسی (گلگن) ہے اور ہندی ہے بھاڑ
اصل (لستر) ہے، سمجھ لو تم زرا
ورنہ (لستر) کہتے ہیں برتاو پیر
جان کو البتہ کہتے ہیں (رواں)
ہے (نیعت) بھی وہی، جو (پند) ہے
(ارض) ہے، پر (مرز) بھی کہتے ہاں
(عشق) گردن، اور پیشانی (تعبیں)
اور (فوقل) جھالیا مشہور ہے
پھر (سترون) اور (عقیمہ) بانجھ ہے
جس کو جھولی کہیے، وہ (زنبیل) ہے
اک غزل تم اور پڑھ لو، والسلام
غزل مانتا، لیکن ہمارا دل نہیں
ہے وہی انسان، جو حائل نہیں
آج ہنتے آپ جو کھل کھل نہیں
ایسے پڑھنے کا تو میں تاک نہیں
اُس کو آمد نامہ کچھ مشکل نہیں

مئی ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۲ء

متفرق

تیسرا مطبوعہ ایڈیشن ۱۸۶۱ء

چوتھا مطبوعہ ایڈیشن ۱۸۶۲ء

(پانچویں مطبوعہ ایڈیشن (۱۸۸۳ء) کے تمام
اشعار چوتھے مطبوعہ ایڈیشن تک شامل دیوان
ہو کر شائع ہو چکے تھے)

قطرہ

۱۸۵۷ء

بسکہ فتنالِ مائِرید ہے آج
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے
شہرِ دہلی کا ذرہ ذرہ خاک
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک
میں نے مانا کہ مل گئے، پھر کیا؟
گاہ جیل کر کیا کیے شکوہ
گاہ رو کر کہا کیے باہم
اس طرح کے وصال سے یارب!

ہر سکشور انگشتاں کا
ذہرہ ہوتا ہے آبِ انساں کا
گھر بنا ہے غونہ زنداں کا
تشنہ غول ہے، ہر مسلمان کا
آدمی، واں نہ جاسکے، یاں کا
وہی روتا تن و دل و جہاں کا
سوزشِ داغ غمساے پنہاں کا
ساجسا دیدہ ہائے گریاں کا
کیا مٹے دل سے داغِ جیراں کا؟

قطرہ


بعد از ۱۸۵۷ء

مسلمانوں کے سیلوں کا ہوا قتل
نشاں باقی نہیں ہے سلطنت کا

مجھے ہے جوگ مایا اور دستی
مسگر ہاں، نام کو اور رنگ زہی

۱۔ "قطرہ اردوئے معلّٰی: ۴۱۰ میں علّائی کے نام کے ایک خط کے ساتھ بغیر کسی حوالے کے
چھپا ہے۔ مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے متعلق ہے۔"

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے غالب کے بعض غیر متداول اشعار کا زمانہ فکر، ص ۴۴

مارچ ۱۸۶۱ء  اگریہ قبیلہ از مارچ ۱۸۶۱ء

ہا

ہم نشیں تارے ہیں، اور چاند شہاب الدین خاں
ان کو لڑیاں نہ کہو، جس کی مر جیں سمجھو

بزم شادی ہے فلک اکاہ کشاں ہے ہمسرا
ہے تو کشتی میں، وئے بحر رواں ہے ہمسرا

● **بود از ۱۸۵۷ء غزلیات**

آپ نے "مستی الفرو" کہا ہے تو سہی
 رنج، طاقت سے سوا ہوا تو نہ بیٹوں کیونکہ؟
 ہے غنیمت کہ بائید گزر جائے گی عمر
 دوست گر کوئی نہیں ہے بھوکے چاہ گری
 غیر سے، دیکھیے، کیا خوب نبای اُس نے
 نقل کرتا ہوں اُسے نامہ اعمال میں، میں
 کبھی آجائے گی؛ کیوں کرتے ہو جلدی غالب؟

یہ بھی، یا حضرت ایوبؑ، گلاب ہے تو سہی
 ذہن میں، بخوبی تسلیم و رضا ہے تو سہی
 نہ ملے داد، مگر روزِ جزا ہے تو سہی
 نہ سہی، لیک تمنا ہے دوا ہے تو سہی
 نہ سہی ہم سے، پر اُس بت میں وفا ہے تو سہی
 کچھ کچھ روزِ ازل تم نے کھلے تو سہی
 شہرہ تیزی شمشیرِ قضا ہے تو سہی

● یوزار ۱۸۵۷ء

دو رنگیاں یہ نہ ملنے کی اچھتے جی میں سب
کہ مردوں کو نہ بدلتے ہوئے کفن اڑکھا

● بعد از ۱۸۵۷ء
 سیری میں بھی کمی نہ ہوتی تاکہ جھانک کی
 وہ مرغ ہے غمزاں کی مصوبت سے بلے بھر

روزن کی طرح، دید کا آزار نہ گیا
 آئندہ سال تک جو گرفتار نہ گیا

۱۵، ۱۶، ۱۷، تقویم کے یہ دیکھئے غائب کے بعض غیر متداول اشعار کا زمانہ فکر ص ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۹

قصیدہ

۶۱۸۵۸

جناب عالی امین برون والا جاہ
کہ ایاج تاج سے لیتا ہے جس کا طرف کلاہ
نیابتِ دم عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ
بنے ہے، شعلہ آتش، انیس پیرہ گاہ
جہاں ہو، تو سنِ حشت کا اُس کے حوالاں گاہ
وہ خوشگیاں ہو، تو گردوں کے: "خدا کی پناہ"
کہ دشت و کوہ کے اطراف میں، پیر سر راہ
کبھی جو، ہوتی ہے ابھی ہوتی، دمِ روباہ
نہ بادشاہ، وے مرتبے میں ہمسر شاہ
ستارہ جیسے چمکتا ہوا، پہلو سے ماہ
شجاعِ مہر درخشاں ہو، اُس کا تارِ نگاہ
بنے گا، شرق سے تا غرب، اس کا بازی گاہ
کہ تاباں اس کے ہوں روز و شب سپید و سیاہ
لکھیں گے لوگ اسے: "خسرو ستارہ سپاہ"

ملاؤ کشور و لشکر، پناہ شہر و سپاہ
بلند رتبہ وہ عاکم، وہ سر فراز امیر
وہ محض رحمت و رافت، کہ پیر اہل جہاں
وہ عینِ عدل کہ دہشت سے جس کی پریش کی
زمین سے سودہ گو ہر اٹھے، بجائے غبار
وہ مہرباں ہو، تو انجم کہیں: "اُپنی، شکر ابا"
یہ اس کے عدل سے آضداد کو ہے، آمیزش
ہو، تیر پیچھے سے لیتا ہے کام شانے کا
نہ آفتاب، وے آفتاب کا ہم چشم
خدا نے اُس کو دیا ایک خوب و فرزند
زہے! ستارہ روشن، کہ جو اُسے دیکھے
خدا سے ہے یہ توقع کہ عہدِ طفلی میں
جو ان ہو کے کرے گا، یہ وہ جہاں نبانی
کہے گی خلق اسے: "داورِ سپہر شکوہ"

ط یہ قصیدہ میرزا صاحب نے منشی نے شیو ترائین کی طرف سے مسٹر امین برون کے یہاں پیش پایا ہونے
کی مبارکباد پر لکھا تھا۔ چنانچہ منشی جی کو خط میں لکھتے ہیں:

"میں آپ کا خط آیا۔ رات بھر میں نے فکر شعر میں خونِ جگر کھایا۔ ۲۱ شعر کا قصیدہ
کہہ کر تمہارا حکم بجا لایا۔ میرے دوست، خصوصاً میرزا قفّہ، جانتے ہیں کہ میں فنِ تاریخ
کو نہیں جانتا۔ اس قصیدے میں ایک روش خاص سے سنہ ۱۸۵۸ء کا اظہار کر دیا ہے۔ خدا
کرے، تمہارے پسند آوے۔ تم خود قدردانِ سخن ہو، اور میں استاد اس فن کے تمہارے
یار ہیں۔ میری محنت کی داد مل جائے گی۔"

روان روشن و غورے غورے خوش و دل آگاہ
پڑے نہ قطعِ خصومت میں، احتیاجِ گواہ
یہ لے گا، بارشِ چلتی سے جبینِ تحت و کلاہ
یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے، شام و پیگاہ
دراز اس کی ہو عمر اس قدر سخن کوتاہ
کہ آپ کا ہے نمکِ خوار اور دولتِ خواہ
تمہیں اور اس کو سلامت رکھے سدا، اللہ!

عطا کرے گا خداوند کار ساز اسے
ملے گی اس کو وہ عقلِ نہفتہ دال کہ اسے
یہ ترکتاز سے، ہم ہم کرے گا کشورِ روس
بینِ عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھیاون
یہ جتنے سینکڑے ہیں، سب ہزار ہو جاویں
امیدوارِ عنایات، شیونارا مین
یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ

● ۱۸۵۸ء غزل

بہت سہی غمِ گیتی، شرابِ کم کیا ہے؟ م
تمہاری طرزِ ورش، جانتے ہیں ہم کیا ہے م
یہ شر و شر کا قائل، زکیش و ملت کا
وہ داد و دیدِ گرامنسا یہ شرط ہے، ہدم
کٹے تو شب کہیں، کاٹے، تو سانپ کہلاھے
لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود
سغن میں خاتمہ غالب کی آتش افشانی م

غلامِ ساقی کو تر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے؟
رقیبِ تر ہے اگر لطف، تو قسم کیا ہے؟
خدا کے واسطے! ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟
وگر نہ، مہرِ سیلمان و جامِ جم کیا ہے؟
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خمِ خم کیا ہے؟
کسے خبر ہے کہ وہاں جنبشِ قلم کیا ہے؟
یقین ہے ہم کو بھی، لیکن وہاں دم کیا ہے؟

مرثیہ

● قبل از ۱۸۶۰ء

ہاں، اے نفسِ بادِ محر، شعلہ فشاں ہو
اے دجلہِ تنوں، چشمِ ملائک سے رواں ہو

خط بنام مرزا حاتم علی ہر۔ اوائل جولائی ۱۸۵۸ء

سرورِ ریاض ص ۳۷ تا ۲۷۰ از ریاض الدین احمد سندھوی ریاضِ تخلص۔

یہ بندہ غور غالب نے "اپنے دستِ وفاس سے لکھ کر" ۲۶ جون ۱۸۶۰ء کو اپنے دوست غلام کو دیا تھا۔

اے زمزمہ قم، لب عیسیٰ پہ فغاں ہو اے ماتمیانِ شہِ مظلوم کہاں ہو؟
 بگڑی ہے بہت بات، بنائے نہیں بنتی
 اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی
 تابِ سخن و طاقت غوغا نہیں ہم کو ماتم میں شہِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
 گھر چھوٹنے میں اپنے، کجا نہیں ہم کو گر چہ رخ بھی جل جائے، تو پروا نہیں ہم کو
 پھر گر گئے پائید جو مدت سے بیبا ہے
 کیا خیمہ شہیر سے رتبے میں سوا ہے؟
 کچھ اور ہی عالم ہے دل و چشم و زباں کا کچھ اور ہی نقشہ، نظر آتا ہے جہاں کا
 کیسا فلک؟ اور مہر جہاں تاب کہاں کا ہوگا دل بیتاب کسی سوختہ جاں کا
 اب صاعقہ و مہر میں کچھ فشرق نہیں ہے
 گر تانا نہیں، اس رتو سے کہو، برق نہیں ہے

شعر

● قبل از ۱۸۶۰ء

اگر ہوتا تو کیا ہوتا، یہ کہیے نہ ہونے پر ہیں یہ باتیں دہن کی

● ۱۸۶۰ء قطع

جب کر شید غلام باہا نے مسند عیش پر جبکہ پائی
 ایسی رونق ہوئی برات کی رات کہ کوا کب ہوے متاستانی

ر۔ تفصیل کے لیے دیکھیے "غالب کے بعض غیر متداول اشعار کا زمانہ فکر" ص ۵

خط بنام سیٹھا ۳۱ جولائی ۱۸۶۰ء

قطرہ

۱۸۶۰ء

زار شکر کر سٹید غلام ہانا نے
زین پر ایسا تاشا ہوا برت کی رت
فسرانہ مندر عیش و طرب جگہ پائی
کہ آسماں پر کواکب بنے تماشا ٹی

● قبل از ۱۸۶۱ء غزلیات

حالت ترے عاشق کی یہ اب آن بٹھ ہے
اعضا شکنی ہو چکی، اب جاں شکنی ہے

● قبل از ۱۸۶۱ء

گھر سے نکالنا ہے اگر، ہاں نکالے
لیں بوسہ، یا معیبت ہجران بیاں کریں
ناحق کی تجھیں نہ، مری جاں، نکالے
اک منہ ہے، کون کون سے اراں نکالے

● قبل از ۱۸۶۱ء

جو معشوق زلف دوتا باندھتے ہیں
مرے سوسے کالی بلا باندھتے ہیں

● قبل از ۱۸۶۱ء

وصل میں عجب کا ڈر یاد آیا
نہیں جنت میں مقر یا د آیا

خط ہام سید ۲۱ جولائی ۱۸۶۰ء

پیشہ، قاضی معراج دھولپوری مرحوم عجلالہ "بانگ بہار" تاریخ ختم کتاب، صفر ۱۲۷۵ھ مطابق

۱۵ اگست ۱۸۶۱ء، مضمون شائع شدہ، جاریہ کتاب، ۱۸ اگست ۱۹۶۱ء

● ۱۸۶۱ء

قطرہ

آب و تاب انطباع کی پائی
ایک صورت نئی نظر آئی
دیے ناگاہ بھسکو دکھلائی
ہا ہزاراں ہزار نریائی
بے شمول عبارت آرائی
ہے بعد اگانہ کار فرمائی
ہا سید سعادت افزائی
جن سے ہے چشم جاں کو بنائی
جن سے ایساں گویاں توانائی
جو اٹھ کے ہیں تولائی

اس کتاب طرب نصیب نے جب
شکر تاریخ سال میں مجھ کو
ہند سے پہلے سات سات کے دو
اور پھر ہند سے تھا بارہ کا
سال بھری تو ہو گیا معلوم
مگر اب ذوقِ بذلہ سبھی کو
سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
عشر من اس سے ہیں چارہ معصوم
اور بارہ امسام ہیں بارہ
ان کو، غائب، یہ سال اچھا ہے

قطرہ

● ۱۸۶۲ء

حکیم عاذق و دان ہے، وہ لطیف کلام
کسی کو یاد بھی لہنتان کا نہیں ہے نام
ہوئی ہے، مبدعِ عالم سے، اس قدر انعام
ہزار بار فلاطوں کو دے چکے الزام
کہ جس میں حکمت و طبیبی کے مسئلے ہیں تمام
نہیں کتاب ہے اک معدنِ جواہر کام
کمالِ شکر میں دیکھا خرد نے، بے آرام

سلیم خاں کہ وہ ہے نورِ چشم واصلِ ماں
مقامِ دہر میں اس کے مطب کا چرچا ہے
اسے قصائلِ علم و ہنر کی افزائش
کہ بحثِ علم میں، اطفالِ آج بھی اس کے
عجیب نسخہ نادر، لکھا ہے ایک اس نے
نہیں کتاب ہے اک منبعِ سکاتِ بدیع
کل اس کتاب کے سال تمام میں جو مجھے

۱۔ تذکرہ سراپا سخن از حسن علی حسن کھنوی۔ ص ۲۹۳ - ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰/۶۱ء)۔

۲۔ مشکیفِ حکمت از حکیم محمد سلیم خاں دہلوی بطبوعہ دارچ ۱۸۶۹ء ص ۱۸۸

کہا یہ جھد کر "تو اس میں سوچتا کیا ہے؟" لکھا ہے "نسخہ تحفہ" یہی ہے سالِ تہ

● ۱۸۶۲ء غزل

کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز؟ م کیا نہیں ہے مجھ افسان عزیز
دل سے نکلا، پہ نہ نکلا دل سے م ہے ترے تیسرے پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی، غالب م واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

رباعیات

● ۱۸۶۲ء

رقعے کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے؟ حاجی کتو کو دے کے بے وجہ جواب
ثاقب حسرت یہ کی ہے بجا تم نے غالب کا پکا دیا کیلج تم نے

اے روشنی دیدہ شہاب الدین خاں اے روشنی دیدہ شہاب الدین خاں
ہوتا ہے تراویح سے فرصت کب تک؟ سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن؟

طوے۔ "یہ دونوں رباعیاں گویا دو منکوم خط میں جو رزا صاحب نے ثاقب شہاب الدین خاں بہادر
ثاقب کو لکھے تھے۔ مولوی امین پرشاد مرتبہ خطوط غالب کا حصہ میں = ۱۸۶۲ء کے بعد کا معلوم
ہوتا ہے"



١٨٤٣ء

٢

١٨٤٤ء

متفرقات



قصیدہ

۱۸۶۳ء

ابھی حساب میں باقی ہیں، سو ہزار گرہ
ہوا کرے گئی ہر اک سال آشکار گرہ
یہ کھٹکشا ہے، کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں اتین چار گرہ
کہ ”دیکھ کتنی، اٹھالائے گا یہ تار، گرہ“
جو یاں گنیں گے، تو پاویں گے نو ہزار گرہ
کرے گا سینکڑوں، اس تار پر شمار گرہ
رواں ہوتا رہے فی الفور، دائہ وار، گرہ
کہ لائے غیب سے غنچوں کی، نو بہار، گرہ
ہوا میں بوند کو، ابرہ تگرگ بار، گرہ
کہ ہو گئے ہیں، گہرہ ہائے شاہوار، گرہ
کہ بن گئے ہیں، خرطائے شاخوار، گرہ
تجے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار، گرہ
لگے گی، اس میں، ثوابت کی استوار، گرہ
بلا مبالغہ، درکار ہے ہستار، گرہ
کہ چھوڑتا ہی نہیں، رشتہ زینار، گرہ

گنی ہیں سال کے رشتے میں میں بار، گرہ
گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروز شمار
یقین جہان، برس گناٹھ کا جو تاکا ہے
گرہ سے اور گرہ کی اُسید کیوں نہ بڑھے؟
دکھا کے رشتہ، کسی جوشی سے پوچھا تھا
کہا کہ ”چسرا پہ ہم نے گنی میں نو گرہ ہیں
خود آسماں ہے مہاراجہ پر صدقہ
وہ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے
انھیں کی ساگرہ کے لیے ہے سال بسال
انھیں کی ساگرہ کے لیے بناتا ہے
انھیں کی ساگرہ کی یہ شادمانی ہے
انھیں کی ساگرہ کے لیے ہے یہ تو قیر
سن، اے ندیم، برس گناٹھ کے، یہ، تا گئے
پے دعائے بقائے جناب فیض مآب
ہزار دانے کی تسبیح چاہتا ہے بنے
عطا کیا ہے خدا نے وہ جاذبہ اس کو

۱۔ ”یہ قصیدہ راجہ شیوہان سنگھ والی انور کی شان میں لکھا گیا ہے۔ معربہ اول سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس وقت ان کی ۲۰ ویں سالگرہ کا جشن منایا جا رہا تھا۔ چونکہ وہ راجہ مہین سنگھ کے ۱۸۵۰ء بھرتے

پر ۱۳ برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے، اور ستمبر ۱۸۶۳ء میں بوم کو پہنچ کر با اختیار کیے گئے۔

(ریاض الارض صفحہ مولوی رحمن علی خاں: ۵۳، طبع نو لکھنؤ ۱۹۷۴ء)۔ اس حساب سے یہ قصیدہ

اسی مہینے میں لکھا کہ پیش کیا گیا ہو گا۔“

کشادہ رخ نہ پھرے کیوں ہلے اس زمانے میں
متاع عیش کا ہے، قافلہ چلا آتا
خدا نے دی ہے وہ، غالب کو، دنگاہ سخن
کہاں مجال سخن؟ سانس لے نہیں سکتا
گرہ کا نام لیا، پر نہ کر سکا کچھ بات
کھلے یہ گانٹھ، تو البتہ دم نکلیں جادے
ادھر نہ ہوگی، توجہ حضور کی جب تک
دعا ہے کہ مخالف کے دل میں، از رو بغض
دل اس کا پھوٹ کے نکلا، یہ شکل پھوٹ کے

بچی نہ، از پے بندہ نقاب یا و گرہ
کہ جادہ رشتہ ہے، اور ہے شتر قطار گرہ
کر وڑوں ڈھونڈھ کے لاتا یہ خاکسار گرہ
پڑی ہے، غم کی، مرے دل میں بیچہار گرہ
زباں تک آکے، ہوئی اور استوار گرہ
جڑی طرح سے ہوئی ہے گلے کا ہار گرہ
کبھی کسی سے کھلے گی نہ، زہنہار گرہ
پڑی ہے یہ جو بہت سخت نا بھار گرہ
خدا کرے کہ کرے اس طرح ابھار گرہ

مثنوی

۱۸۶۴ء

اے جہاں آفریں خداے کریم
نام میکلوڈ جن کا ہے مشہور
عمر و دولت سے شاندار ہیں!

صانع ہفت چرخ و ہفت اقلیم
یہ ہمیشہ صد نشاط و سرور
اور غالب پہ ہر بان رہیں

۷۔ مثنوی میرزا غالب کے مرتبہ اس ہے نام اردو کتابچے کے دیباچے کے آخر میں ملتا ہے، جو آغوں نے ہندوستان میں مقیم انگریزوں کو اردو سکھانے کے لیے اپنے منتخب رقعات اور اشعار پر مشتمل ترتیب دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہ مکتبہ جس زمانے میں میکلوڈ صاحب کی لڑکیاں تھیں، اس زمانے میں وہ پنجاب کے فنانشل کمشنر تھے۔ تاریخ پنجاب مصنفہ دیبی پرشاد: ۱۹۷۷ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ جنوری ۱۸۶۵ء کو منٹگری نے پنجاب کی گورنری سے استقفا دیا، تو ان کی جگہ میکلوڈ صاحب کا فتر کیا گیا۔ پس اس کا دپے کو کم از کم ۱۸۶۴ء میں مرتب ہونا چاہیے۔

شعر

۱۸۶۴ء

ان دلفریبیوں سے نہ کیوں اُس پر پیار آئے
روٹھا جو بے گناہ، تو بے عذر من گیا

رباعی

۱۸۶۴ء

اے منشی خیرہ سر سخن ساز ہو
آواز تری نکلی اور آواز کے ساتھ
عصفور ہے تو، مقابلِ یازن ہو
لاٹھی وہ لگی کہ جس میں آواز نہ ہو

قصیدہ

۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء تا ۸ جنوری ۱۸۶۵ء

مرحبا! سالِ فخری آئیں
شب و روز، افتخارِ لیل و نہار
عیدِ شوال و مساءِ ضرور دیں
مددِ سال، اشرفِ شہور و عیش
گرچہ ہے بعدِ عید کے نوروز
لیک: بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو، اس اکیس دن میں، ہولی کی
جلیں اجا بجا، ہوئیں رنگیں
شہر میں، کوہِ کو، عجیر و گلال
باغ میں سو بہ سوا، گل و لہری

۱۔ خطِ بنامِ بچہ مورخہ ۲ مارچ ۱۸۶۴ء

۲۔ لطائفِ طیبی ص ۱۵

۳۔ خطِ بنامِ منشی سید چنگ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۵ء سے پتا چلتا ہے کہ یہ قصیدہ ۱۵ دسمبر

۱۸۶۴ء اور ۸ جنوری ۱۸۶۵ء کے درمیان لکھا گیا تھا۔ یہ نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم

کے جشنِ محبت کے موقع پر لکھا گیا تھا۔

شہر، گویا، منوہ و گلزار
 تین تیوہار اور ایسے خوب
 پھر ہوئی ہے اسی پہننے میں
 محفل غسل صحت نوا آب
 بزم گرمیں، امیر شاہ نشان
 پیش گاہ حضور، شوکت و جہا
 جن کی مسند کا، آسمان گوشہ
 جن کی دیوار قصر کے سینچے
 دہر میں اس طرح کی بزم سرور
 انجم چرخ، گوہر آگین و شرش
 راجہ اندر کا ہو اکھاڑا ہے
 وہ نظر گاہ اہل وہم و خیال
 واں کہاں یہ عطا و بدل و کرم
 یاں زمین پر نظر جہاں تک جاے
 نغمہ مطربان زہرہ نوا
 اس اکھاڑے میں جو کہے منظموں
 سرور بہر فنر ہوا جو سواد
 سب نے جانا کہ ہے پری توں
 نقش سیم سمند سے، بحر
 فوج کی گرد راہ مشک فشاں
 بسک بخشی ہے فوج کو عزت
 موکب خاص، یوں زمیں پر تھا
 چھوڑ دیتا تھا گور کو، بہرام
 اور داغ آپ کی غسلائی کا
 بندہ پرور شہنشاہی سے

باغ، گویا، نگار خانہ چیں
 جمع ہر گز ہوئے نہ ہونگے کہیں
 منقذ، محفل نشاط قریں
 رونق افروز مسند تکیں
 رزمگاہیں، حریف شیر کہیں
 خیر نواہ جناب، دولت و دیں
 جن کی خاطر کا، آفتاب نیگیں
 آسمان، ہے گاہ سایہ نشیں
 نہ ہوئی ہو، کبھی بروئے زمیں
 نور سے، ماہ ساغیر یسین
 ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
 یہ، ضیا بخش چشم اہل یقیں
 کہ جہاں گد یہ گر کا نام نہیں
 ترالہ آسان پچھے ہیں، دیر کشیں
 حبلوہ تو لیاں ماہ جلیں
 یاں، وہ دیکھا چشم صورت ہیں
 بکمال تجسس و تزیں
 اور بال پری ہے، دامن زمیں
 بن گیا، دشت، دامن گلپیں
 رہروں کے مشام عطر آگین
 فوج کا ہر پیادہ، ہے فرزین
 جس طرح ہے سپہر پر، پروں
 لان پر داغ تازہ دے کے، وہیں
 خاص بہرام کا ہے زیب سریں
 مدعا، عسکر فن شعر نہیں

آپ کی مدح اور مسیرا منہ
اور پیراب، کہ منصف پیری سے
پیری و نیستی، خدا کی پناہ!
صرف، اظہار ہے، ارادت کا
مدح گستر نہیں، دعا گو ہے
ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں
گر کہوں بھی، تو کس کو آئے یقین
ہو گیا ہوں تزار و زار و حزن
دست خالی و خالی سر نگین
ہے قلم کی، جو سجدہ ریز، جین
غالب صاحبِ دنیا ز آگین
تم رہو زندہ جیسا وداں، آئین!

شعر

● قبل از ۱۸۶۵ء

نوشی نیچنے کی کیا، مرنے کا غم کیا
ہماری زندگی کیا، اور ہم کیا!

قطرہ

● ۱۸۶۵ء

مقام شکر ہے، اے ساکنانِ خطہ خاک
کہاں ہے ساقیِ ہوش؟ کہاں ہے ابِ مظہر
خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر انسانی
ہر ایک قطرے کے ساتھ آئے ہو ملک، وہ کہنے
فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں
جنابِ قبلۂ حاجات، اس بلاکش نے
شفا ہو آپ کو، غالب کو بندِ غم سے نجات
رہا ہے زور سے، ابِ ستارہ بار برس
"بیار" لائے گلزار گوں، "بیار" برس
ذہرِ حضور پر، اے اب، بار بار برس
"امیرِ کلبِ علی خاں" جیسے ہزار برس
کئی سہزار برس، بلکہ بے شمار برس
بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس
خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے "غالب کے بعض غیر شہرہ آلود اشعار کا زمانہ و فکر" ص ۱۱۱

۲۔ یہ قطرہ غلط نامِ نوابِ کلب علی خاں، مورخ ۱۱ رگست ۱۸۶۵ء کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔

غزلیات ۱۸۶۵ء

لطف نظارہ و تاسی، دم بسمل آئے
اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری؟
وہ نہیں ہم کر چلے جائیں حرم کو، اے شیخ
آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اٹھتے ہیں
دیدہ خونبار ہے مدت سے، ولے آج اندیم
سامنا حورو پر کرنے نہ کیا ہے، نہ کریں
موت بس ان کی ہے جو مر کے وہیں دفن ہوے
بن گیا سچ وہ گنہگار، خدا خیر کرے!
اب ہے رگی کی طسوت کوچ ہمارا غالب

جان جاٹے، تو بلا سے، پکریں دل آئے
دوست جو ساتھ مرے تالپ ساحل آئے
ساتھ تھجاج کے اکثر کئی منزل آئے
لو، وہ برہم زن ہنگامہ محفل آئے
دل کے ٹکڑے بھی کئی، خون کے شامل آئے
عکس تیرا ہی، مگر، تیرے مقابل آئے
زلیت اُن کی ہے جو اُس کو چے سے گھائل آئے
وہ جو نازک ہے کمر اُس پہ بہت دل آئے
آج ہم حضرت نواب سے بھامل آئے

۱۸۶۵ء

میں ہوں شتاقِ جفا، مجھ پہ جتنا اور سہمی
غیر کی مرگ کا غم کس لیے، اے غیرتِ ماہ؟
تم ہو بت، پھر تمہیں پندارِ خدائی کیوں ہے؟
حسن میں خور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی
بترے کو چے کا ہے مائل، دلِ مضطر میرا
کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے، وا عطر؟
کیوں نہ فر دوس میں دوزخ کو ملائیں یارب؟

تم ہو بیداد سے خوش، اس سے سوا اور سہمی
میں ہوں پیشہ بہت، وہ نہ ہوا اور سہمی
تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہمی
آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہمی
کعبہ ایک اور سہمی، قبیہ نسا اور سہمی
خلج بھی باغ ہے، خیر آب دہوا اور سہمی
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہمی

۱۔ یہ غزل میرزا صاحب نے اپنے دوسرے سفرِ رام پور میں ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء کو بیان سے

رفعت ہونے سے پہلے کہا تھا۔ اس زمانے میں کلب علی خاں بہادر رام پور کے نواب تھے۔

۲۔ خط بنام نواب امین الدین احمد خاں مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۶۵ء۔

مجھ کو وہ روکے جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
مجھ سے، غالب، یہ علانیہ غزل گھواؤں
زہر کچھ اور سہی، آبِ بقا اور سہی
ایک سیدہ گریہ رخ فزا اور سہی

قطرہ

● ۱۸۶۵ء ۳ ۱۸۶۷ء

خوشی ہے یہ، آنے کی برسات کے
سر آغازِ موسم میں، اندھے ہیں ہم
سوا ناچ کے، جو ہے مقلوبِ جاں
ہوا حکمِ بادِ چپوں کو کہ ہاں
وہ گھٹنے، کہاں پائیں، اٹلی کے پھول
فقط گوشت، سو بیٹر کا ریشہ دار
ہمیں بادۂ ناب اور آم کھائیں
کہ دلی کو چھوڑیں، لوہارو کو جائیں
نہ واں آم پائیں، نہ انگور پائیں
ابھی جا کے پوچھو کہ "کل کیا پکائیں؟"
وہ کڑوے کرے کہاں سے مشکائیں؟
کہو، اس کو، کیا، کھا کے ہم، خط (ٹھائیں)؟

غزلیات

● ۱۸۶۶ء

در پر اسیرِ طلبِ علی خاں کے ہوں مقیم
بوڑھا ہوا ہوں، قابلِ خدمت نہیں، اسد
ق شایستہ گدائی ہر در نہیں ہوں میں
بخیراتِ خوارِ محض ہوں، نوکر نہیں ہوں میں

۱۔ یہ قطرہ نواب غلامی کی بیاض سے لیا گیا ہے۔ "بیاض کے اندراجات میں ترتیبِ تاریخی کا لحاظ نہیں ہے، چنانچہ ان سے پہلے ۱۷ جنوری ۱۸۶۷ء کا اور ان کے بعد ۵ اپریل ۱۸۶۵ء کا اندراج ملتا ہے۔ اس پر انہیں تقریباً اسی زمانے کا مان لیا ہے۔"

۲۔ میرزا صاحب نے اس زمین میں اپنی دیرسوں پرانی غزل..... کا قطعِ مدون کر کے اور آخر میں یہ دو شعر بڑھا کر، نواب سید علی خاں بہادر والی رامپور کی خدمت میں ۹ جون ۱۸۶۵ء کو بھیجی

قصہ

۱۸۶۶ء

مجد کے زیر سایہ اک گھر بنایا ہے یہ بندہ کینہہ ہمایہ خدا ہے

قطرہ

۱۸۶۷ء

گڑ گھگھائی کی ہے جتنی رعیت، وہ یک دستم
سو یہ نظر فرور قلمسداں نذر ہے
عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی
مسٹر کوآن صاحب عالی مقام کی

۱۸۶۷ء

ہندوستان کی بھی بے سر زمین ہے
جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے شرق سے
ہے اصلِ تحم ہند سے اور اس زمین سے
جس میں وفا و مہر و محبت کا ہے وفور
اخلاص کا ہوا ہے اسی ملک سے ظہور
پھیلا ہے سب جہان میں یہ میوہ ذکر و نور

۱۔ یہ شعر میرزا صاحب نے اپنے مکان واقع محلہ بلی ماڈن کے متعلق کہا تھا۔ مولانا حالی کے بیان کے مطابق یہ حکیم محمود خان مرحوم کے دیوان خانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا اور اسی میں اُن کا انتقال ہوا تھا۔ (یادگار ۱۸)۔ مولانا مہر کی رائے ہے کہ اعلیٰ میں میرزا صاحب جنوری ۱۸۶۶ء کے بعد منتقل ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو غالب و ۸۵ (طبع سوم)۔

۲۔ ۱۔ ایل۔ کوآن اسٹٹ کشرنگ و گھانوں۔ فروری ۱۸۶۶ء میں دہلی سوسائٹی کے ممبر بنائے گئے۔
تفصیل کے لیے دیکھیے طحانہ جادید جلد اول ص ۸۱، ۸۰۔ قطرہ کوآن صاحب کی ٹرانسفر کے موقع پر
کہا گیا تھا۔

۳۔ رسالہ دہلی سوسائٹی، شائع ہوا۔ اُردو غالب، ص ۱۰۲، ۱۹۲

غزلیات

۱۸۶۷ء

ہوا ہے موجب آرام جہان و تن، تیکہ
کہیں گیا ہے، خیم جعد پر شکن تیکہ
ہوا ہے دستہ نسرين و نسرين تیکہ
جو رختِ خواب ہے پردیں، تہہ پُر تیکہ
رکھے جو بیچ میں، وہ شونخ سیمتِ تیکہ
اٹھا سکا نہ نزاکت سے، گلبدن تیکہ
اگرچہ زانوے تل پر رکھے، دامن تیکہ
کہ ضربِ ہمیشہ پہ رکھا تھا، کوہکن تیکہ
رکھو نہ شیخ پہ، اے اہلِ اجن تیکہ
اکٹھائے کیونکہ، یہ رہو خستہ تن تیکہ
ہوئی ہے اس کو ساری لاشِ بے کفن تیکہ
لٹکا کے بیٹھے ہیں اُس سے راہِ زن تیکہ
کہ سانپِ فرخ ہے، اور سانپ کا ہے، مکن تیکہ
اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن "شونخ تیکہ"

ہم اور تم، فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
فقیر غالب مسکین کا ہے کہن تیکہ

شبِ وصال میں، سونس گیا ہے، بن تیکہ
خسراجِ بادشہ چپیں سے کیوں زناگوں تیکہ؟
بنا ہے تختہ نگہاے یاسیں، بستر
فرودِ سخن سے روشن ہے، اغوا بگاہ تمام
زلزلے، کہو، کیا خاک ساتھ سونے کا؟
اگرچہ تھا یہ ارادہ، مگر خدا کا شکر
ہوا ہے، کاٹ کے چادر کو، ناگہاں غائب
بغیر ہمیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
یہ طلت بھر کا ہے ہنگامہ، صبح ہونے تک
اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے، لیکن
غش آگیا جو پس از قتل، میہ قاتل کو
جو بعدِ قتل مرادشت میں مزار بنا
شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
روا رکھو نہ رکھو، تھا جو لفظ "تیکہ کلام"

۱۸۶۷ء

میں، دشتِ غم میں، آہوے سیاد دیدہ ہوں

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں

۱۔ مخلصانہ اجن مطبوعہ مطبعہ اکبر دہلی، ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۷ء)۔ مرتب محمد حیدر اکبریم۔

۲۔ خطِ بنام نواب ملائی مورخہ ۳ مارچ ۱۸۶۷ء۔

ہوں درد مند، جس پر ہو یا اختیار ہو
جاں لب پہ آئی، تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
نے سبک سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
جو چاہیے انہیں وہ، مری قدر و منزلت
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے، مری بگد
اہل ورع کے حلقے میں، ہر چند، ہوں ذلیل
پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح، اسد

گر نالہ کشیدہ، اگر اشک پکیرہ ہوں
از بسکہ تمنی غم، مجسراں چشیدہ ہوں
میں معرض مثال میں، دست بریدہ ہوں
نے دادِ قنارہ ہوں، نے دام چیدہ ہوں
میں یوسف بقیہ اول (ب) خریدہ ہوں
ہوں میں کلام نغز، ولے ناشنیدہ ہوں
پر عاصیوں کے زمرے میں، میں برگزیدہ ہوں
ڈرتا ہوں آنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

قصیدہ

۱۸۶۷ء

کرتا ہے، چرخ، روز بعد گو نہ احرام
حق گوے و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
ختم رتبہ میکل و ڈیہ سادر کہ وقت رزم
جس بزم میں کہ ہوا انیس آہنگ میگشی
چاہا تھا ملنے، تم کو میر چار دہ کہوں
دورلات میں تمام ہے، ہنگامہ ساہ کا
پسح ہے تم آفتاب ہو، جس کے فروغ سے
میری سنو، کہ آج تم اس سرزمین پر
اخبارِ نور دھیانہ میں مسیری نظر پڑی

فرمانرواے کشور پنجاب کو، سلام
نواب مستطاب، امیر شہ اتشام
ترک فلک کے ہاتھ سے، وہ جبین لیں تمام
واں، آسمان شیشہ بنے، آفتاب جام
دل نے کہا کہ "یہ بھی ہے تیرا خیال خام
حضرت کا عروہ و جہا رہے گا علی الدوام
دریائے نور ہے، فلک آجینہ فام
حق کے تفضلات سے، ہو مرجع اتمام
عزیز ایک، جس سے ہوا بندہ تلخ کام

۱۔ اس قصیدے کے تیرہویں شعر سے ظاہر ہے کہ مرزا نے جب یہ شعر کہا تو وہ ستر برس کے ہو چکے تھے۔ لہذا

اس کلام کو ۱۸۶۷ء کا کہا ہوا تسلیم کرنا چاہیے۔

لکھٹے ہوا ہے، دیکھ کے حیرت کو، جسگر
وہ فسر دہس میں نام ہے میر غلط لکھا
سب صورتیں بدل گئیں، ناگاہ ایک قلم
سنتِ برس کی عمر میں یہ داغ جا نگدا تو
تھی جنوری مہینے کی تاریخ، تیرا ہوس
اُس بندم پر فروغ نہیں، اس پترہ بخت کو
سمجھا اُسے گراب، ہوا پاش پاش، دل
عزت پہ، لہلہ نام کی رستی کی ہے، پنا
تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
آیا تھا، وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
اس کشمکش میں آپ کا مذاج درد مند
جو وال نہ کہہ سکا، وہ لکھا ہے حضور کو
ملک و سپہ نہ ہو، تو نہ ہو، کچھ منسرت نہیں
و کٹورہ کا، دہر میں جو، مدح خوان ہو
خود ہے تبارک اس کا، گورنٹ کو فرور
امر جدید کا، تو نہیں ہے مجھے سوال
ہے بندے کو اعادہ عنیت کی آرزو
دستورِ فق شعری ہے، قدیم ہے
ہے یہ دعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے

اکتوبر، نومبر

قطرہ

● ۶۱۸۵۷

کاتب کی آستین ہے، مگر، تیغ کا نیام
جب یاد آگئی ہے، کلیجا لیا ہے مقام
لمبر رہا، نہ نذر، نہ خلعت کا انتظام
جس نے، جلاکے، رکھ مجھے کر دیا تمام
استادہ ہو گئے لبِ دریا پہ جب بنیام
لمبر ملا شیبہ میں، از روئے اہتمام
دربار میں جو، مجھ پہ چلی، پشیمکب عوام
عزت جہاں گئی، تو نہ رستی رہی، نہ نام
اُس ناز کا، فلک نے لیا مجھ سے، انتقام
تھا بارگاہِ خاص میں خلعت کا ازدحام
آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام
دیں آپ میری داناکر ہوں فائز المرام
سلطانِ بتر و محسّر کے در کا ہوں میں، افلام
شاہانِ عمر، چاہیے، میں عزت اُس سے وام
بے وجہ کیوں ذلیل ہو، غالب ہے بسکا نام
بارے قدیم قاعدے کا، چاہیے اقیام
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام
یعنی، دعا پہ مدح کا، کرتے ہیں اعتام
اقلیم ہند و ہند سے تاملک روم و تمام!

حیدر آباد دکن، رشک گلستانِ ارم
کہ جہاں بہشت بہشت آکے ہوئے ہیں باہم
اُس طرف کو نہیں جلتے ہیں، جو جلتے ہیں تو کم

ہند میں اہل سن کی ہیں دو سلطنت
راہپور، اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
حیدر آباد بہت دور ہے، اس ملک کے لوگ

مرجع و مجمع اشرف نژاد آدم
دکشاں و تازہ و شاداب و وسیع و عظیم
ہے اسی طور پر یاں و جلافتاں دستِ کرم
دورِ شہوار میں جو گرتے ہیں قطرے پیہم
سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم
کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم
خضر بھی یاں اگر آجائے تو لے ان کے قدم
اس کو کرتے ہیں بہت بڑھکے پرِ اخلاق و رقم
ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
دو وہ چیزیں کہ طلبِ کار ہے جن کا، عالم
ثانیاً، دولتِ دیدارِ شہنشاہِ اُمم

رام پور آج ہے وہ بقیہ معمر کہ ہے
رام پور ایک بڑا باغ ہے، اور دوسرا شمال
جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برس
ابرِ دستِ کرم کلبِ علی خاں سے مدام
مبہوم باغ میں آجائے جسے ہونہ یقین
حسبۃ! باغ ہمالیوں تقدس آثار
مسکِ شرع کے، ہیں، راہرو و راہ شناس
مدح کے بعد دعا چاہیے، اور اہل سخن
حق سے کیا مانگیے؟ ان کے لیے جب ہو موجود
ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غلو کے قائل
یا خدا، غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
اولاً، عسریٰ یعنی بہ دوام اقبال



● بعد از ۱۳ جولائی ۱۸۶۷ء

دہم واپسیں برسرِ راہ ہے عزیز و اب اللہ ہی اللہ ہے

یہ قطعہ تمام نواب کلب علی خاں بہادر مورخہ ۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ھ (۳ دسمبر ۱۸۶۷ء) کے ساتھ بھیجا گیا تھا، اور تاحال دریافت شدہ مرزا غالب کا یہ آخری کام ہے۔

مذکورہ ایک حیات میں مولانا محمد حسین آزاد کو نے لکھا ہے کہ مرزا سے چند روز پہلے یہ شعر (دہم واپسیں برسرِ راہ تھا) (د) یادگار غالب میں جاتی سکتے ہیں،

”سرفہ چند روز پہلے بے ہوش طاری ہو گئی تھی۔ پیر پیر دو دو پیر کے بعد چند منٹ کیلے افاقہ ہو جاتا تھا۔ پھر بے ہوش ہو جاتے تھے جس میں روزِ استسقاں ہو جاتا، اس سے شاید ایک دن پہلے میں ان کی عیادت کو گیا تھا۔ اس وقت کئی پیر کے بعد افاقہ ہوا تھا اور نواب علاؤ الدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھا رہے تھے۔ انھوں نے نواب سے

حال پوچھا تھا۔ اس کے جواب میں ایک فقرہ اول فارسی شعر جو غالباً شیخ سعدی کا تھا نکھوایا.....
..... مرنے سے پہلے اکثر یہ شعر و زبان رہتا تھا : دم واپسین الیخ

(ج) مرقع ادب مرتبہ صفدر مرزا پوری کے ص ۱۹ پر غالب کا ایک خط بنام مولانا محمد تیسین مینا

مرزا پوری، مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۷۷ء درج ہے۔ اس میں مرزا لکھتے ہیں

”مولوی فرزند علی صاحب افگر کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا۔۔۔

۔۔۔۔۔ فقیر تو ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔۔۔۔۔ (د)

جب چاہیں اپنا کام (برائے اصلاح) بھیج دیں۔۔۔۔۔

معلوم ہوتا ہے چند ہی دن بعد، مینا مرزا پوری کے خط کے ساتھ ہی جناب افگر کا

خط مع غزل پہنچ گیا۔ اس کے جواب میں، اصلاح شدہ غزل واپس کرتے ہوئے مرزا نے یہ بھی لکھا

”قبلہ حاجات، میرا حال کیا پوچھتے ہیں۔ زندہ ہوں مگر مڑے سے بدتر۔ جو حالت میری

آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے، اب تو اس سے بھی بدتر ہے۔ مرزا پور کیا آؤں، یا

سوائے سفر آخرت اور کسی سفر کی نہ مجھ میں طاقت ہے نہ جرات۔ خواہ ہوتا، تو احباب سے دعا ہے

صحت کا طلب گار ہوتا۔ بوڑھا ہوں، تو دعاے مغفرت کا خواہاں ہوں۔ دم واپسین بر میرا ہے

عزیز اب الشی اللہ ہے“

اس خط سے ثابت ہے کہ اگر اس شعر کو مرزا کی بدہم گوئی پر محمول سمجھ لیا جائے اور فراموش کر

لیا جائے کہ جواب لکھتے وقت یہ شعر بھی علم سے نکل گیا ہوگا، تو بھی شاید بیا فراموشی ۱۸۷۷ء کے بعد

کا فکر کر رہا ہوگا۔ واللہ اعلم



اشاریے



فہرست اشعار

۱۱۹	پارسائی کا		۱	
۱۱۹	ظہری کا			
۱۲۰	متاقل کا	۱۱۲	تصویر کا	
۱۲۰	ساعنہ کا	۱۱۲	دور پسند آیا	
۱۲۰	شکستن کا	۱۱۲	صدر دل پسند آیا	
۱۲۱	بالین کا	۱۱۳	بازو تھا	
۱۲۱	بہاری کا	۱۱۳	نگاہ شرمگین پایا	
۱۲۱	منزل ہوا	۱۱۳	خستن	
۱۲۲	گوہر ہوا	۱۱۴	ساحل با	
۱۲۲	دام کیسا	۱۱۴	کوکب با	
۱۲۲	رباں ہو جائے گا	۱۱۵	ہم اس کا	
۱۲۳	ساغر نہیں ہوتا	۱۱۵	شب تھا	
۱۲۳	آزردگان کا	۱۱۵	تا شیر آیا	
۱۲۳	آبدہ پا	۱۱۶	آواروں کا	
۱۲۳	فتراک چڑھا	۱۱۶	جلوہ گاہ کا	
۱۲۴	فسرین خواب تھا	۱۱۷	دایع کا	
۱۲۵	بیتاب تھا	۱۱۷	غبار اپنا	
۱۲۵	فانوس تھا	۱۱۸	دیوانہ تھا	
۱۲۶	منزل باندھا	۱۱۸	خرم پروانہ تھا	
۱۲۷	دل نہیں رہا	۱۱۹	پارسائی کا	

۲۲۲	قدم میرا	۱۲۷	بیابان میرا
۲۲۲	ضرورت تھا	۱۲۷	نام رہا
۲۲۵	طور تھا	۱۲۸	جواں نہ ہو گیا
۲۲۵	تیرا آشنا	۱۲۸	پر ہو گیا
۲۲۵	تمیاز نہ تھا	۱۲۸	فشارِ محراب
۲۲۴	دروازہ تھا	۱۲۹	غم چند رہا
۲۲۴	عثمان سمجھا	۱۲۹	زبان پیدا
۲۲۴	دیکھا	۱۲۹	جن گیا
۲۲۷	توندہ ہائے بے جا کا	۱۳۰	لقاب اس کا
۲۲۷	غبار تھا	۱۳۰	مین
۲۲۷	انساں ہونا	۱۳۱	زنجیر سے پیدا
۲۲۸	فریاد آیا	۱۳۱	دیوار ہو پیدا
۲۲۸	پر نہ ہوا تھا	۲۰۸	یک دل ہونا (رباعی)
۲۲۹	گوہر نہ ہوا تھا	۲۰۸	عالم تھا ر
۲۵۰	مروت تھا	۲۲۱	نار و پود تھا
۲۵۰	ساز کا	۲۲۱	حسود تھا
۲۵۰	جاوینگی کیا	۲۲۲	مدد پاپا
۲۵۱	دوا ہو جاتا	۲۲۲	بے دوا پاپا
۲۴۹	نیاں کا	۲۲۲	عریاں نکلا
۲۴۹	مرا کیا	۲۲۳	معنی نہ ہوا
۲۹۰	مند ہو گیا ہے گویا (رباعی)	۲۲۳	دل باندھا
۲۹۱	ہوا تھا	۲۲۳	مقابل باندھا
۲۹۱	بیابان ہوتا	۲۲۳	گرمیاں نکلا

۱۳۱	داغِ شراب	۲۹۱	غناں گیر بھی تھا
۱۳۲	بالِ غنڈیلب	۲۹۲	رازِ داں اپنا
۲۵۱	کشا، موجِ شراب	۲۹۲	انتظارِ ہوتا
۲۹۱	بند ہو گیا ہے غالب (رباعی)	۲۹۳	کس ہوتا
۲۲۲	میراجِ الدین کو غالب	۳۰۷	منظرِ کھلا (قصیدہ)
		۳۰۹	سرورِ سہرا (سہرا)
		۳۱۰	گایا سہرا (۵۵)
۱۳۲	زُخارِ دوست	۳۱۱	گو بر کھلا
۱۳۳	مگر انگشت	۳۱۵	شمارِ ہوں، بلکہ سوا (رباعی)
۲۵۲	حضرتِ سلامت	۳۲۹	برائے ہوا
۲۷۴	کس وقت	۳۳۰	پیدا نہ ہوا
۳۱۷	بشارت (قطعہ)	۳۳۳	دکھلائیں کیا
		۳۳۹	رہنا وقارِ نامہ
		۳۴۴	انگشتاں کا (قطعہ)
۱۳۳	سنبھلتا ہی عبت	۳۴۷	کاہِ کشا، بے سہرا (سہرا)
۱۳۴	مینائی عبت	۳۴۷	کفن دیکھا
		۳۴۷	آزادہ گیب
		۳۵۱	سفرِ یاد آیا
۱۳۴	ور ہے آج	۳۵۷	من گیب
۱۳۵	علاج	۳۵۹	ہم کیا
۲۰۹	شعلہ پرور ہے آج (رباعی)		
۲۴۸	قند پرور ہے آج (۷۷)		
۲۷۷	میسوا کا کیا عسلا	۱۳۳	مدائے غنڈیلب (قطعہ)

ج

آرمیدہ کھینچ
لفزش پائیچ
انتظارِ ساغر کھینچ

ح

گریباں گل و صبح

د

ہریک گر و باد
عصا، بلند
بے مل تاجند
زباں فریاد
جفا میرے بعد
رقص نہاید (قطعہ)
مشکبو کی ناند ()

ذ

خار و خس بہتر
روغنِ مود
آفتاب آئینے پر
گہر مگر

نگہ آبشار

۲۹
۱۳۹
۱۳۹
۱۴۰
۲۱۱
۲۱۲

خرمین پر
رنگ آخر
طیب آخر
سویدائے بہار (قصیدہ)
بدندانِ شدار

۲۳۰
۲۳۰
۲۴۷
۲۹۳
۳۰۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۳۳
۳۴۲

ور و دیوار
بیاں باں پر
دیدار دیکھ کر
گھر کے بغیر
اُن میں ہیں چار (رباعی)
گماں اور
تنہا کوئی دن اور
آفتابِ آثار (قطعہ)
وُفور ()

ف

۱۴۱
۱۴۱
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۲
۱۴۲

گل ہنوز
حوصلہ گل ہنوز
کو بکن ہنوز
خوش ہنوز
طلبگار ہنوز
مذکور ہنوز

	۱۴۳	ع	۱۴۳	وندانِ عجز
	۲۲۱		۲۲۱	خضر وراز
۱۴۵	۲۲۱	وداع	۲۲۱	شکست کی آواز
۱۴۵	۲۳۴	زندگانی شمع	۲۳۴	درِ خزینہ راز (شعری)
	۲۵۳	ع	۲۵۳	ایمان عزیز
				سو
۱۴۴		بہارِ داغ		تارِ نفس
۱۴۴	۱۴۳	دیوارِ باغ	۱۴۳	افسوس و بس
	۱۴۴		۱۴۴	کفِ افسوس
۱۴۴	۲۳۲	ہزارِ تیف	۲۳۲	دیوار کے پاس
۱۴۴	۳۵۹	المِ خیزِ یک طرف	۳۵۹	ستارہ بار برس (رقعہ)
۲۰۹		گزر جاتا صاف (رباعی)		مش
				چنارِ آتش
۱۴۲	۱۴۵	کاروانِ اشک	۱۴۵	مراودِ آتش
۱۴۲	۱۴۴	ہوتا تک	۱۴۴	ط
۲۳۳		سر ہونے تک		راہِ غلط
۲۴۵	۱۴۲	ذوالفقارِ ایک	۱۴۲	ظ
				جی مخلوط (رقعہ)
۱۴۴	۲۳۱	وُعاہ مانگ	۲۳۱	

ل

۲۷۷	بیکسی کی شرم	
۲۸۵	جمالی باہم (رباعی)	
۳۰۴	کر رہا ہے سلام (رقصیدہ)	۱۴۸
۲۵۲	کلام (قطعہ)	۱۴۸
۳۵۶	ہفت اقلیم (مثنوی)	۱۴۸
۳۶۴	سلام (رقصیدہ)	۱۴۹
۳۷۵	گلستانِ ارم (قطعہ)	۱۴۹

ن

		۲۷۸	سائرشِ حال (رباعی)
		۲۰۸	آرزو، یعنی دل ()
۱۰۵	تلب نہیں	۲۴۸	سُخوارِ کمال ()
۱۰۶	کیا کہوں	۲۵۳	خندہ بائے گل
۱۰۷	صبا جاتا ہوں	۲۸۰	اسی طور کا حال (رباعی)
۱۵۱	قبا کروں	۲۸۵	وال ()
۱۵۲	رم دیکھتے ہیں	۲۹۰	عذیل (قطعہ)
۱۵۲	خیابانِ ارم دیکھتے ہیں		
۱۵۲	آہیں		

م

۱۵۲	خانماں نہیں	۱۴۹	مذہبِ معلوم
۱۵۳	کفن کی فکر میں	۱۵۰	دیدار میں ہم
۱۵۴	صیادیاں	۱۵۰	آب و ہوا گرم
۱۵۴	بکھڑ جلتا ہوں میں	۱۵۰	خطِ ایمانہ ہم
۱۵۴	یار رکھتے ہیں	۱۵۱	سرِ دیوانہ ہم
۱۵۵	اوقاتِ رکھتے ہیں	۱۵۱	عمر بس تمام
۱۵۵	نامور ملتے ہیں	۲۳۳	آتشِ خانہ ہم

۲۳۴	نرمانے میں	۱۵۵	اُستنائے میں
۲۵۲	واد، یاں	۱۵۶	رُشمن میں
۲۵۳	کہوں یا نہ کہوں	۱۵۶	پریدہ ہوں
۲۵۴	جتاکہ یوں	۱۵۷	دمیدہ ہوں
۲۵۴	ساں کہاں	۱۵۷	زنجیریں
۲۶۲	بید نہیں	۱۵۸	رسوائی نہیں
۲۶۲	پر نہیں	۱۵۸	نقش پانہیں
۲۶۲	تار بھی نہیں	۱۵۸	تر نہیں
۲۶۳	یار بھی نہیں	۱۵۹	کار آوردن
۲۶۳	جگر میں خاک نہیں	۱۵۹	مد ہوشاں
۲۷۰	دامن میں نہیں	۱۵۹	افشردگان
۲۷۰	دور نہیں	۱۶۰	فہیدن
۲۷۱	بیدار نہیں	۱۶۰	خارِ چمن
۲۷۷	اکٹھا بھی نہ سکوں	۲۰۹	عالم میں (رباعی)
۲۷۸	نامہ بر کو دیکھتے ہیں	۲۱۲	خود ہیں (قصیدہ)
۲۸۶	سوا میں	۲۱۸	جبیں ()
۲۸۶	برا کہتے ہیں	۲۳۴	جدا باندھتے ہیں
۲۸۷	مراد امتحاں نہیں	۲۳۴	ہوا باندھتے ہیں
۲۸۷	عذاب میں	۲۳۴	نیرنگ ککالوں
۲۸۸	باب میں	۲۳۵	رنگ ککالوں
۲۹۹	دستگاہ سخن (قصہ)	۲۳۵	نمیاں میں
۳۰۱	نوحہ گر کو میں	۲۳۶	زنجیر نہیں
۳۰۱	پتھر نہیں ہوں میں	۲۳۶	مستی ایک دن

۱۴۳	صبا گم ہو	۳۰۲	کیا کہتے ہیں	رباعی
۱۴۴	دستِ سیو	۳۰۳	نہائی کس میں	()
۲۲۷	وفا گرو	۳۱۱	تکرار کیا کریں	
۲۵۵	عداوت ہی کیوں نہ ہو	۳۱۲	پنہاں ہو گئیں	
۲۷۱	قدم ہے ہم کو	۳۲۰	ستائے کیوں	
۲۷۸	تاثیر سے نہ ہو	۳۲۲	کہاں سے لاؤں (قطعہ)	
۲۷۸	ہم زباں کوئی نہ ہو	۳۲۲	اُسے غار نہیں	()
۲۸۳	لگن کے پانہ	۳۳۶	بہم آشنا نہیں	()
۲۹۴	گناہ ہو	۳۳۷	جزا نریا د نہیں	
۳۲۱	گفتگو تو کیوں کر ہو	۳۵۱	بلا باند ہتھے ہیں	
۳۲۲	گلشن کو	۳۵۳	رمضان	(رباعی)
۳۲۸	سوا کہیں اس کو (سلام)	۳۵۷	ماہِ فروردیں	(قصیدہ)
۳۳۰	زباں کیوں ہو	۳۷۱	آم کھائیں	(قطعہ)
۳۳۸	کثرت کو	۳۷۱	ور نہیں ہوں میں	
۳۴۹	رواں ہو (مرثیہ)	۳۷۳	دیدہ ہوں	
۳۵۷	مقابل باز نہ ہو (رباعی)			



زینبی مجھ کو

۱۰۷

سادہ ہو

۱۰۷

نفس کو

۱۰۸

اختر ہو

۱۰۹

وضو نہ ہو

۱۰۹

نظارہ سے داہو

۱۰۹

۱۸۲	حیرت تماشاۓ	۱۶۴	مقابل ہے آئینہ
۱۹۵	مزنگان تماشاۓ	۱۶۵	ساحل نہ پوچھ
۲۰۲	چکیدگی	۱۶۵	بسیاں نہ پوچھ
۲۰۴	جہاں خالی	۲۰۹	شہ مسارا اندیشہ (رباعی)
۲۰۵	اشارت کی	۲۲۷	بلا سمجھ
۲۰۸	دید سہی (رباعی)	۲۲۸	خواب پا سمجھ
۲۲۰	انقباض (قصیدہ)	۲۵۵	خزاں نہ پوچھ
۲۳۹	سرنگوں، وہ بھی	۳۰۳	یکتا بالشر (رباعی)
۲۳۹	پاد آستے کی	۳۲۸	برون والاجاہ (قصیدہ)
۲۴۲	اسامی	۳۵۵	سو مزار گروہ (دھڑ)
۲۴۳	غنا کرے کوئی	۳۶۳	جان و تن تکیہ
۲۴۳	وا کرے کوئی		
۲۴۴	بے زبانی		
۲۴۵	بھی نہ کہی	۱۰۳	سرشتہ زادگی (مثنوی)
۲۴۶	قیامت ڈھیل کی	۱۶۶	شمشیر فولادی
۲۵۸	شہرت ہی سہی	۱۶۷	ہر ایک چین پیشانی
۲۶۵	قسمت میں عدو کی	۱۶۸	فروزاں کی
۲۶۷	زبان میری	۱۶۸	لذت زندگانی کی
۲۷۹	کرگئی	۱۶۹	صبح محشر کی
۲۸۵	روغنی روٹ (قطعہ)	۱۷۰	خواب ہو گئی
۲۹۵	نظر نہیں آتی	۱۷۱	عسریانی
۲۹۸	دوا کرے کوئی	۱۷۹	ٹھوسوزی
۳۰۲	دہری (رباعی)	۱۸۱	ہوئی خالی تری

۱۴۴	پنجیسرے	۳۰۳	ظہور کی
۱۴۵	نما مجھے	۳۱۸	دیگر آدھی رہ گئی (نفس)
۱۴۶	ناز ہے مجھے	۳۳۱	تماشائی
۱۴۷	رکاب ہے	۳۳۹	ریگزار کی
۱۴۸	مشکل ہے	۳۴۴	دیسی (قطعہ)
۱۴۹	تدبیر بہتر ہے	۳۴۷	گلا ہے تو سہی
۱۵۰	خاشاک باقی ہے	۳۵۰	دہن کی
۱۵۱	سرمہ سانکھتی ہے	۳۵۰	پانی (قطعہ)
۱۵۲	حنا نکلتی ہے	۳۵۱	پانی (")
۱۵۳	تداوت ہے	۳۵۲	پانی (")
۱۵۴	چمن پیشانی ہے	۳۵۴	سوا اور سہی
۱۵۵	رم آج مجھے	۳۵۴	تام کی (قطعہ)
۱۵۶	زیر لب مجھے		سے
۱۵۷	نعل واثروں ہے مجھے		
۱۵۸	دام ہے	۱۰۳	بیاباں سے (قطعہ)
۱۵۹	چاک ہے	۱۰۸	چمن زعفران مجھے
۱۶۰	آواز ہے	۱۰۸	سیماب ہے
۱۶۱	بیمار ہے	۱۰۸	سحر جلے
۱۶۲	کیا ہو جائیے	۱۰۸	جی جاتے ہے
۱۶۳	مژہ برہم زدنی ہے	۱۰۸	آشیاں پھر جائے
۱۶۴	وہاں ساختنی ہے	۱۰۸	سربازار آتا ہے
۱۶۵	آرمیدن منع ہے	۱۰۹	غوب کیجے
۱۶۶	آتش زبانی مفت ہے	۱۰۹	قیامت ہے

۱۸۹	تجھ سا کہیں جسے	۱۷۷	محل کشش لیلیٰ ہے
۱۸۹	دشتِ تنہا ہے	۱۷۸	آغوش کشائی ہے
۱۹۰	مزار ہے	۱۷۹	نسبی ہے
۱۹۰	خوابگاہ ہے	۱۷۹	توجہ ہے
۱۹۰	اختراعِ جلوہ ہے	۱۸۰	چیدی جانی ہے
۱۹۱	جلے خنجر ہے	۱۸۰	موزوں ہے
۱۹۱	بہارِ نغمہ ہے	۱۸۰	انجام ہے
۱۹۲	خراغِ کشتہ ہے	۱۸۱	دادہ سے
۱۹۲	بارِ بستر ہے	۱۸۲	امید ہے
۱۹۲	گرانِ نہ ہو جاوے	۱۸۲	ناوکِ خیر ہے
۱۹۳	مغربِ ہواوے	۱۸۳	بیباںِ تجھ سے
۱۹۳	مشیرِ قالی ہے	۱۸۳	چھپایا ہے مجھے
۱۹۴	حیا ہے	۱۸۴	دکھاتا ہے مجھے
۱۹۴	زمرِ درق ہے	۱۸۴	شمشیرِ آوے
۱۹۴	لبیکِ روی ہے	۱۸۵	روانی مانگے
۱۹۵	خبرِ آوے	۱۸۵	بیباںِ مجھ سے
۱۹۵	بیرِ نرِ آمل ہے	۱۸۶	مڑگاں مجھ سے
۱۹۵	خوابی کرے	۱۸۶	تماشا ہے
۱۹۷	مینا کرے	۱۸۷	دہقان ہے
۱۹۷	گریبانِ کرے	۱۸۷	طوفانِ زدہ ہے
۱۹۷	نندان ہے	۱۸۷	پنہاں ہے
۱۹۸	طوفانِ بیسے	۱۸۸	بیجا نہ کھینچے
۱۹۸	بدنِ داں ہے	۱۸۸	جہانہ کھینچے

۲۳۹	طلبوں سے	۱۹۹	مینا ہے
۲۴۰	آس ہے	۱۹۹	پیدا ہے
۲۴۱	محال ہے	۱۹۹	تفاضل ہے
۲۴۱	آگ و بی ہے	۲۰۰	سایہ ہے
۲۴۱	آفتاب ہے	۲۰۰	سُئیل کے تلے
۲۴۲	میری بھی خالی ہے	۲۰۰	آلودہ ہے
۲۴۳	گرامات چلیے	۲۰۱	یہ محراب ہے
۲۴۴	انتظار نہیں ہے	۲۰۱	شبنمِ تار ہے
۲۴۵	غلط بردار ہے	۲۰۲	نگاریں ہے
۲۴۵	نگہ یادگار ہے	۲۰۳	پروانہ چابیے
۲۴۶	حاصلی سے	۲۰۳	وار کے
۲۴۶	آشنا ہے	۲۰۳	آہوی ہے
۲۴۷	صد ہوا ہے	۲۰۴	ماہی ہے
۲۴۷	نخال کوزِ بخیر ہے	۲۰۴	پودہ آتایے
۲۵۵	دیکھا جائے ہے	۲۰۵	شب کاٹے
۲۵۶	یالی نے مجھے	۲۰۵	رہ گزر ہے
۲۵۷	کہہ جائے ہے مجھ سے	۲۰۶	چاہ ہے
۲۵۸	آسمان ہے	۲۰۶	کور ہے
۲۵۹	غفلتِ شعاری بائے بائے	۲۰۷	جراغ ہے
۲۵۹	کیا چاہیے	۲۰۹	نشینی ہے مجھے (رُبابی)
۲۶۰	کاری ہے	۲۰۹	لڑنے کے لئے (رہ)
۲۶۱	ثوابِ تودے	۲۱۱	تڑے
۲۶۱	جراغوں کیے ہوئے	۲۲۸	جُہان اٹھائیے

۲۹۵	دوا کیا ہے	۲۹۳	کم ہوئے
۲۹۶	خوشیدِ جمال اچھلے	۲۹۲	قدم آگے
۲۹۶	گھلا ہوتا ہے	۲۹۵	تے نہیں ہے
۲۹۱	گفتگو کیا ہے	۲۹۵	اعظم ہے
۲۹۹	ہوا کیے	۲۹۶	پاک ہو گئے
۲۹۹	پتے ہوتے	۲۹۶	مطلبِ حجابِ آوے
۳۰۲	دو آئے	۲۹۷	میری، دریائی، مجھے
۳۰۹	طبیعت نہیں مجھے (قطرہ)	۲۹۶	غمو شش ہے
۳۱۳	آزمائش ہے	۲۹۳	قاتل میں ہے
۳۱۲	گلفا کہہتا ہے	۲۹۵	اچھا کہتے
۳۱۵	داؤ کرے (رباعی)	۲۹۶	مارا کہ ہاتے ہاتے (قطرہ)
۳۱۳	سنائے نہ بنے	۲۹۸	تغیر ہو ہے
۳۱۲	نامہ بر ہے کیا کہتے	۲۹۹	بدلتے نہیں دیتے
۳۲۵	لو کیا کہتے	۲۹۹	بہار آئی ہے
۳۲۵	تماشا مرے آگے	۲۹۹	دیوار میں آوے
۳۲۶	دم نکلے	۲۸۳	رسا رکھتے تھے
۳۲۷	پتھام کے	۲۸۳	رہتے تھے (قطرہ)
۳۲۲	رکھا کرے (قطرہ)	۲۸۲	ہمارا نہیں کرتے
۳۲۲	کام کرنے والے ()	۲۸۲	تمنا نہیں کرتے
۳۲۵	کس بات سے ہے ()	۲۸۲	کوئی بتلاوے مجھے
۳۲۵	بن ہوئے ()	۲۸۵	آسمان کے لئے
۳۲۶	طالب ہے ()	۲۹۲	مگر ملے
۳۲۹	شیر والے (رباعی)	۲۹۲	ٹھانی اور ہے

۳۶۰	دل آئے	۳۴۹	غم کیا ہے
۳۶۲	ہمسایہ خدا ہے	۳۵۱	جاں شکنی ہے
۳۶۶	اللہ ہی اللہ ہے	۳۵۱	جاں نکالیے
		۳۵۳	بے جا تم نے (رُبا علی)



نوٹ:۔ اشخاص، کتب و رسائل، مقامات وغیرہ سے متعلق ذیل کے اشاریوں
 (ا) کو صرف ضروری نشاندہی تک محدود رکھا گیا ہے۔
 (ب) کی ترتیب بلحاظ حروف تہجی بیشتر پہلے ہی حروف تک محدود ہے۔
 (ج) میں کسی ہند سے کے نیچے لکیر سے یہ مراد ہے کہ اس صفحہ پر یہ نام ایک سے
 زیادہ مرتبہ آیا ہے۔

اشخاص وغیرہ



۱۸۸، ۸۳	اکبر شاہ خانی	۱۳۶۶، ۶۸۶، ۱۳	آزاد
۲۸۴، ۱۸	انیا میوات	۱۹۵، ۱۳	آزادہ
۱۸	اسیر	۱۲۲۷	آدم
۱۴۲، ۳۰	امیتاز علی خان عرشی	۱۵۲	آباد
۱۴۴	اورنگ تہیب	۱۸۹، ۵۲	آتش
۱۶۹	اکبر آبادی	۱۵۱	آشوب
۱۹۶، ۹۴	احمد علی احمد جہانگیر نگری	۳۱۷	آفت
۱۵۷	احسن مارہروی		

دیوان غالب (کامل)

۱۸۸	بہزاد	۹۴	۱۵۰	۹۰	۱۵۰	امراؤنگیم دیگیم غالب
۲۵۵	بہی سنگی راؤ لاجہ	۹۰				احسان دہوی
۳۲	بلیغ مہا پوری	۸۵				انشار
	پ	۹۵				الہی بخش خاں معروف
		۹۴	۹۴	۹۴		اکبر
۱۳	پرواز اصلاحی	۹۱				امام بخش صوبائی
۱۹۳	پرنگالی	۲۲۵				امراؤنگیم
	ست	۱۹۵	۲۲۲	۲۱۳	۱۹۵	اسد
		۹۴				امین الدین امین دہوی
۹۱	تنگے	۲۹۸				ابن مریم
۸۹	تفتہ برگوپال میرزا	۳۰۰				ابراہیم
۲۸۸	تراب	۳۰۰				احسن اللہ خاں
۲۸۴	تجمل حسین خاں	۳۶۷				اخگر
	ٹ					ب
۸۲	ٹیلیو سلطان	۱۹	۱۷			بہادر شاہ ظفر
	ٹ	۳۰۱	۲۹	۲۷		بہاری لال مشتاق
		۱۴۲	۱۳۰	۱۱۳	۱۰۹	بیدل
۲۵۳	ثاقب					۱۹۵
	ج	۲۵۷				بے خبر
		۹۷	۹۴	۸۹		بقر علی خاں
۳۳	جیل جالیسی	۱۷۹				بیر علی خاں
	جوگ مایا					بیگم مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں دہوی

جگن ناتھ فیض	۲۹	خ	۱۸
جنرل اختر نونی	۸۵		
جمشید	۲۱۴، ۲۴۲	خورشید الاسلام	۱۸
جبریل	۲۹۰	خورشید حسن	۲۸
جان جاکوب (جیکب)	۵۹	خواجہ غلام حسین	۸۲

خواجہ قطیب الدین مختیار کا کی

ج		خواجہ حاجی	۸۳، ۸۵
---	--	------------	--------

حمید احمد خاں	۲۳	خضر	۱۱۴، ۱۲۸، ۱۴۴، ۲۰۰، ۲۱۵
---------------	----	-----	-------------------------

حالی	۱۳، ۱۷، ۲۴، ۲۷، ۲۷	۲۲۷، ۲۳۵، ۲۴۵	
------	--------------------	---------------	--

۳۰، ۳۹، ۴۲، ۸۴، ۹۰	خمسرو	۳۳۲، ۳۸۳، ۳۷۱	
--------------------	-------	---------------	--

حضرت ایوب	۲۹	خان بہادر سید ابو محمد	۷۷
-----------	----	------------------------	----

حسین علی خاں	۵۲، ۸۹، ۹۷	خوب چند ذکا	۲۰، ۲۱، ۸۲، ۱۵۱
--------------	------------	-------------	-----------------

حضرت علی	۷۷، ۹۰	۱۰۸	
----------	--------	-----	--

حافظ	۳۰۰	تحلیل	۲۹۰
------	-----	-------	-----

حکیم آغا خان عیش	۹۷		
------------------	----	--	--

حافظ ویران	۹۲	د	
------------	----	---	--

حضرت صاحب	۵۷	دلیل	۱۷۴، ۲۱۷، ۲۱۹
-----------	----	------	---------------

حضرت محبوب الہی	۹۷	دستی پرشاد	۳۵۷
-----------------	----	------------	-----

حضرت محمود خان	۳۷۲	دجلہ	۳۳۰، ۳۷۷
----------------	-----	------	----------

حاجی کلو	۳۵۲	ذ	
----------	-----	---	--

حکیم محمد سلیم خان	۳۷۲		
--------------------	-----	--	--

حمنہ	۳۳	ذوق	۹۷، ۹۰، ۹۷
------	----	-----	------------

۱۳۰۰

ظہوری

۱۸۸

شاہ نصیر
شہر کی بیگم



۱۵۴

شاہ سید عالم (ساحب عالم مارہروی) ۱۵۷، ۱۶۲

۱۲۸۶

عاصی گنیشیام لال

۱۵۵

شفیق، نواب انوار الدولہ

۱۴۹

عاصی جیتی لال

۱۸۸، ۱۸۷

شمس الدین احمد خاں

عارف ۱۲، ۱۵، ۱۴، ۱۵۴، ۱۸۹

۱۴۵

شہاب الدین خاں

۹۰، ۹۴، ۹۷

۲۸۵

شاہ حجابہ (شاہ ظفر)

علی ۳۴، ۸۴، ۱۰۷، ۱۷۹، ۱۹۹

۴۸، ۴۲

شوق قدوائی

۲۱۳، ۲۳۷، ۲۴۰

۱۳۶۶

شیخ سعدی

عبدالقادر مولوی ۱۵، ۱۶، ۱۷

۳۵۵

شیودان سنگھ والی الور

عشری ۳۲، ۴۰، ۴۴، ۷۷، ۷۷



۲۹۱

عشری احمد حسین ۵۱

۱۵۷

صغیر بلگرامی

علی (نواب علاؤ الدین احمد خان)

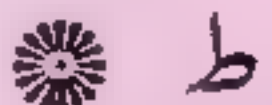
۲۹، ۳۸، ۲۷

مقدم مرزا پوری

۳۴، ۵۴، ۳۴، ۳۴۴

۳۰، ۳۲، ۳۴

عید الغفور سرور ۵۷، ۵۷



عیسیٰ ۱۲۰، ۱۸۳، ۱۹۴، ۲۱۸

عبداللہ بیگ ۸۲

۳۰۰

طالب

عزت النساء بیگم ۸۲

۲۷۵

طپاں

عبدالرزاق شاکر ۱۰۹



عبدالکریم ۳۳، ۳۴

علی گبر ۱۰۹

۹۰

ظفر (دیکھو شاہ ظفر)

۵۲

ظفر یاب خاں



ف

ع

۱۱۹

فرعون

۹۷

فخرالدین علی احمد

۸۵

فضل حق خیر آبادی

۲۹۲ ۲۷۰-۱۹۵ ۱۴۹ قصار

۲۹۴

۲۵۲

فلاطور



ق

۸۴

قلندر بخش جرات

۸۲

قوتان بیگ خاں

۱۲۹

قارون

۸۲

قتیل

۵۷

قدر بگرامی

۲۲۰ ۱۹۸ ۱۲۱ ۱۱۹ قیس مجنون

۲۱۳ ۲۷۴ ۲۳۵ ۲۳۴ ۲۲۲

۸۴

قطب الدین باطن

۲۹۰

قلم

۲۷۵

قاسم

۳۵۱

قاضی ادھو پوری



ی

۲۷۲ ۲۱۵

یالی فاس گیتا ریتا

غالب ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶

۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳

۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰

۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷

۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵

۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳

۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹

۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷

۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳

۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹

۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷

۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳

۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹

۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵

۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱

۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷

۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳

۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹

۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵

۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱

۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷

۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳



هم

۱۴۴۲

کالی دیوی

کوہکن - (دربار) ۷۲۰، ۷۲۵، ۷۸۳، ۷۱۳

کریم خان داروغہ ۸۷، ۸۸

کائن ۹۶

کوان صاحب ۳۴۲

کفیم ۲۹۰

کمال احمد صدیقی ۲۳

کلب علی خاں، نواب ۹۳، ۳۵۹

کنہیا مال، لالہ ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۴

کنہیا مال، لالہ ۲۶

کنہیا مال، لالہ ۱۷

مرزا قوقان بیگ خان ۸۲

مصطفیٰ ۸۵

محمد ایوب قادری ۱۷

ماتی ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹

مشتاق بہاری لال ۲۶

مفتی محمد انوار الحق ۸۳

مرزا شہاب الدین احمد خان شاقب ۵۸

مولوی احتشام الدین صاحب دہلوی ۸۹

محمد حسین خان ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۵، ۱۹۶

مشفق خواجہ ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۷

مجتوں ۸۲، ۹۳

۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۹، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۲۸

۶۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۹۶	مفتی محمد صدر الدین آخوند	۱۳، ۹۵، ۹۵
۶۳۹	مولوی احتشام الدین	۵۴
۶۴، ۶۸، ۹۰	مولانا نظامی بدایونی	۴۲، ۴۸
۱۵، ۸۴، ۶۳۴، ۶۹۲	تمہیش پرشاد	۴۴، ۲۵۳
۶۹	مرزا عبداللہ بیگ خاں	۸۳
۶۴، ۶۴	مہاراجہ رنجیت سنگھ	۸۸
۵۵	میر قمر الدین	۶۶
۶۴	مجرع	۵۵، ۵۴
۳۳	معظم دہانی (عرفاً بیگم)	۹۷
۲۳	مولانا فضل حق خیر آبادی	۹۱
۸۴	میر نظام الدین مکتون	۸۹
۳۲، ۴۵، ۴۹	مولوی احمد علی احمد	۹۴، ۹۴
۵۷، ۹۳	ماسٹر پیارے لال	۹۵
۸۷	مولوی امین الدین دیوبند	۹۵
	محسن علی محسن کھنوی	۲۵۲
۳۲	مکھوڈ	۲۵۴، ۲۵۲، ۲۵۲
۱۹	منشی سید چند	۳۵۷
۱۹	منصور	۱۷۱
۹۵	محمد حسین آزاد	۱۳، ۲۵۴، ۲۵۴
۸۲	مینا احمد حسین	۳۵۷
۹۱	مولانا حالی	۳۵۲
۹۳	محمد الدولہ بہادر	۲۷۲
۶۳۹، ۶۳۵، ۶۳۴	مرزا احمد بیگ خاں تپان	
	مومن	
	میر تقی میر	
	ملاحا ہرغنی کشمیری	
	میجر سید حسن بگڑی	
	مرزا حاتم علی	
	مولانا نظامی بدایونی	
	معظم الدولہ میر محمد خاں ترور	
	مولوی سراج الدین احمد	
	مولوی محمد معظم	
	مہر غلام رسول	
	میاں داد خاں سیاح	
	مرزا علی سوداگر	
	مولوی عبدالرزاق	
	مولوی احسن اللہ خان ثاقب	
	مولوی سید محمد کھنوی	
	مہاجر	
	میجر فلتہ	
	محمد شاہ	
	مرزا یوسف علی بیگ خاں	
	مرزا جمیم بیگ	
	میرامان اسد	



ف

نیرورخشاں نواب ضیاء الدین احمد خان

۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶

دیم فریر

واصل خان

دشت

۸۸

۳۵۲

۲۸۷

۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴

ناظم نواب یوسف علی خان (دیکھیے یوسف علی خان ناظم)

۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳



ک

۳۵۷

ناظر عالم

۵۲

نواب شمس الدین احمد خان

۸۴ ، ۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵

۱۹۵

۵۲ (دیکھیے تفتہ)

بدر

ہرگوپال تفتہ



ی

نبی صلعم

۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵

یوسف علی خان بہادر ناظم نواب

۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱

(دیکھیے ناظم)

نواب عمار الملک

نواب نجم حسین

۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱

نور الحسن باشمی صاحب

۵۰

نصر اللہ بیگ خان

۸۳

نواب انوار الدولہ بہادر شفیق

۵۵

نظامی بدایونی

۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱

نبی بخش حقیر

۸۹

نواب احمد بخش خان

۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱

۸۴

نواب علی بہادر باندہ

۸۴ ، ۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱

نواب امین الدین خان احمد

۸۴ ، ۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱

نظم طباطبائی

۸۴ ، ۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱



مقامات وغیرہ

ا

پ

اگرہ ۲۶، ۳۳، ۸۲، ۸۴، ۸۶، ۹۰	پنجاب	۱۱، ۳۶، ۳۷
۲۹۹، ۹۲	پانی پت	۹۰
آزاد لائبریری علی گڑھ	پرتگال	۸۵

ا

ت

اجمیر	تھانہ	۹۰
اکبر آباد		
انگلستان		
اورنگ زیب	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی	۲۹
اکل المطابع ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶	جولہ بھون بستی	۵۰
	جامعہ اسلامیہ دہلی	۶۶

ب

ج

بھوپال	جے پور	۸۲
بستی	جیل پور	۱۷
بریلی		
بستی نظام الدین		
بل ماران	چین	۳۶۲

باندرہ

۳۰۱، ۳۰۳

کعبہ	۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۴	مرکزی اردو بورڈ لاہور	۳۳
	۲۸۲، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۲، ۳۲۵	مراد آباد	۱۷، ۱۷، ۱۷
	۳۳۰، ۳۳۸، ۳۴۰	مدینہ	۲۷
گلکٹہ	۳۹، ۴۱، ۸۴، ۸۷	مہری لال پریس ہائٹرس	۳۳
	۹۰، ۹۲، ۱۲۵	مطبع مصطفائی	۹۴
کراچی	۲۸۲	مطبع احمدی	۲۱، ۹۲
کوثر	۱۵۶، ۱۶۹، ۱۰۷	منشی سنت پرشاد آرہ	۹۵
کریلا	۳۶۸	دارالسلام دہلی	۲۱، ۷۳، ۸۹
ج		احمدی با اہتمام اموجان	۷۷، ۷۸
		علی پرنٹ کمیٹی	۵
گروتالاب		مطبع نظامی کانیور	۹۳
گوڑگانوان	۳۶۲	نبوی کلکتہ	۹۶
ل		سراجی دہلی	۹۵
		سلطان دہلی	۸۹، ۹۱
لاہور	۸۲	سیدا اعتبار دہلی	۶۱، ۷۰
لوہارو	۳۶۱، ۳۶۶		۷۷، ۸۹
م		مفتی خلائق اگرہ	۲۱، ۹۲، ۹۳
		نظامی بدایوں	۷۱، ۷۲
مطبع فروغ اردو کھنؤ	۱۳	کانیور	۲۱، ۷۲، ۷۳
مطبع کراچی	۱۶		۲۵، ۹۳
مہروی	۴۲	منظر العجائب، کلکتہ	۹۴
مکتہ	۳۰، ۳۱، ۳۲	لوک شوری کھنؤ	۳۰، ۳۱، ۳۲
مجلس پریس دہلی	۹۳		۹۳، ۹۵

کتاب رسائل وغیرہ

۲۱۶	بال تبریک	۱	آب حیات - ۱۱
۲۵۱	باغ مہر	۲	آدم نامہ
	پ	۳	آثار غالب
۳۰	پاری سراوان کشمیر	۴	انتخاب غالب
۳۰۰، ۹۵، ۸۸، ۱۹	پنج آہنگ	۵	ارمغان غالب
	م	۶	الناظر
۱۶	تذکرہ کاٹان رامپور	۷	اردو سے معنی
	تذکرہ عیار الشعراء	۸	احوال غالب
	(نیز دیکھیے عیار الشعراء)	۹	اختیار لدھیانہ
	تذکرہ عمدہ منتخبہ ۲۳	۱۰	اردو اخبار دہلی
	(نیز دیکھیے عمدہ منتخبہ)	۱۱	اسعد الاخبار
۹۵	یتیم تیز	۱۲	ب
۳۰	تذکرہ شمع انجمن	۱۳	بوستان
۲۵۰	کشف حکمت		
	ج		
۳۵	جائزہ مخطوطات اردو		

ح *

حسن خیال

۲۷، ۳۱، ۳۲

خ *

خطوط غالب

۲۵۳

ح *

دیوان غالب ۱۳، ۱۴، ۱۹، ۲۰

۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵

۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰

۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵

۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰

۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵

۹۲، ۹۳، ۹۴

دیوان ظفر

۳۱۸

دستور العمل اودھ

۳۲۸

دیوان معروف

۲۵۳

دیوان ذوق

۵۲

درغش کاویان

۹۳

رافع ہدایہ

۹۳

دعائے صباح

۹۴

دیوان تمام

۲۳

دیوان غنی

دستنبو

دیوان فارسی

ر *

رسالہ خزین

۳۴

رسالہ اردوئے معنی

۵۰

رسالہ تحفہ حیدرآباد - وکن

۵۱

رسالہ ادیب

۵۲

رسالہ دہلی سوسائٹی

۳۴۳

رسالہ طوفان

۳۳۰

ریاض الامراء

۳۲۵

س *

ساطع برہان

۹۳، ۹۴

سبد چین

۹۵

سہ ماہی اردو اورنگ آباد - ۲۷، ۳۱، ۳۲

۳۲۲

سوالات عید الکریم

۹۳

سید الاخبار

۳۰۳

ش *

شرح دیوان غالب از نظامی

۴۴

ص *

صادق الاخبار

۹۲

ع

قانع القانع

۱۹۴

ک

عمرہ منتخبہ ۳۵، ۳۸، ۳۹، ۴۰

۱۹۵

کلیات شرفاری - غالب

۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۸

۱۵۱

کلیات اقبال

(نیز دیکھئے تذکرہ عمرہ منتخبہ)

گ

۱۰۹، ۹۵

عودِ معذری

۱۱۱

گلستانِ سعدی

۸۴، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۱۴

۱۴۵

گفتارِ غالب

غ

۱۸۴

گلستانِ بے خزاں

۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۹

گلِ رعنا قلمی اور مطبوعہ

۱۵۶

غالب کے خطوط

۱۲۸۳

گلشنِ بے خار

۳۰، ۳۱

غالب مہر

۱۳۶۳

گلدستہٴ انجمن

۱۸

غالب تقلید و اجتہاد

ل

۶۶

غالب

۵۶، ۹۳

لطائفِ غیبی

ف

م

۲۴

فرہنگِ آصفیہ

۳۱

مثنوی مولوی معنوی

۳۱، ۳۲

فرہنگِ اندراج

۳۹

مخطوطہ دیوانِ غالب، بیگم تلابان

ق

۴۲

مکتوباتِ امیرِ مینائی

۲۳، ۹۱، ۹۲، ۱۱۶

۹۳

مثنوی ابرہہ گبر بار

۳۳۹، ۳۴۳

۹۳

محرقِ قانع برہان

۹۳، ۹۴، ۹۵

قانع برہان

مہر نیمروز

۸۹ ، ۹۱ ، ۹۵



موتیہ بریان

۹۲ ، ۹۵

ہنگامہ دل آشوب (۱) (۲)

۹۵

ن



نسخہ شیرانی - ۱۲ ، ۱۵ ، ۲۳

۳۵ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۴۸

نسخہ بھوپال بخط غالب - ۱۸ ، ۲۳ ، ۳۵

۳۵ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۱

نامہ غالب

۹۴

نسخہ رام پور

۲۳ ، ۲۴

نسخہ بدایون

۲۳ ، ۲۴ ، ۲۶

نسخہ دہلی

۲۳ ، ۲۴ ، ۲۶

نسخہ لاہور

۲۳ ، ۲۴ ، ۲۶

نسخہ کریم الدین یا نسخہ کراچی - ۲۳ ، ۲۴

۲۸۳

نسخہ رام پور

۲۳ ، ۲۴ ، ۲۶

نسخہ عرشی

۲۳ ، ۲۴

نسخہ تذکرہ گلزار سخن

۲۹

نسخہ بھوپال

۲۹

۵-۳ راشد - ایک مطالعہ

۳۰

لکات غالب واقعات غالب

۹۵

نسخہ امروہہ (بھوپال) بخط غالب

۵۳



یادگار غالب

۱۱ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۲۴

۲۷ ، ۳۱

یوسف ہندی قید فرہنگ میں

۱۱ ، ۱۲

یادگار غالب

۳۴۴

